

## فہرست

صفحہ نمبر

3	① صفاتِ باری تعالیٰ اور سلف صالحین
55	② عمر عائشہ رضی اللہ عنہا
86	③ اوقات نماز
113	④ کاتب وحی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
178	⑤ نیت
195	⑥ مرد کے لیے سونے کا استعمال
202	⑦ جلسہ استراحت
223	⑧ قرآن کریم کی قسم
229	⑨ انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے؟
233	⑩ لوہے کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟
239	⑪ ان شاء اللہ کہنے سے قسم بے اثر!
245	⑫ کیا جنات میں کوئی نبی تھا؟
249	⑬ نماز میں نظر کا مقام
255	⑭ قارئین کے سوالات

## صفاتِ باری تعالیٰ اور سلف صالحین

امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ أَثْنَى اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ،  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ وَالتَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ، وَسَبَقَ  
لَهُمْ عَلَى لِسَانِ رَسُولِ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ  
الْفَضْلِ مَا لَيْسَ لِأَحَدٍ بَعْدَهُمْ، فَرَحِمَهُمُ اللَّهُ وَهَنَّاهُمْ بِمَا  
آتَاهُمْ مِنْ ذَلِكَ بِبُلُوغِ أَعْلَى مَنَازِلِ الصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ  
وَالصَّالِحِينَ، هُمْ أَدَّوْا إِلَيْنَا سُنَنَ رَسُولِ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، وَشَاهَدُوهُ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ، فَعَلِمُوا مَا أَرَادَ رَسُولُ  
اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَامًّا وَخَاصًّا، وَعَزَمُوا وَإِرْشَادًا  
وَعَرَفُوا مِنْ سُنَّتِهِ مَا عَرَفْنَا وَجَهِلْنَا، وَهُمْ فَوْقَنَا فِي كُلِّ عِلْمٍ  
وَأَجْتِهَادٍ، وَوَزَعٍ وَعَقْلِ، وَأَمْرٍ اسْتَدْرَكَ بِهِ عِلْمٌ وَاسْتَنْبَطَ بِهِ  
وَأَرَاؤُهُمْ لَنَا أَحْمَدُ وَأَوْلَى بِنَا مِنْ آرَائِنَا عِنْدَنَا لِأَنفُسِنَا.

”اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کی تعریف و ستائش قرآن کریم، تورات  
اور انجیل میں فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی انہیں ایسی خیر سے نوازا

ہے، جو بعد والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ ان پر اپنی خاص رحمت نازل کرے اور صدیقین، شہدا اور صالحین کے اعلیٰ مراتب پر فائز کرے۔ یہ تو وہ ہستیاں ہیں، جنہوں نے ہم تک رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنتیں پہنچائی، براہ راست نزول وحی کا مشاہدہ کیا۔ جن عام، خاص، فرض، مستحب کا رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا، ان کا علم حاصل کیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں سے واقف تھے، جن سے واقف ہیں اور ہم بعض سے نا آشنا بھی ہیں۔ وہ ہم سے علم، اجتہاد، تقویٰ و ورع، عقل اور ہر فقہی و اجتہادی مسئلہ میں فوقیت رکھتے ہیں۔ ہماری اپنی آراء ہمارے لیے اس قدر بہتر نہیں، جس قدر ان کی آرا ہمارے لیے قابل ستائش اور اولیٰ ہیں۔“

(مناقب الشافعی للبيهقي: ۴۴۲/۱)

شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

كُلُّ قَوْلٍ يَنْفَرِدُ بِهِ الْمُتَأَخِّرُ عَنِ الْمُتَقَدِّمِينَ وَلَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكُونُ خَطَأً كَمَا قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ :  
إِيَّاكَ أَنْ تَتَكَلَّمَ فِي مَسْأَلَةٍ لَيْسَ لَكَ فِيهَا إِمَامٌ .

”متاخرین کا ہر وہ قول، جو متقدمین سے منفرد ہو، سلف صالحین میں سے کسی نے وہ بات نہ کہی ہو، تو وہ خطا ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے (اپنے شاگرد میمون بن محمد رحمہ اللہ کو نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا: ایسے مسئلہ میں گفتگو مت کریں، جس میں آپ کا کوئی (سلف میں) امام نہ ہو۔“

(مجموع الفتاوى: ۲۹۱/۲۱)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

ثَبَّتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّحِيحِ مِنْ  
وُجُوهِ مُتَعَدِّدَةٍ أَنَّهُ قَالَ: خَيْرُ الْقُرُونِ الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثَتْ فِيهِمْ،  
ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ خَيْرَ الْقُرُونِ قَرْنَهُ مُطْلَقًا، وَذَلِكَ يَقْتَضِي  
تَقْدِيمَهُمْ فِي كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْخَيْرِ، إِلَّا لَوْ كَانُوا خَيْرًا  
مِنْ بَعْضِ الْوُجُوهِ، فَلَا يَكُونُونَ خَيْرَ الْقُرُونِ مُطْلَقًا، فَلَوْ جَازَ  
أَنْ يُخْطِئَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ فِي حُكْمٍ وَسَائِرِهِمْ لَمْ يُفْتَوْا  
بِالصَّوَابِ، وَإِنَّمَا ظَفَرَ بِالصَّوَابِ مَنْ بَعْدَهُمْ، وَأَخْطَأُوا هُمْ  
لَزِمَ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الْقَرْنُ خَيْرًا مِنْهُمْ مِنْ ذَلِكَ الْوَجْهِ، لِأَنَّ  
الْقَرْنَ الْمُشْتَمِلَ عَلَى الصَّوَابِ خَيْرٌ مِنَ الْقَرَنِ الْمُشْتَمِلِ  
عَلَى الْخَطَا فِي ذَلِكَ الْفَنِّ، ثُمَّ هَذَا يَتَعَدَّدُ فِي مَسَائِلَ  
عَدِيدَةٍ؛ لِأَنَّ مَنْ يَقُولُ: قَوْلُ الصَّحَابِيِّ لَيْسَ بِحُجَّةٍ، يَجُوزُ  
عِنْدَهُ أَنْ يَكُونَ مَنْ بَعْدَهُمْ أَصَابَ فِي كُلِّ مَسْأَلَةٍ قَالَ فِيهَا  
الصَّحَابِيُّ قَوْلًا، وَلَمْ يُخَالَفْهُ صَحَابِيُّ آخَرُ، وَفَاتَ هَذَا  
الصَّوَابُ الصَّحَابَةَ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ هَذَا يَأْتِي فِي مَسَائِلَ كَثِيرَةٍ  
تَفُوقُ الْعَدَّ وَالْإِحْصَاءَ، فَكَيْفَ يَكُونُونَ خَيْرًا مِمَّنْ بَعْدَهُمْ

وَقَدْ اِمْتَاَزَ الْقَرْنُ الَّذِي بَعْدَهُمْ بِالصَّوَابِ فِيمَا يَفُوْقُ الْعَدَّ  
وَالْاِحْصَاءَ مِمَّا اَخْطَاوْا فِيْهِ؟ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ فَضِيْلَةَ الْعِلْمِ  
وَمَعْرِفَةِ الصَّوَابِ اَكْمَلُ الْفَضَائِلِ، وَاَشْرَفُهَا، فَيَا سُبْحَانَ  
اللّٰهِ، اَيُّ وَصْمَةٍ اَعْظَمُ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ الصِّدِّيقُ اَوْ الْفَارُوْقُ اَوْ  
عُثْمَانُ اَوْ عَلِيٌّ اَوْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَوْ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ اَوْ عُبَادَةُ  
بْنُ الصَّامِتِ، وَاَضْرَابُهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، قَدْ اَخْبَرَ عَنْ  
حُكْمِ اللّٰهِ اَنَّهُ كَيْتَ وَكَيْتَ فِيْ مَسَائِلَ كَثِيْرَةٍ، وَاَخْطَا فِي  
ذٰلِكَ، وَلَمْ يَشْتَمِلْ قَرْنُهُمْ عَلٰى نَاطِقٍ بِالصَّوَابِ فِيْ تِلْكَ  
الْمَسَائِلِ حَتّٰى تَبَعَ مَنْ بَعْدَهُمْ فَعَرَفُوْا حُكْمَ اللّٰهِ الَّذِيْ جَهْلَهُ  
اُولٰٓئِكَ السَّادَةُ، وَاَصَابُوا الْحَقَّ الَّذِيْ اَخْطَاَهُ اُولٰٓئِكَ الْاِئِمَّةُ؟  
سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ.

”یہ حدیث کئی طرق سے ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’سب سے بہترین زمانہ وہ ہے، جن میں میں مبعوث ہوا، پھر بعد والے، پھر  
ان کے بعد والے۔‘ نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ ان کا زمانہ مطلقاً سب سے بہتر  
ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے کے لوگ (صحابہ کرام) خیر کے ہر کام میں مقدم  
ہیں، اور اگر صحابہ کا بہتر ہونا صرف چند امور میں ہوتا، تو وہ مطلقاً خیر القرون نہ  
ہوتے۔ اگر ایسا ممکن ہو کہ کسی صحابی نے کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتے ہوئے غلطی  
کھائی، دوسرے صحابہ نے درست فتویٰ بھی نہ دیا اور بعد میں آنے والے نے

درستی کو پالیا اور صحابہ غلط ہو گئے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس مسئلہ میں بعد والا زمانہ بہترین ہے، کیوں کہ جس زمانے میں درست بات ہوئی، وہ اس فن میں خطا والے زمانے سے افضل ہے۔ یوں کئی مسائل میں بعد والا زمانہ افضل ٹھہرے گا۔ کیوں کہ قول صحابی کو حجت نہ ماننے والوں کے نزدیک جائز ٹھہرے گا کہ بعد والوں کا قول ہر اس مسئلہ میں درست ہے، جس میں کسی صحابی نے فتویٰ دیا ہو اور کسی دوسرے صحابی نے نکیر نہ فرمائی ہو، نیز یہ لازم آئے گا کہ درست بات صحابہ سے چوک گئی۔ یہ تو طے ہے کہ ایسا بے شمار مسائل میں ہوا ہے۔ تو صحابہ بعد والوں سے افضل کیسے؟ جب کہ بعد والے بے شمار مسائل میں درست ہیں، جن میں صحابہ غلطی کھا گئے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ علم و معرفت کی فضیلت اکمل اور اشرف فضیلت ہے۔ تعجب ہے! اس سے بڑی رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ صدیق، فاروق، عثمان، علی، ابن مسعود، سلمان فارسی، عبادہ بن صامت یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی حکم الہی کے متعلق خبر دے کہ یہ ایسے ایسے ہے، تو بے شمار مسائل میں خطا کا مرتکب ٹھہرے اور ان مسائل میں ان کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صواب نہ ہو۔ حتیٰ کہ ہمیں ان کے بعد ایسے لوگ ملیں، جو حکم الہی کی اس حقیقت کو پہچان جائیں، جس سے صحابہ کی سعادت مند جماعت نا آشنا رہ گئی اور بعد والے ان مسائل میں درستی کو پالیں، جن میں یہ ائمہ ہدیٰ خطا کا شکار ہو گئے۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم!“

(إعلام المؤمنین عن رب العالمین : ۷۷-۷۸)

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ابْتُلِينَا بِجَهْلَةٍ مِّنَ النَّاسِ يَعْتَقِدُونَ فِي بَعْضِ مَن تَوَسَّعَ  
 فِي الْقَوْلِ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ أَنَّهُ أَعْلَمُ مِمَّنْ تَقَدَّمَ فَمِنْهُمْ مَن  
 يَظُنُّ فِي شَخْصٍ أَنَّهُ أَعْلَمُ مِنْ كُلِّ مَن تَقَدَّمَ مِنَ الصَّحَابَةِ  
 وَمَنْ بَعْدَهُمْ لِكَثْرَةِ بَيَانِهِ وَمَقَالِهِ، وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ هُوَ أَعْلَمُ  
 مِنَ الْفُقَهَاءِ الْمَشْهُورِينَ الْمُتَّبُوعِينَ، وَهَذَا يَلْزِمُ مِنْهُ مَا قَبْلَهُ  
 لِأَنَّ هَؤُلَاءِ الْفُقَهَاءَ الْمَشْهُورِينَ الْمُتَّبُوعِينَ أَكْثَرُ قَوْلًا مِّمَّنْ  
 كَانَ قَبْلَهُمْ، فَإِذَا كَانَ مَنْ بَعْدَهُمْ أَعْلَمُ مِنْهُمْ لَا تَسَّاعِ قَوْلُهُ :  
 كَانَ أَعْلَمُ مِمَّنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْهُمْ قَوْلًا بِطَرِيقِ الْأُولَى، كَالثَّوْرِيِّ  
 وَالْأَوْزَاعِيِّ وَاللَّيْثِ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَطَبَقَتِهِمْ، وَمِمَّنْ قَبْلَهُمْ  
 مِنَ التَّابِعِينَ وَالصَّحَابَةِ أَيْضًا، فَإِنَّ هَؤُلَاءِ كُلَّهُمْ أَقَلَّ كَلَامًا  
 مِّمَّنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ، وَهَذَا تَنْقُصُ عَظِيمٌ بِالسَّلَفِ الصَّالِحِ  
 وَإِسَاءَةٌ ظَنٌّ بِهِمْ وَنَسْبَتُهُ لَهُمْ إِلَى الْجَهْلِ وَقُصُورِ الْعِلْمِ وَلَا  
 حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَلَقَدْ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ فِي قَوْلِهِ فِي  
 الصَّحَابَةِ أَنَّهُمْ أَبْرُ الْأُمَّةِ قُلُوبًا، وَأَعَمَّقُهَا عُلُومًا، وَأَقْلَهَا  
 تَكَلُّفًا، وَرَوِيَ نَحْوَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا، وَفِي هَذَا إِشَارَةٌ إِلَى  
 أَنَّ مَنْ بَعْدَهُمْ أَقَلَّ عُلُومًا وَأَكْثَرَ تَكَلُّفًا، وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ  
 أَيْضًا : إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ كَثِيرٍ عُلَمَاؤُهُ قَلِيلٌ خُطَبَاؤُهُ وَسَيِّئَاتِي

بَعْدَكُمْ زَمَانٌ قَلِيلٌ عُلَمَاؤُهُ كَثِيرٌ خُطَبَاؤُهُ، فَمَنْ كَثُرَ عِلْمُهُ وَقَلَّ قَوْلُهُ فَهُوَ الْمَمْدُوحُ، وَمَنْ كَانَ بِالْعَكْسِ فَهُوَ مَذْمُومٌ.

”ہمارا پالا ایسے جاہلوں سے پڑا ہے کہ جو بعض لمبی گفتگو کرنے والے متاخرین کو متقدمین سے افضل گردانتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ متاخر کثرت کلام اور وضاحت کی بنا پر مطلقاً متقدمین صحابہ اور تابعین سے بڑا عالم ہے، بعض اسے مشہور متبوع ائمہ سے بڑا عالم قرار دیتے ہیں۔ اس سے پہلی بات ہی لازم آتی ہے، کیوں کہ متبوع ائمہ کی گفتگو پہلوں سے نسبتاً طویل ہے۔ اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ جب متاخرین ائمہ متبوعین سے اعلم ہیں، تو اپنے جیسے مختصر گفتگو کرنے والوں سے بطریق اولیٰ اعلم ٹھہریں گے، جیسے سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور ان کے طبقے کے دیگر محدثین۔ اسی طرح ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے بھی۔ یہ سب ہستیاں متاخرین کی بہ نسبت مختصر کلام کرتی تھیں۔ اس بات سے سلف صالحین کی شان میں تنقیص، سوء ظنی، جہالت اور کم علمی لازم آتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ! سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا تھا: ”صحابہ امت میں سب سے زیادہ نیک دل، گہرا علم رکھنے والے اور بے تکلف ہیں۔“ تقریباً اسی طرح کی بات سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس اثر سے ثابت ہوتا ہے کہ متاخرین میں علم کم اور تکلف زیادہ ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں: ”آپ ایسے زمانے میں ہیں کہ جس میں علماء زیادہ اور خطباء کم ہیں، آپ کے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے، جس میں علماء کم اور خطباء زیادہ ہوں



گے۔ لہذا جس کی گفتگو علمی اور مختصر ہوگی وہ تو قابل ستائش ہے اور جس کی ایسی نہ ہوئی، وہ مذموم ہے۔“

(بیان فضل علم السلف علی الخلف، ص ۴-۵)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

.....أَنْ يَتَحَرَّى كُتُبَ الْمُتَقَدِّمِينَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْمُرَادِ، فَإِنَّهُمْ أَقْعَدُ بِهِ مِنْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَأَصْلُ ذَلِكَ التَّجَرُّبَةُ وَالْخَبَرُ.

أَمَّا التَّجَرُّبَةُ، فَهُوَ أَمْرٌ مُشَاهَدٌ فِي أَيِّ عِلْمٍ كَانَ، فَالْمُتَأَخِّرُ لَا يَبْلُغُ مِنَ الرُّسُوخِ فِي عِلْمٍ مَا يَبْلُغُهُ الْمُتَقَدِّمُ، وَحَسْبُكَ مِنْ ذَلِكَ أَهْلُ كُلِّ عِلْمٍ عَمَلِيٌّ أَوْ نَظَرِيٌّ، فَأَعْمَالُ الْمُتَقَدِّمِينَ فِي إِصْلَاحِ دُنْيَاهُمْ وَدِينِهِمْ عَلَى خِلَافِ أَعْمَالِ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَعُلُومُهُمْ فِي التَّحْقِيقِ أَقْعَدُ، فَتَحَقُّقُ الصَّحَابَةِ بِعُلُومِ الشَّرِيعَةِ لَيْسَ كَتَحَقُّقِ التَّابِعِينَ، وَالتَّابِعُونَ لَيْسُوا كَتَابِعِيهِمْ، وَهَكَذَا إِلَى الْآنِ، وَمَنْ طَالَعَ سِيرَهُمْ، وَأَقْوَالَهُمْ، وَحِكَايَاتِهِمْ؛ أَبْصَرَ الْعَجَبَ فِي هَذَا الْمَعْنَى.

وَأَمَّا الْخَبَرُ، فَفِي الْحَدِيثِ: «خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»، وَفِي هَذَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ كُلَّ قَرْنٍ مَعَ مَا بَعْدَهُ كَذَلِكَ.

”اہل علم متقدمین کی کتب کا بغور مطالعہ کیجئے۔ متقدمین کا علم بہ نسبت متاخرین اہل علم کے زیادہ گہرا ہے۔ اس کی دلیل تجربہ اور حدیث ہے۔ تجربہ: علم کے ہر میدان میں یہ بات واضح ہے، کیوں کہ متاخر علمی رسوخ کے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکے، جہاں تک متقدم پہنچ گئے تھے۔ میدان علم کا ہوا عمل کا آپ کو متقدمین ہی کافی ہیں۔ دین و دنیا کی اصلاح میں متقدمین کے کارنامے متاخرین سے ہٹ کر ہیں اور تحقیق میں ان کے علوم و فنون سمندر کی گہرائی رکھتے ہیں۔ صحابہ کی شرعی علوم میں تحقیق تابعین کی تحقیق کی طرح نہیں ہے، تابعین کی اتباع تابعین کی تحقیق کی طرح نہیں ہے اور اسی طرح آج تک۔ جوان کی سیرت، اقوال اور واقعات کا مطالعہ کر لے، وہ تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر بعد والوں کا، پھر ان کے بعد والوں کا۔“ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ہر زمانے کی اپنے سے بعد والے زمانے کے ساتھ یہی نسبت ہوگی۔“

(الموافقات: ۷۴/۱)

نیز فرماتے ہیں:

الْحَذَرُ الْحَذَرُ مِنْ مُخَالَفَةِ الْأَوَّلِينَ، فَلَوْ كَانَ ثُمَّ فَضْلٌ مَّا لَكَانَ الْأَوَّلُونَ أَحَقَّ بِهِ .

”پہلوں کی مخالفت سے مجتنب رہیے، کیوں کہ ہر خیر کے اول مصداق سلف ہیں۔“

(الموافقات: ۵/۵۶)

## صفات باری تعالیٰ اور فرق ضالہ

صفات باری تعالیٰ میں تحریف و تعطیل، تکلیف و تمثیل اور تشبیہ ممنوع ہے۔  
حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۸ھ) لکھتے ہیں:

فَكَانَ النَّاسُ فِي عَافِيَةٍ وَسَلَامَةٍ فِطْرَةٍ حَتَّى نَبَغَ جَهْمٌ فَتَكَلَّمَ  
فِي الْبَارِي تَعَالَى وَفِي صِفَاتِهِ بِخِلَافٍ مَا أَتَتْ بِهِ الرُّسُلُ  
وَأُنْزِلَتْ بِهِ الْكُتُبُ، نَسَأَلُ اللَّهَ السَّلَامَةَ فِي الدِّينِ .

”لوگ صحیح العقیدہ اور سلیم الفطرت تھے کہ جہم بن صفوان آیا۔ اس نے اللہ اور  
صفات باری تعالیٰ میں ایسی گفتگو شروع کر دی، جو رسولوں اور کتب منزلہ کی  
تعلیمات کے متصادم تھی۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین میں سلامتی  
سے بہرور فرمائے۔“

(تاریخ الإسلام: ۳/۳۸۹)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۸ھ) فرماتے ہیں:

وَطَرِيقَةُ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَيْمَتِهَا: أَنَّهُمْ يَصِفُونَ اللَّهَ بِمَا وَصَفَ  
بِهِ نَفْسَهُ وَبِمَا وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ، مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَلَا  
تَعْطِيلٍ، وَلَا تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ، إِبْثَاتٌ بِلَا تَمْثِيلٍ، وَتَنْزِيَهُ بِلَا  
تَعْطِيلٍ، إِبْثَاتٌ الصِّفَاتِ، وَنَفْيُ مُمَائِلَةِ الْمَخْلُوقَاتِ .

”سلف صالحین اور ائمہ دین کا صفات باری تعالیٰ میں مسلک یہ ہے کہ وہ اللہ کو

ان صفات سے متصف کرتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو متصف کیا یا رسول اللہ ﷺ نے متصف کیا۔ ان صفات میں تحریف، تعطیل، تکلیف یا تمثیل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ بغیر تمثیل کے اثبات کرتے ہیں اور بغیر تعطیل کے تنزیہ کرتے ہیں، صفات کو ثابت کرتے ہیں اور مخلوقات سے مماثلت کی نفی کرتے ہیں۔“

(منهاج السنة النبوية: ۵۲۳/۲)

امام وکیع بن جراح فرماتے ہیں:

أَدْرَكْنَا إِسْمَاعِيلَ بْنَ أَبِي خَالِدٍ وَسُفْيَانَ وَمِسْعَرًا يُحَدِّثُونَ  
بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ وَلَا يُفَسِّرُونَ شَيْئًا.

”میں نے اسماعیل بن ابو خالد، سفیان اور مسعر رحمہم اللہ کو دیکھا، وہ ان احادیث کو بیان کیا کرتے تھے، تفسیر نہیں کرتے تھے۔“

(تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ الدوری: ۲۵۴۳، الأسماء والصفات للبيهقي: ۷۵۹)

اشاعرہ اور ماتریدیہ، اللہ کی صرف سات صفات مانتے ہیں، وہ یہ ہیں۔ سماع، بصر، علم، کلام، قدرت، ارادہ اور حیات۔ باقی سب صفات میں تاویل کرتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ”رحمن اپنے عرش پر بلند ہے۔“ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اس کا ظاہری معنی لیا ہے۔ ان سب کا اتفاق ہے کہ اللہ عرش پر بلند ہے، ہر جگہ نہیں۔ اللہ کو ہر جگہ ماننا جہمیہ کا عقیدہ ہے، اہل سنت کا نہیں۔ لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”اس آیت کے بارے میں تمام علما نے یہ فرمایا کہ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں

ہیں، پھر بعض حضرات نے تو اس کو مجاز قرار دیا اور کہا اس سے مراد غلبہ اور قدرت وغیرہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت ان تشابہات میں سے ہے، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: وَلَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ”اس کی تاویل و تفسیر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

(علوم القرآن، ص ۴۱۲-۴۱۳)

تمام علماء سے جانے کیا مراد ہے، اگر اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں تو درست، اگر سلف امت، صحابہ و تابعین مراد ہیں تو ان کی بات درست نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَهَذِهِ التَّأْوِيلَاتُ مِنْ بَابِ تَحْرِيفِ الْكَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِهِ، وَالْإِلْحَادِ فِي آيَاتِ اللَّهِ، وَهِيَ مِنْ بَابِ الْكَذِبِ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى رَسُولِهِ وَكِتَابِهِ، وَمِثْلُ هَذِهِ لَا تَجْعَلُ حَقًّا حَتَّى يُقَالَ: إِنَّ اللَّهَ اسْتَأْثَرَ بَعْلَمَهَا، بَلْ هِيَ بَاطِلٌ، مِثْلُ شَهَادَةِ الزُّورِ، وَكُفْرِ الْكُفَّارِ يَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّهَا بَاطِلٌ، وَاللَّهُ يُعْلَمُ عِبَادَهُ بِطُلَانِهَا بِالسَّبَابِ الَّتِي بِهَا يَعْرِفُ عِبَادَهُ مِنْ نَصَبِ الْأَدِلَّةِ وَغَيْرِهَا وَأَصْلُ وَقُوعِ أَهْلِ الضَّلَالِ فِي مِثْلِ هَذَا التَّحْرِيفِ، الْإِعْرَاضُ عَنْ فَهْمِ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى، كَمَا فَهَمَهُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ، وَمُعَارَضَةُ مَا دَلَّ عَلَيْهِ بِمَا يُنَاقِضُهُ، وَهَذَا هُوَ مِنْ أَعْظَمِ الْمُحَادَّةِ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ، لَكِنْ عَلَى وَجْهِ النِّفَاقِ

وَالْخَدَاعُ .

”یہ تاویلات کلام اللہ کی صریح تحریف اور آیات بینات میں الحاد ہے۔ اللہ، اس کے رسول اور قرآن پر جھوٹ ہے۔ آپ کو کہا جائے کہ ان صفات کے معانی اللہ نے اپنے پاس رکھے ہیں، تو آپ اسے حق مت سمجھیں، بلکہ یہ بالکل باطل ہے۔ جیسے جھوٹی گواہی اور کفار کے کفر کو اللہ جانتا ہے کہ یہ باطل ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بھی کچھ اسباب کے ذریعے ان کا بطلان عیاں کر دیتا ہے۔ مثلاً دلائل وغیرہ۔ گمراہوں کی تحریف میں وقوع کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کو ایسے نہیں سمجھا، جیسے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے سمجھا تھا، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مدلولات سے معارضہ کرنا ہے۔ یہ بھی (کفار) کی طرح اللہ اور اس کے سچے رسول کریم ﷺ کے دشمن ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ان کی دشمنی نفاق اور دھوکہ کی بنا پر ہے۔“

(درء تعارض العقل والنقل: ۵/۳۸۳)

نیز فرماتے ہیں:

فَتَأْوِيلُ هَؤُلَاءِ الْمُتَأَخِّرِينَ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ تَحْرِيفٌ بَاطِلٌ .  
”ائمہ حق کے مطابق ان متاخرین کی تاویل، باطل تحریف ہے۔“

(مجموع الفتاوى: ۱۳/۲۹۵)

آیات صفات کو متشابہات قرار دینا مفوضہ کا مذہب ہے۔ وہ صفات والی نصوص کو متشابہ کہتے ہیں ان کی مراد ہوتی ہے کہ صفات باری تعالیٰ اور اسمائے حسنیٰ کا معنی اللہ کے سوا

کوئی نہیں جانتا۔ سلف صالحین اور ائمہ حدیث اس سے بری تھے۔ وہ ان کی کیفیت کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے، وہ استواء علی العرش، نزول وغیرہ کے معانی سے واقف تھے۔ صفات والی آیات کو تشابہات قرار دینا، توحید سے روگردانی ہے اور سلف کی مخالفت ہے۔

سلف کی مخالفت میں کوئی عقیدہ معتبر نہیں۔ توحید والی آیات کو تشابہات قرار دے کر قدریہ، جبریہ، جہمیہ، اشاعرہ، ماتریدہ، رافضیہ، مفوضہ اور خوارج نے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ یوں بہت ساری آیات بینات کو مہمل (بے معنی) بنا کر معطلہ بن گئے۔ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ صفات باری تعالیٰ عقیدہ توحید کی اساس ہیں اور محکم آیات سے ثابت ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَمِنْ هُنَا قَالَ مَنْ قَالَ مِنَ النُّفَاةِ : إِنَّ طَرِيقَةَ الْخَلْفِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، وَطَرِيقَةَ السَّلَفِ أَسْلَمُ، لِأَنَّهُ ظَنَّ أَنَّ طَرِيقَةَ الْخَلْفِ فِيهَا مَعْرِفَةُ النَّفْيِ، الَّذِي هُوَ عِنْدَهُ الْحَقُّ، وَفِيهَا طَلَبُ التَّوِيلِ لِمَعَانِي نُصُوصِ الْإِثْبَاتِ، فَكَانَ فِي هَذِهِ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ بِمَعْقُولٍ، وَتَأْوِيلٌ لِمَنْقُولٍ، لَيْسَ فِي الطَّرِيقَةِ الَّتِي ظَنَّنَهَا طَرِيقَةَ السَّلَفِ، وَكَانَ فِيهِ أَيْضًا رَدُّ عَلَى مَنْ يَتَمَسَّكُ بِمَذْهَبِ النُّصُوصِ، وَهَذَا عِنْدَهُ مِنْ إِحْكَامِ تِلْكَ الطَّرِيقِ، وَمَذْهَبُ السَّلَفِ عِنْدَهُ عَدَمُ النَّظَرِ فِي فَهْمِ النُّصُوصِ، لِتَعَارُضِ الْإِحْتِمَالَاتِ، وَهَذَا عِنْدَهُ أَسْلَمُ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ اللَّفْظُ يَحْتَمِلُ عِدَّةَ مَعَانٍ، فَتَقْسِيرُهُ بِبَعْضِهَا دُونَ بَعْضٍ فِيهِ مُخَاطَرَةٌ، وَفِي

الْإِعْرَاضِ عَنْ ذَلِكَ سَلَامَةً مِّنْ هَذِهِ الْمُخَاطَرَةِ .

فَلَوْ كَانَ قَدْ بَيَّنَّ وَتَبَيَّنَ لِهَذَا وَأَمثَالِهِ أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ إِنَّمَا هِيَ إِثْبَاتُ مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ النُّصُوصُ مِنَ الصِّفَاتِ، وَفَهْمُ مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ، وَتَدَبُّرُهُ وَعَقْلُهُ، وَإِبْطَالُ طَرِيقَةِ النُّفَاةِ، وَبَيَانُ مُخَالَفَتِهَا لِصَرِيحِ الْمَعْقُولِ وَصَحِيحِ الْمَنْقُولِ، عُلِمَ أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ وَأَسْلَمُ، وَأَهْدَى إِلَى الطَّرِيقِ الْأَقْوَامِ، وَأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ تَصْدِيقَ الرَّسُولِ فِيمَا أَخْبَرَ بِهِ، وَفَهْمَ ذَلِكَ وَمَعْرِفَتَهُ، وَأَنَّ ذَلِكَ هُوَ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ صَرِيحُ الْمَعْقُولِ، وَلَا يُنَاقِضُ ذَلِكَ إِلَّا مَا هُوَ بَاطِلٌ وَكَذِبٌ، وَأَنَّ طَرِيقَةَ النُّفَاةِ الْمُنَافِيَةِ لِمَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّسُولُ طَرِيقَةٌ بَاطِلَةٌ شَرْعًا وَعَقْلًا، وَأَنَّ مَنْ جَعَلَ طَرِيقَةَ السَّلَفِ عَدَمُ الْعِلْمِ بِمَعَانِي الْآيَاتِ، وَعَدَمُ إِثْبَاتِ مَا تَضَمَّنَتْهُ مِنَ الصِّفَاتِ، فَقَدْ قَالَ غَيْرَ الْحَقِّ، إِمَّا عَمْدًا وَإِمَّا خَطَأً، كَمَا أَنَّ مَنْ قَالَ عَلَى الرَّسُولِ : إِنَّهُ لَمْ يُبْعَثْ بِإِثْبَاتِ الصِّفَاتِ، بَلْ بُعِثَ بِقَوْلِ النُّفَاةِ، كَانَ مُفْتَرِيًّا عَلَيْهِ . وَهَؤُلَاءِ النُّفَاةِ هُمْ كَذَّابُونَ، إِمَّا عَمْدًا وَإِمَّا خَطَأً، عَلَى اللَّهِ وَعَلَى رَسُولِهِ، وَعَلَى سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَيْمَتِهَا، كَمَا أَنَّهُمْ كَذَّابُونَ، إِمَّا عَمْدًا وَإِمَّا خَطَأً، عَلَى



عُقُولِ النَّاسِ، وَعَلَى مَا نَصَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْأَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ،  
وَالْبَرَاهِينِ الْيَقِينِيَّةِ .

”منکر صفات باری تعالیٰ کا کہنا ہے: ’ہمارا طریقہ احکم اور اعلم ہے، جب کہ سلف کا طریقہ اسلم ہے۔‘ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خلف کے طریقہ میں نفی ”جو کہ اس کے نزدیک حق ہے۔“ کی معرفت اور صفات کے اثبات والی آیات میں تاویل کی راہ مل جاتی ہے۔ متاخرین کے اس طریقہ میں معقولات کا ایسا علم اور منقولات میں ایسی تاویل ہے، جو بزع خود، متقدمین کے طریقہ میں نہیں ملتی۔ اس میں ایسے شخص کا بھی رد ہے، جو نصوص کے مدلولات کی پیروی کرتا ہے۔ یوں وہ اس طریقہ متاخرین کو مستحکم کرتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ مذہب سلف یہ ہے کہ نصوص کے فہم پر توجہ نہ دی جائے، کیوں کہ احتمالات مختلف ہیں، لہذا یہ طریقہ اسلم ہے، کیوں کہ جب ایک لفظ کے کئی معانی ہوں، تو اس صورت میں باقی سب معانی کو نظر انداز کر کے صرف ایک کے ساتھ تفسیر کر دینا، خطرے سے خالی نہیں ہے اور تفسیر نہ کرنے میں سلامتی ہے۔

اگر اسے یا اس جیسے دوسرے نفاۃ صفات پر عیاں ہو جاتا کہ سلف کا طریقہ یہ ہے کہ آیات صفات کے مدلولات کو ثابت کیا جائے اور ان کا فہم، تدبر و درک حاصل کیا جائے، صفات کی نفی کرنے والوں کے مسلک کا رد کیا جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ ان کا طریقہ صریح معقولات اور صحیح منقولات کے مخالف ہے، تو یہ جان لیتا کہ سلف کا طریقہ ہی اسلم، احکم اور اعلم ہے۔ نیز یہ سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تصدیق، ان کے فہم و

معرفت کو متضمن ہے۔ صریح عقل کے موافق یہی راستہ ہے، جو طریقہ اس کے مخالف ہو، وہ باطل اور غلط ہے۔

صفات کی نفی کرنے والے باطل پر ہیں، عقل و نقل کے مخالف ہیں، دراصل یہ احادیث کی نفی کرتے ہیں۔ جس نے نصوص کے معانی کے عدم علم اور اس میں موجود صفات کے عدم اثبات کو سلف کا طریقہ قرار دیا ہے، اس نے دانستہ یا نادانستہ غلط بات کی ہے۔ بعض نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے کہ آپ کو صفات کے اثبات کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا، بلکہ ہفافة الصفات کی تائید کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ایسا شخص جھوٹا ہے۔ یہ نفاة الصفات بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ، اس کے رسول ﷺ، اسلاف امت اور ائمہ کرام پر جھوٹ باندھ رہے ہیں، اسی طرح یہ دانستہ یا نادانستہ طور پر لوگوں کی عقلوں اور اللہ تعالیٰ کی دیے ہوئے عقلی دلائل اور یقینی براہین پر بھی جھوٹ باندھ رہے ہیں۔“

(درء تعارض العقل والنقل: ۵/۳۷۸-۳۷۹)

نیز فرماتے ہیں:

وَمَنْ آتَاهُ اللَّهُ عِلْمًا وَإِيمَانًا، عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنَ التَّحْقِيقِ، إِلَّا مَا هُوَ دُونَ تَحْقِيقِ السَّلَفِ لَا فِي الْعِلْمِ وَلَا فِي الْعَمَلِ، وَمَنْ كَانَ لَهُ خِبْرَةٌ بِالنَّظَرِيَّاتِ وَالْعَقْلِيَّاتِ، وَبِالْعَمَلِيَّاتِ، عَلِمَ أَنَّ مَذْهَبَ الصَّحَابَةِ دَائِمًا أَرْجَحُ مِنْ قَوْلِ مَنْ بَعْدَهُمْ، وَأَنَّهُ لَا يَبْتَدِعُ أَحَدٌ قَوْلًا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا كَانَ خَطَأً، وَكَانَ الصَّوَابُ قَدْ سَبَقَ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلِهِ .

”جسے اللہ تعالیٰ نے علم و ایمان کی دولت دے رکھی ہو، وہ بخوبی جان جائے گا کہ علم ہو یا عمل متاخرین کی تحقیق متقدمین کی بہ نسبت بہر کیف کم ہی ہے۔ جسے، نظریات، عقلیات اور عملیات کی ممارست ہے، اس پر یہ بات عیاں ہے کہ صحابہ کا موقف بعد والوں پر رائج ہی رہا ہے۔ درست بات کی طرف متقدمین سبقت لے جا چکے ہیں، لہذا اب جو بھی اسلام میں نئی بات کرے گا، خطا کھائے گا۔“

(الإيمان، ص ۴۱۷)

علامہ شنیطی رحمہ اللہ (۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

لَآنَّ آيَاتِ الصِّفَاتِ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا اسْمُ الْمُتَشَابِهِ بِهَذَا الْمَعْنَى مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ، لِأَنَّ مَعْنَاهَا مَعْلُومٌ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ وَلَيْسَ مُتَشَابِهًا، وَلَكِنَّ كَيْفِيَّةَ اتِّصَافِهِ جَلٌّ وَعَلَا بِهَا لَيْسَتْ مَعْلُومَةٌ لِلْخَلْقِ .

”آیات صفات پر اس معنی میں بغیر کسی تفصیل کے متشابہ کا لفظ نہیں بولا جاتا، کیوں کہ ان کا معنی لغت عرب میں معلوم ہوتا ہے، متشابہ نہیں ہوتا۔ ہاں باری تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کی کیفیت مخلوق کو معلوم نہیں۔“

(مذكرة في أصول الفقه، ص ۶۵)

خلیل احمد سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں:

”اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے۔ یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مخلوق کے اوصاف

سے منزہ اور نقص و حدود کی علامات سے مبرا ہے۔ جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت و شرع کے اعتبار سے جائز تاویل میں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت۔ تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔ البتہ جہت و مکان کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت و مکانیت اور جملہ علاماتِ حدود سے منزہ ہے۔“

(المہند علی المفند، ص ۴۸)

شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فَلَفْظُ الْجِهَةِ قَدْ يُرَادُ بِهِ شَيْءٌ مَوْجُودٌ غَيْرُ اللَّهِ فَيَكُونُ مَخْلُوقًا، كَمَا إِذَا أُرِيدَ بِالْجِهَةِ نَفْسُ الْعَرْشِ أَوْ نَفْسُ السَّمَوَاتِ، وَقَدْ يُرَادُ بِهِ مَا لَيْسَ بِمَوْجُودٍ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى، كَمَا إِذَا أُرِيدَ بِالْجِهَةِ مَا فَوْقَ الْعَالَمِ.

وَمَعْلُومٌ أَنَّهُ لَيْسَ فِي النَّصِّ إِثْبَاتُ لَفْظِ الْجِهَةِ وَلَا نَفْيُهُ، كَمَا فِيهِ إِثْبَاتُ الْعُلُوِّ وَالْإِسْتِوَاءِ وَالْفَوْقِيَّةِ وَالْعُرُوجِ إِلَيْهِ وَنَحْوِ ذَلِكَ. وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ مَا تَمَّ مَوْجُودٌ إِلَّا الْخَالِقُ وَالْمَخْلُوقُ، وَالْخَالِقُ مُبَايِنٌ لِلْمَخْلُوقِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، لَيْسَ فِي مَخْلُوقَاتِهِ شَيْءٌ مِّنْ ذَاتِهِ، وَلَا فِي ذَاتِهِ شَيْءٌ مِّنْ مَخْلُوقَاتِهِ. فَيَقَالُ لِمَنْ نَفَى الْجِهَةَ: أَتُرِيدُ بِالْجِهَةِ أَنَّهَا شَيْءٌ مَوْجُودٌ

مَخْلُوقٌ، فَاللَّهُ لَيْسَ دَاخِلًا فِي الْمَخْلُوقَاتِ، أَمْ تُرِيدُ بِالْجِهَةِ مَا وَرَاءَ الْعَالَمِ، فَلَا رَيْبَ أَنَّ اللَّهَ فَوْقَ الْعَالَمِ، بَائِنٌ مِّنَ الْمَخْلُوقَاتِ . وَكَذَلِكَ يُقَالُ لِمَنْ قَالَ : إِنَّ اللَّهَ فِي جِهَةٍ، أَتُرِيدُ بِذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ فَوْقَ الْعَالَمِ، أَوْ تُرِيدُ بِهِ أَنَّ اللَّهَ دَاخِلٌ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْمَخْلُوقَاتِ، فَإِنْ أَرَدْتَ الْأَوَّلَ فَهُوَ حَقٌّ، وَإِنْ أَرَدْتَ الثَّانِيَّ فَهُوَ بَاطِلٌ .

”لفظ جہت سے کبھی اللہ کے علاوہ موجود چیز مراد ہوگی، اس صورت میں اسے مخلوق کہیں گے، اگر جہت سے مراد عرش یا آسمان لیں (تو بھی مخلوق ہوگی)، کبھی اس سے مراد اللہ کے علاوہ غیر موجود چیز ہوتی ہے، جیسا کہ جہت سے مراد کائنات سے اوپر والی جانب لیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ نص میں لفظ جہت کا اثبات وارد ہوا ہے، نہ نفی۔ لیکن علو، استواء، فوقیت اور عروج وغیرہ کا اثبات ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کائنات میں یا خالق ہے، یا مخلوق (تیسری چیز کوئی نہیں)۔ خالق مخلوق سے علیحدہ ہے، نہ مخلوق میں خالق کی ذات کا کچھ عنصر ہے اور نہ ہی خالق میں مخلوق کی ذات کا کوئی حصہ داخل ہے۔

منکر جہت کو کہا جائے گا کہ آپ کسی موجود اور مخلوق چیز کو جہت کہتے ہیں، تو اللہ مخلوقات میں داخل نہیں ہے اور اگر آپ جہت سے مراد کائنات سے ماوراء مکان لیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کائنات سے اوپر ہے اور مخلوقات سے جدا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جہت میں ماننے والے سے بھی عرض کیا جائے گا کہ آپ کی مراد یہ

ہے کہ اللہ کائنات سے اوپر ہے یا کہ کسی مخلوق میں داخل ہے؟ اگر پہلی بات مراد ہے، تو صحیح ہے اور اگر دوسری مراد ہے، تو باطل ہے۔“

(التدمرية، ص ۶۶-۶۷)

نیز لکھتے ہیں:

وَهُؤُلَاءِ أَخَذُوا لَفْظَ الْجِهَةِ بِالِاشْتِرَاكِ وَتَوَهَّمُوا وَأَوْهَمُوا أَنَّهُ إِذَا كَانَ فِي جِهَةٍ كَانَ فِي كُلِّ شَيْءٍ غَيْرِهِ، كَمَا يَكُونُ الْإِنْسَانُ فِي بَيْتِهِ، وَكَمَا يَكُونُ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْكَوَاكِبُ فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ رَتَّبُوا عَلَى ذَلِكَ أَنَّهُ يَكُونُ مُحْتَاجًا إِلَى غَيْرِهِ، وَاللَّهُ تَعَالَى غَنِيٌّ عَنْ كُلِّ مَا سِوَاهُ، وَهَذِهِ مُقَدِّمَاتٌ كُلُّهَا بِاطِلَّةٍ.

”جہمیہ نے لفظ جہت کو (خالق و مخلوق میں) مشترک سمجھا۔ خود بھی وہم کا شکار ہوئے اور دوسروں کو بھی وہم ڈالا کہ اگر اللہ کی کوئی جہت ہے، وہ تو ہر چیز ہی کسی نہ کسی جہت میں ہے۔ جیسے انسان اپنے گھر میں ہوتا ہے اور سورج، چاند، ستارے آسمان میں ہیں۔ پھر کہا کہ ان میں ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ (لہذا اللہ کی کوئی جہت نہیں)۔ یہ تمام مقدمات باطل ہیں۔“

(منهاج السنة النبوية: ۶۴۸/۲)

سلف صالحین کی مخالفت میں صفات باری تعالیٰ میں لغت عرب کی بنیاد پر تاویلات کو جائز قرار دینا تا کہ کم فہم سمجھ لیں، عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ صفات باری تعالیٰ کو ظاہری

معنی سے پھیر کر مجاز کی طرف لانا اللہ اور اس کے رسول کی مراد کے خلاف ہے۔ یہ صفات میں الحاد اور باطل تحریف ہے۔ کیا توحید ایسی چیز ہے کہ عوام کے لیے اس کا حلیہ بگاڑ دیا جائے؟

استواء سے مراد غلبہ اور صفت ید (ہاتھ) کو قدرت و طاقت کے مجازی معنی کی طرف پھیرنا سلف کی تصریحات کے خلاف ہے۔

سادہ سی بات ہے کہ اللہ کی صفات اس کے شایان شان ہیں اور مخلوقات کی صفات ان کے شایان شان ہیں۔ اللہ کی صفات میں کمال اور دوام ہے جب کہ مخلوق کی صفات ایسی نہیں۔ تحریف و تاویل کی ضرورت تو تب پڑے جب کوئی یہ کہتا ہو کہ خالق کی صفات مخلوق کی طرح ہیں۔ لہذا ہر مؤول و محرف پہلے صفات خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے کر ”مشبہ“ بن جاتا ہے، پھر تاویل و تحریف پر اتر آتا ہے۔

عوام کو سمجھانے کے لئے تاویل و تحریف کا راستہ ہموار کرنے سے کتاب اللہ میں نقص لازم آتا ہے۔ کیا عقیدہ توحید عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ گمراہی اس میں دخیل ہوگئی؟ علامہ ابن ابی العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلِذَلِكَ صَارَ كَلَامُ الْمُتَأَخِّرِينَ كَثِيرًا، قَلِيلَ الْبَرَكَةِ، بِخِلَافِ  
كَلَامِ الْمُتَقَدِّمِينَ، فَإِنَّهُ قَلِيلٌ، كَثِيرُ الْبَرَكَةِ، لَا كَمَا يَقُولُهُ  
ضَلَالُ الْمُتَكَلِّمِينَ وَجَهَلَتُهُمْ : إِنَّ طَرِيقَةَ الْقَوْمِ أَسْلَمَ، وَإِنَّ  
طَرِيقَتَنَا أَحْكَمُ وَأَعْلَمُ، وَلَا كَمَا يَقُولُهُ مَنْ لَمْ يَقْدِّرْهُمْ مِنْ  
الْمُنْتَسِبِينَ إِلَى الْفِقْهِ : إِنَّهُمْ لَمْ يَتَفَرَّغُوا لَاسْتِنْبَاطِ الْفِقْهِ

وَضَبَطَ قَوَاعِدَهُ وَأَحْكَامِهِ اشْتِغَالًا مِنْهُمْ بغيرِهِ، وَالْمُتَأَخِّرُونَ  
تَفَرَّغُوا لِذَلِكَ، فَهُمْ أَفْقَهُ!

فَكُلُّ هَؤُلَاءِ مَحْجُوبُونَ عَنْ مَعْرِفَةِ مَقَادِيرِ السَّلَفِ، وَعُمُقِ  
عُلُومِهِمْ، وَقِلَّةِ تَكْلُفِهِمْ، وَكَمَالِ بَصَائِرِهِمْ.

”متاخرین کی گفتگو لمبی ہوتی ہے اور اس میں برکت کم ہوتی ہے۔ متقدمین کا  
کلام مختصر ہوتا تھا اور اس میں برکت بے بہا ہوتی تھی۔ گمراہ اور علم و عرفان سے  
عاری متکلمین کہتے ہیں کہ اسلاف کا طریقہ اسلم تھا اور ہمارا طریقہ احکم اور اعلم  
ہے۔ اسی طرح نام نہاد ’فقہا‘ کہتے ہیں کہ سلف دیگر مشغولیات کی بنا پر فقہ،  
اصول فقہ اور احکامات مرتب کرنے سے قاصر رہ گئے اور متاخرین نے ان پر  
توجہ دی، لہذا متاخرین بڑے فقیہ ہیں! ان کی بات صریح باطل ہے، یہ لوگ  
نہیں جانتے کہ سلف کی قدر و منزلت کیا ہے، ان میں تکلف کس قدر کم تھا، کیسے  
صاحب بصیرت اور علم میں گہرائی رکھنے والے تھے۔“

(شرح العقيدة الطحاوية، ص ۷۶)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

”نفی مماثل کے بعد آگے ان کے دو طریق ہیں۔ ایک طریقہ سلف کا ہے کہ اس  
کو حقیقی معنی پر محمول فرماتے ہیں اور حقیقی معنی کی کنہ مفوض بعلم الہی کرتے ہیں  
اور اس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے۔ اور دوسرا طریقہ خلف کا ہے کہ اس  
میں مناسب تاویل کر لیتے ہیں تاکہ گمراہ فرقے مشبہہ و مجسمہ ان کو غلطی میں  
واقع نہ کر سکیں اس طرح سے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں اور استقرار



کے معنی ظاہر ہیں کہ جمنے اور بیٹھنے کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے، جیسے ہم تخت پر بیٹھے ہیں، تو وہ بھی ہماری طرح جسمانی چیز ہے۔ نعوذ باللہ! اس شبہ کا جواب اگرچہ سلف کے طریق پر یہ ہے کہ استقرار تو ثابت ہے، مگر یہ ضرور نہیں کہ ہمارے استقرار کی طرح ہو، جس سے جسم ہونا لازم آوے، بلکہ ہاس کی اور ہے، جو ہم کو معلوم نہیں اور یہ جواب صحیح بھی ہے، لیکن عوام کو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ استقرار تو ہے، مگر ہماری طرح کا نہیں۔ اسی طرح سے وہ یہ شبہ ڈال سکتے ہیں کہ دیکھو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا 'یَد' یعنی ہاتھ اور حدیث میں 'وضع قدم' یعنی پاؤں رکھنا وارد ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اعضاء جسمانیہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء جسمانیہ ہیں اس کا صحیح جواب بھی سلف کے طریقہ پر یہ ہے کہ 'یَد' اور 'قدم' تو ہیں، لیکن ہماری طرح کے نہیں، مگر اس کا سمجھنا بھی عوام کو مشکل ہے، ان کا ذہن تو ان مفہومات سے تجسیم اور تشبیہ کی طرف جاتا ہے اور اس عقیدہ تجسیم و تشبیہ سے بچنا واجب تھا، اس لیے علما خلف نے اس کی یہ تدبیر کی کہ ایسے حقائق کی ایسے طریق سے تاویل کر دی کہ نہ قرآن و حدیث متروک ہو اور نہ عقیدہ تجسیم و تشبیہ میں مبتلا ہوں، مثلاً استوی علی العرش کو کنایہ تنفیذ احکام سے کہہ دیا اور 'یَد' کے معنی قدرت کے کہہ دیے، 'وضع قدم' کے معنی مقہور کر دینے کے کہہ دیے۔“

(بوادر النوادر، ص ۶۰۳)

بالکل درست، کہ صفات باری تعالیٰ میں صحیح منہج سلف صالحین کا ہے۔ اس سے مشبہ اور مجسمہ کا رد ہو جاتا ہے۔ اگلی بات سے مگر ہم متفق نہیں، یہ کہنا کہ تاویل مشبہ کے رد کے

لئے کی گئی، خود باعث اعتراض ہے، سلف نے جہاں، تشبیہ و تجسیم کا رد کیا ہے، وہیں تاویل کا رد بھی کیا ہے۔

حسین احمد مدنی صاحب کا کہنا ہے:

”اہل سنت والجماعت ان تمام صفات کی تاویل ضروری سمجھتے ہیں، ’ید‘ سے مراد قوت ہے، کیوں کہ اہل سنت والجماعت کے ان مشابہات کے بارے میں دو طریقے ہیں۔ سلف صالحین تو کہتے ہیں: لِلّٰہِ یَدٌ کَمَا یَلِیْقُ بِشَآنِہٖ، لَا کَآئِدِیْنَا، کیوں کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے مطابق وہ تشبیہ سے بھی منزہ ہے اور مالا یلیق سے بھی منزہ ہے، لیکن متاخرین نے یہ مسائل عوام کو سمجھانا مشکل جانا، تو کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ ’ید‘ کے معنی نعمت کے ہوں یا قدرت کے ہوں، عرب میں یہ استعمال برابر چلی آتی ہے، تو خلف نے ان میں تاویل کی۔“

(تقریر ترمذی، ص ۵۸)

سلف تو صفات کو ان کے ظاہری معنی پر رکھتے تھے، ان میں تاویل و تحریف نہیں کرتے تھے، جیسا کہ خود مدنی صاحب نے بیان کیا۔ اب یہ کیا ہوا کہ سلف تو تاویل سے منع کریں اور ہم کہیں کہ ”اہل سنت والجماعت ان تمام صفات کی تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔“ کیا اہل سنت والجماعت سلف کے مخالف ہوتے ہیں؟ اہل سنت تو وہ ہوتے ہیں، جو عقیدہ و عمل میں سلف کے موافق ہوں۔

لکھتے ہیں:

”مثلاً علی العرش استویٰ وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ (سعودی علما) استویٰ ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے، جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ

لازم آتا ہے، مگر یہ مقدس بزرگوار ان سب آیات و احادیث میں مثل سلف بنی  
لوازم حدوث و جسمیت توقف فرماتے ہیں اور یا مثل خلف ان کے تاویلات  
جائز فرماتے ہیں۔“

(الشہاب الثاقب، ص ۲۴۳)

قارئین! آپ نے ملاحظہ کیا کہ مدنی صاحب کس طرح ائمہ اہل سنت کے متفقہ عقیدہ  
پر اعتراض وارد کر رہے ہیں کہ اگر استواء کو ظاہری معنی پر رکھا جائے، تو ثبوت جسمیت وغیرہ  
لازم آتا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ سلف کا عقیدہ ناقص ہے اور خلف کا عقیدہ درست ہے۔  
حالاں کہ یہ بات بدیہی البطلان ہے۔ کیوں کہ سلف کا عقیدہ اسلم، احکم اور اعلم ہے۔ اگر  
صفات باری تعالیٰ کو ان کے ظاہری معنی پر رکھنے سے جسمیت لازم آتی ہے، تو ذات باری  
تعالیٰ کے ثبوت سے کیا لازم آتا ہے؟

اہل سنت والجماعت تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ وہ ذات ہے، جس کی یہ صفات ہیں اور یہ  
صفات اس کے لیے ایسے ثابت کرتے ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ نے اپنے  
متعلق خبر دی ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے، لہذا ہم بھی کہیں گے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے،  
لیکن کیسے؟ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَمَا أَنَّ الرَّبَّ نَفْسَهُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، فَصِفَاتُهُ كَذَاتِهِ .

”چوں کہ اللہ کی ذات کی مثل کوئی چیز نہیں، لہذا اس کی صفات بھی اس کی ذات  
کی طرح ہیں۔“

(درء تعارض العقل والنقل: ۱۹۸/۱۰)

نیز فرماتے ہیں:

كُنْهُ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ الَّتِي لَا يَعْلَمُهَا غَيْرُهُ .

”اللہ کی ذات اور صفات کی حقیقت کا علم اسی کے پاس ہے۔“

(درء تعارض العقل والنقل: ۱/۲۰۷)

مدنی صاحب مزید کہتے ہیں:

”باری تعالیٰ کے لیے نزول و عروج کا ثابت کرنا حالاں کہ وہ مکان اور جہت سے منزہ ہے، بطور تشبیہ کے ہے۔ جیسے دنیا کے بادشاہ اپنے محل سے نزول کر کے رعایا کی طرف آتے ہیں، ایسے ہی آخری شب میں توجہ باری تعالیٰ کا نزول الی الخلق ہوتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ يَنْزِلُ رَحْمَةُ اللَّهِ أَوْ مَلِكُ اللَّهِ۔ تیسری توجیہ سلف کی یہ ہے کہ ان روایات کو ہم اصل معنی پر باقی رکھتے ہیں، لیکن ہم ان کی کیفیت کو نہیں جانتے، يَنْزِلُ كَمَا يَلِيقُ بِشَانِهِ، جیسے شمس کی شعاعوں کا نزول ہوا، ملائکہ اور جنات کا نزول ہمارے نزول کی طرح نہیں ہے۔“

(درس ترمذی، ۵۲۶-۵۲۷)

اہل سنت کا نزول باری تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نازل ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی نزول ہے، جیسا کہ اس کے نمایان شان ہے۔ اس کی کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے حکم کا نازل ہونا، چند وجوہ سے ناقابل التفات ہے:

- ① احادیث صحیحہ اور اجماع سلف صالحین کے مخالف ہے۔
- ② اللہ کا حکم ہمہ وقت نازل ہوتا ہے۔ دن اور رات کے کسی حصے کے ساتھ

خاص نہیں۔

③ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا امر کہے: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ.

اللہ کا آسمان دنیا پر نازل ہونا (اترنا)، اس کے علو (بلندی) کے منافی نہیں۔ اللہ جیسا کوئی نہیں۔ اللہ کے نزول کو مخلوق کے نزول پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو جعفر ترمذی محمد بن احمد بن نصر رحمہ اللہ (۲۰۱-۲۹۵ھ) سے ایک سائل نے نبی کریم ﷺ کی حدیث: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا» کے بارے میں پوچھا:

فَالنُّزُولُ، كَيْفَ يَكُونُ يَبْقَى فَوْقَهُ عُلُوٌّ؟  
”اگر نزول مانا جائے، تو صفت علو باقی کیسے رہے گی؟

فرمایا:

النُّزُولُ مَعْقُولٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ،  
وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

”نزول کا معنی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کیفیت کے متعلق سوال کرنا ہی بدعت ہے۔“

(تاریخ بغداد للخطیب: ۳۸۲/۱، وسندہ صحیح)

مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

”اسی طرح سمجھو کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے، بلکہ اس سے اللہ کے علو شان اور رفعت مرتبہ کا بتلایا ہے، کما قال تعالیٰ: رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ اور اسی طرح جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، سو معاذ اللہ اس

کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کوئی جسم ہے کہ عرش سے اتر کر آسمان دنیا پر آتا ہے، بلکہ اس خاص وقت میں اس کی رحمت کا نزول یا کسی رحمت کے فرشتے کا آسمان دنیا پر اترنا مراد ہوتا ہے۔“

(عقائد الإسلام: حصہ دوم، ص ۴۰-۴۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَيَبْغِي إِطْلَاقَ صِفَةِ الْإِسْتِوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَأْوِيلٍ، وَأَنَّهُ اسْتِوَاءُ  
الذَّاتِ عَلَى الْعَرْشِ لَا عَلَى مَعْنَى الْقُعُودِ وَالْمَمَاسَةِ كَمَا  
قَالَتِ الْمُجَسِّمَةُ وَالْكَرَامِيَّةُ، وَلَا عَلَى مَعْنَى الْعُلُوِّ وَالرَّفْعَةِ  
كَمَا قَالَتِ الْأَشْعَرِيَّةُ، وَلَا عَلَى مَعْنَى الْإِسْتِيْلَاءِ وَالْغَلْبَةِ كَمَا  
قَالَتِ الْمُعْتَزَلَةُ، لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يُرَدْ بِذَلِكَ، وَلَا نُقِلَ عَنْ أَحَدٍ  
مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ مِّنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ مِنْ أَصْحَابِ  
الْحَدِيثِ، بَلِ الْمَنْقُولُ عَنْهُمْ حَمْلُهُ عَلَى الْإِطْلَاقِ .

”صفت استواء کو بلا تاویل بیان کرنا چاہیے، اس سے ذات باری تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا مراد ہے، بیٹھنا یا چھونا مراد نہیں، جیسا کہ مجسمہ اور کرامیہ نے کہا ہے۔ نہ ہی علو شان اور رفعت مرتبہ مراد ہے، جیسا کہ اشاعرہ کا موقف ہے اور نہ ہی استیلا اور غلبہ کے معنی میں ہے، جیسا کہ معتزلہ نے کہا ہے۔ کیوں کہ یہ تمام معانی شریعت سے ثابت نہیں، نہ سلف صالحین میں کسی صحابی و محدث تابعی سے منقول و ماثور ہیں، بلکہ ان تمام سے اسے ظاہری معنی پر محمول کرنا ہی

ثابت ہے۔“

(غنية الطالبين: ۵۰/۱)

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

”خدا کے لیے ہاتھ منہ (چہرہ ازناقل) ہونا عقل کے خلاف ہے، لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں۔“

(جاء الحق، حصہ دوئم، ص ۵۰)

محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

”حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے لیے ”ید“ (ہاتھ) اور ”انامل“ (انگلیاں) کا اثبات ہے اور از قبیل متشابہات ہیں، جس کی حقیقت تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم، ہاتھ اور پوروں سے پاک ہے۔“

(عقائد و نظریات، ص ۲۱۰)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ﴾ ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدة: ۶۴) قَالَتِ الْجَهْمِيَّةُ: مَجَازٌ فِي النِّعْمَةِ أَوْ الْقُدْرَةِ، وَهَذَا بَاطِلٌ مِّنْ وُجُوهِ: أَحَدُهَا: أَنَّ الْأَصْلَ الْحَقِيقَةَ فَدَعَايَ الْمَجَازِ مُخَالَفَةٌ لِلْأَصْلِ، الثَّانِي: أَنَّ ذَلِكَ خِلَافُ الظَّاهِرِ فَقَدْ اتَّفَقَ الْأَصْلُ وَالظَّاهِرُ عَلَى بُطْلَانِ هَذِهِ الدَّعَايِ، الثَّالِثُ: أَنَّ مُدَّعِيَ الْمَجَازِ الْمُعَيَّنَ يَلْزِمُهُ أُمُورٌ، أَحَدُهَا: إِقَامَةُ الدَّلِيلِ الصَّارِفِ عَنِ الْحَقِيقَةِ، إِذْ مُدَّعِيهَا مَعَهُ

الأصل والظاهر ومخالفها مخالف لهما جميعاً، ثانيها :  
 بيان احتمال اللفظ لما ذكره من المجاز لغة وإلا كان منسياً  
 من عندهم وضعاً جديداً، ثالثها : احتمال ذلك المعنى في  
 هذا السياق المعين، فليس كل ما احتمله اللفظ من حيث  
 الجملة يحتمله هذا السياق الخاص، وهذا موضع غلط فيه  
 من شاء الله ولم يبين أو يميز بين ما يحتمله اللفظ بأصل  
 اللغة وإن لم يحتمله في هذا التركيب الخاص وبين ما  
 يحتمله فيه، رابعها : بيان القرائن الدالة على المجاز الذي  
 عينه بأنه المراد إذ يستحيل أن يكون هذا هو المراد من غير  
 قرينة في اللفظ تدل عليه ألبتة، وإذا طولبوا بهذه الأمور  
 الأربعة تبين عجزهم .

الوجه الرابع : أن اطراد لفظها في موارد الاستعمال وتنوع  
 ذلك وتضريف استعماله يمنع المجاز .

”اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ﴾ ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدة : ٦٤) (جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، تو  
 نے اسے سجدہ کیوں نہ کیا؟) اور (بلکہ ہاس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔) کے  
 متعلق جہمیہ کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھوں سے نعمت یا قدرت مراد ہے مجازاً۔ یہ  
 کئی اعتبار سے باطل ہے: ① حقیقت اصل ہے، مجاز کا دعویٰ اصل کی مخالفت



ہے۔ ① یہ ظاہر کے بھی خلاف ہے، لہذا اصل اور ظاہر اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔ ③ مجاز کے مدعی پر لازم ہے کہ

۱۔ حقیقی معنی سے ہٹانے والا کوئی قرینہ صارفہ پیش کرے۔ کیوں کہ اسے حقیقت پر محمول کرنے والے کے پاس اصل اور ظاہر (دو دلیلیں) موجود ہیں اور حقیقی معنی کی مخالفت کرنے والا اصل اور ظاہر کا مخالف ہے۔

۲۔ جس لفظ سے مجازی معنی مراد لیا جا رہا ہے، کیا لغت میں یہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہے، ورنہ یہ اس کی اپنی جدید اختراع ہوگی۔

۳۔ کیا اس سیاق میں ایسے معنی کا احتمال کیا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ ایسا تو نہیں کہ مجموعی طور پر لفظ جس معنی کا بھی احتمال رکھے، مخصوص سیاق بھی اس کا احتمال رکھے۔ اس مقام پر بہت سوں نے غلطی کھائی ہے، انہوں نے لفظ کے اصل لغوی احتمالات، میں اور جس معنی میں یہ محمول کرتے ہیں، اس میں امتیاز نہیں کیا۔ یہ اس خاص ترکیب میں اس معنی کا احتمال نہیں رکھتے۔

۴۔ مجازی معنی مراد لینے پر دلائل پیش کیے جائیں، کیوں کہ ناممکن ہے کہ بغیر کسی قرینے کے لفظ کی وہ مراد لی جائے، جس پر وہ دلالت ہی نہیں کرتا۔ جب ان سے ان چار چیزوں کا مطالبہ کیا جائے گا، شکست واضح ہو جائے گی۔

④ استعمال ہونے میں اس لفظ کا مطرد (جو قواعد اور قوانین کے مطابق ہو) ہونا، اس کا مختلف الانواع ہونا اور بار بار استعمال ہونا مجازی معنی مراد لینے سے روکتا ہے۔“

نیز فرماتے ہیں:

كَذَلِكَ قَوْلُهُ: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ يَعْنِي بِقُدْرَتِهِ وَنِعْمَتِهِ، قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: هَذَا بَاطِلٌ، إِذْ قَوْلُهُ: ﴿بِيَدَيَّ﴾ يَفْتَضِي إِثْبَاتَ يَدَيْنِ هُمَا صِفَةٌ لَهُ، فَلَوْ كَانَ الْمُرَادُ بِهِمَا الْقُدْرَةُ لَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ لَهُ قُدْرَتَانِ، وَأَنْتُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ لِلَّهِ تَعَالَى قُدْرَةً وَاحِدَةً فَكَيْفَ يَجُورُ أَنْ تُثْبِتُوا قُدْرَتَيْنِ وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ الْمُثْبِتُونَ لِلصِّفَاتِ وَالنَّافُونَ لَهَا عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُورُ أَنْ يَكُونَ لِلَّهِ تَعَالَى قُدْرَتَانِ، فَبَطَلَ مَا قُلْتُمْ.

”اسی طرح فرمان باری تعالیٰ: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔) سے مراد اس کی قدرت اور نعمت لیتے ہیں۔ انہیں کہا جائے گا کہ یہ معنی باطل ہے، کیوں کہ ﴿بِيَدَيَّ﴾ کا لفظ دو ہاتھوں کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے، جو کہ اس کی صفت ہیں۔ اگر یہاں قدرت مراد ہے، تو لازم آئے گا کہ اس کی دو قدرتیں ہیں، جب کہ آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ اللہ کی ایک ہی قدرت ہے۔ آپ اللہ کے لیے دو قدرتیں ثابت کرنے کے کیوں کر مجاز ہیں۔ اللہ کے لیے صفات کو ثابت کرنے والے اور نفی کرنے والے ہر دو طبقہ کے مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ کے لیے دو قدرتیں ثابت کرنا جائز نہیں، لہذا تمہارا دعویٰ باطل ٹھہرا۔“

(مختصر الصّواعق المرسلّة، ص ۴۰۴)

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے صفات باری تعالیٰ میں ٹھوکریں کھائی ہیں:

① ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ کایوں ترجمہ کرتے ہیں:

”پھر تخت حکومت پر جلوہ گر ہوا۔“

(تفہیم القرآن: ۲/۲۶۲)

یہ بات قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے، یقیناً یہ تحریف ہے۔ قرآن، حدیث، اجماع اور فطرت سے ثابت ہے کہ اللہ، رحمٰن اپنے عرش پر بلند ہے۔

② ”رہا یہ ارشاد کہ خدا کا عرش پہلے پانی پر تھا، تو اس کا مفہوم ہماری

سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی۔“

(تفہیم القرآن: ۲/۳۲۵)

کیا اب اللہ کی سلطنت پانی پر نہیں ہے؟ سلف سے کوئی بھی یہ مراد بیان نہیں کرتا، کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی، قرآن و سنت کی وہی تعبیریں اور مفہام معتبر ہیں، جو صحابہ اور ائمہ سلف سے ثابت ہیں۔

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

وَاجْمَاعُ السَّلَفِ مُنْعَقِدٌ عَلَى أَنْ لَا يَزِيدُوا عَلَى قِرَاءَةِ الْآيَةِ،

وَقَدْ شَدَّ قَوْمٌ فَقَالُوا: الْعَرْشُ بِمَعْنَى الْمَلِكِ، وَهَذَا عُذُولٌ

عَنِ الْحَقِيقَةِ إِلَى التَّجَوُّزِ، مَعَ مُخَالَفَةِ الْآثَرِ، أَلَمْ يَسْمَعُوا

قَوْلَهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ أَتَرَاهُ كَانَ الْمَلِكُ

عَلَى الْمَاءِ؟

”سلف کا اجماع ہے کہ آیت کی قراءت پر زیادتی نہ کی جائے، بعض لوگوں نے

شد و اختیار کرتے ہوئے کہا ہے: عرش کا معنی بادشاہت ہے۔ یہ حقیقت سے مجاز کی طرف عدول ہے، حدیث کی بھی مخالفت ہے۔ کیا انہوں نے فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ ”اس کا عرش پانی پر تھا۔“ نہیں سنا؟ کیا اللہ کی ملکیت (بادشاہت) پانی پر تھی؟“

(زاد المسیر: ۲۱۳/۳)

③ ”خالق بذات خود کسی مقام پر متمکن نہیں ہے۔“

(تفہیم القرآن: ۵۹۰/۲)

اللہ نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ وہ عرش پر بلند ہے۔ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ کسی بچے سے پوچھا جائے کہ اللہ کہاں ہے؟ تو وہ اوپر کو اشارہ کرے گا یا زبان سے کہے گا کہ اللہ اوپر ہے۔

④ ”اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی

خاص مقام پر رہتا ہے، کیوں کہ اس کی ذات زمان و مکان کی قیود سے منزہ ہے۔“

(تفہیم القرآن: ۸۷/۶)

⑤ ”اور ذات باری تعالیٰ کا جو تصور ہم کو قرآن مجید میں دیا گیا ہے،

وہ بھی یہ خیال کرنے میں مانع ہے کہ وہ جسم اور جہت اور مقام سے منزہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اسے اٹھائے۔“

(تفہیم القرآن: ۴۱/۶)

انسان سلف صالحین سے بے نیاز ہو جائے، تو حق بھی اسے باطل نظر آتا ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت محتاط ہیں۔ وہ اس باب میں نصوص کو ان کے ظاہری

معنی پر رکھتے ہیں۔ اللہ نے اپنے متعلق جو خبر دی ہے، اسے ثابت کرتے ہیں، جس کی نفی کی ہے، نفی کرتے ہیں۔ جس سے سلف نے سکوت اختیار کیا، ہم بھی اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ فِي الْمَعْنَى أَنَّ يُنْظَرُ إِلَى الْمَقْصُودِ، فَمَنْ  
اعْتَقَدَ أَنَّ الْمَكَانَ لَا يَكُونُ إِلَّا مَا يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ الْمُتَمَكِّنُ، سَوَاءً  
كَانَ مُحِيطًا بِهِ أَوْ كَانَ تَحْتَهُ فَمَعْلُومٌ أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ لَيْسَ فِي  
مَكَانٍ بِهَذَا الْإِعْتِبَارِ، وَمَنْ اعْتَقَدَ أَنَّ الْعَرْشَ هُوَ الْمَكَانُ، وَأَنَّ  
اللَّهَ فَوْقَهُ، مَعَ غِنَاهُ عَنْهُ، فَلَا رَيْبَ أَنَّهُ فِي مَكَانٍ بِهَذَا  
الْإِعْتِبَارِ، فَمِمَّا يَجِبُ نَفْيُهُ بِلَا رَيْبٍ اِفْتِقَارُ اللَّهِ إِلَى مَا سِوَاهُ،  
فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ غَنِيٌّ عَنِ مَا سِوَاهُ، وَكُلُّ شَيْءٍ فَقِيرٌ إِلَيْهِ، فَلَا  
يَجُوزُ أَنْ يُوصَفَ بِصِفَةٍ تَتَضَمَّنُ اِفْتِقَارَهُ إِلَى مَا سِوَاهُ.

”حقیقت یہ ہے کہ مقصد کو دیکھا جائے۔ جو یہ سمجھے کہ مکان اسے کہتے ہیں، جس کا رہنے والا محتاج ہوتا ہے، گو وہ مکان اسے گھیرے ہوئے ہو یا اس کے نیچے ہو، تو ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے اللہ کسی مکان میں نہیں ہے۔ جس کا عقیدہ ہو کہ عرش ایک مکان ہے اور اس کے اوپر ہے، لیکن اللہ اس کا محتاج نہیں، تو اس اعتبار سے بلاشبہ اللہ مکان میں ہے۔ لہذا جس چیز کی نفی کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کسی کا محتاج نہیں، ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اسے کسی ایسی صفت سے

متصف کرنا جائز نہیں، جس سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے۔“

(درء تعارض العقل والنقل: ۶/۲۴۹)

نیز فرماتے ہیں:

لَكِنَّ قِيَاسَ اللَّهِ الْخَالِقِ لِكُلِّ شَيْءٍ الْغَنِيِّ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ  
الصَّمَدِ الَّذِي يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ كُلُّ شَيْءٍ بِالْمَخْلُوقَاتِ الضَّعِيفَةِ  
الْمُحْتَاجَةِ عَدْلٍ لَهَا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَمَنْ عَدَلَهَا بِرَبِّ  
الْعَالَمِينَ فَإِنَّهُ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ .

”لیکن اللہ تعالیٰ، جو سب کا خالق، سب سے غنی اور ایسا بے پرواہ کہ ہر چیز اس کی محتاج ہے، کو محتاج اور کمزور مخلوقات پر قیاس کرنا مخلوق کو رب العالمین کے برابر کرنے کے مترادف ہے اور جو مخلوق کو رب العالمین کے برابر کرے، وہ واضح گمراہی میں ہے۔“

(بیان تلبیس الجہمیۃ فی تأسیس بدعہم الکلامیۃ: ۳/۶۲۲)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَوَاؤُهُ وَعُلُوُّهُ عَلَى عَرْشِهِ سَلَامٌ مَنْ أُنْ يَكُونُ مُحْتَاجًا إِلَى  
مَا يَحْمِلُهُ أَوْ يَسْتَوِي عَلَيْهِ بَلِ الْعَرْشُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ وَحَمَلَتُهُ  
مُحْتَاجُونَ إِلَيْهِ فَهُوَ الْغَنِيُّ عَنِ الْعَرْشِ وَعَنْ حَمَلَتِهِ وَعَنْ  
كُلِّ مَا سِوَاهُ فَهُوَ اسْتَوَاءٌ وَعُلُوٌّ لَا يَشُوبُهُ حَصْرٌ وَلَا حَاجَةٌ  
إِلَى عَرْشٍ وَلَا غَيْرِهِ وَلَا إِحَاطَةٌ شَيْءٍ بِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بَلْ

كَانَ سُبْحَانَهُ وَلَا عَرْشَ وَلَمْ يَكُنْ بِهِ حَاجَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ الْغَنِيُّ  
 الْحَمِيدُ بَلِ اسْتَوَاؤُهُ عَلَى عَرْشِهِ وَاسْتِيلَاؤُهُ عَلَى خَلْقِهِ مِنْ  
 مُوجِبَاتِ مِلْكِهِ وَقَهْرِهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى عَرْضٍ وَلَا غَيْرِهِ  
 بِوَجْهِ مَا وَنَزُولُهُ كُلِّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا سَلَامٌ مِمَّا يُضَادُّ  
 عُلوَّهُ وَسَلَامٌ مِمَّا يُضَادُّ غِنَاهُ وَكَمَالَهُ سَلَامٌ مِّنْ كُلِّ مَا يَتَوَهَّمُ  
 مُعْطَلٌ أَوْ مُشَبَّهٌ وَسَلَامٌ مِّنْ أَنْ يَصِيرَ تَحْتَ شَيْءٍ أَوْ  
 مَحْضُورًا فِي شَيْءٍ تَعَالَى اللَّهُ رَبُّنَا عَنْ كُلِّ مَا يُضَادُّ كَمَالَهُ  
 وَغِنَاهُ وَسَمْعَهُ وَبَصَرَهُ سَلَامٌ مِّنْ كُلِّ مَا يَتَخَيَّلُهُ مُشَبَّهٌ أَوْ  
 يَتَقَوَّلُهُ مُعْطَلٌ وَمُؤَالَاتُهُ لِأَوْلِيَائِهِ سَلَامٌ مِّنْ أَنْ تَكُونَ عَنْ ذَلِكَ  
 كَمَا يُؤَالِي الْمَخْلُوقُ الْمَخْلُوقَ، بَلْ هِيَ مُؤَالَاةٌ رَّحْمَةً وَخَيْرٌ  
 وَإِحْسَانٌ وَبَرٌّ.

”اللہ کا مستوی ہونا اور اپنے عرش پر بلند ہونا اس سے پاک ہے کہ اللہ کسی  
 اٹھانے والے یا جس چیز پر بلند ہے، کا محتاج ہو، بلکہ عرش اور حاملین عرش اس  
 کے محتاج ہیں، اللہ عرش، حاملین عرش اور ہر غیر سے غنی ہے۔ یہ استوا اور علو ایسا  
 ہے، جس میں کوئی محصور چیز نہیں ملی ہوتی۔ اللہ کو عرش یا کسی اور شے کی حاجت  
 نہیں اور نہ اسے کوئی چیز محیط ہے، بلکہ ہا یک وقت اللہ تھا، لیکن عرش نہیں تھا اور  
 نہ ہی اسے عرش کی حاجت تھی۔ وہ غنی اور بزرگ ہے۔ بلکہ اس کا عرش پر  
 مستوی ہونا اور اپنی مخلوق پر بلند ہونا اس کی بادشاہت اور قہر کے موجبات میں

سے ہے، جسے کسی صورت بھی عرض (اہل کلام کی اصطلاح ہے، جس کا معنی ہے کہ جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہو، بذات خود قائم نہ ہو۔ از ناقل) وغیرہ کی ضرورت نہ ہو۔ اس کا ہر رات نزول اس کے علو، غنی اور کمال کے مخالف نہیں ہے۔ اسی طرح معطل اور مشبہہ کے جملہ اوہام سے بھی پاک ہے۔ اس سے بھی پاک ہے کہ باری تعالیٰ کسی چیز کے ماتحت ہو یا کسی چیز میں محصور ہو جائے۔ ہمارا رب ہر اس نقص سے پاک ہے، جس اس کے کمال، غنی، سبع اور بصر کے مخالف ہو۔ باری تعالیٰ مشبہہ کے خیالات اور معطلہ کے اختراعات سے پاک ہے۔ اس کا اپنے اولیا سے محبت و موالات مخلوق کے مخلوق کے ساتھ محبت کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ محبت رحمت، خیر، احسان اور نیکی کی وجہ سے ہے۔“

(بدائع الفوائد: ۱۳۶/۲)

⑥ ”اس کے ہاتھ میں اقتدار“ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جسمانی ہاتھ رکھتا ہے، بلکہ لفظ محاورہ کے طور پر ”قبضہ“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی کی طرح ہماری زبان میں بھی جب یہ کہتے ہیں کہ اختیارات فلاں کے ہاتھ میں ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہی سارے اختیارات کا مالک ہے، کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں ہے۔“

(تفہیم القرآن: ۴۱/۶)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے:

وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ، فَمَا



ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ  
فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ : إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ  
لَأنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْتِرَالِ وَلَكِنْ  
يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ .

”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ اللہ نے قرآن میں ذکر کیا۔ اللہ  
نے قرآن میں جو چہرے، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، یہ اس کی صفات ہیں،  
جن کی نہ کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے  
مراد قدرت یا نعمت ہے، کیوں کہ اس سے صفت کا بطلان لازم آتا ہے، جو کہ  
قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، بلکہ ہاتھ اللہ کی صفت ہے، کیفیت معلوم نہیں۔“

(الفقہ الأكبر، ص ۲۷)

کہتے ہیں:

لَا يُوصَفُ اللَّهُ تَعَالَى بِصِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ، وَغَضَبُهُ وَرِضَاهُ  
صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِهِ بِلَا كَيْفٍ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ  
وَهُوَ يَغْضَبُ وَيَرْضَى وَلَا يُقَالُ : غَضَبُهُ عُقُوبَتُهُ وَرِضَاهُ ثَوَابُهُ  
وَنَصِيفُهُ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ  
يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ حَيٌّ قَيُّومٌ قَادِرٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ عَالِمٌ، يَدُ اللَّهِ  
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ لَيْسَتْ كَأَيْدِي خَلْقِهِ وَلَيْسَتْ جَارِحَةً، وَهُوَ  
خَالِقُ الْأَيْدِي وَوَجْهُهُ لَيْسَ كَوُجُوهِ خَلْقِهِ وَهُوَ خَالِقُ كُلِّ

الْوُجُوهِ وَنَفْسُهُ لَيْسَتْ كَنَفْسِ خَلْقِهِ وَهُوَ خَالِقُ كُلِّ النُّفُوسِ  
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾.

”اللہ کو مخلوق کی صفات سے متصف نہیں کیا جائے گا۔ غضب اور رضا دونوں  
اللہ کی صفات ہیں، ان کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی، یہ اہل سنت کا منہج  
ہے۔ اللہ تعالیٰ غصے ہوتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جائے گا  
کہ اللہ کے غضب سے مراد اس کی عقوبت اور رضا سے مراد اس کا ثواب ہے۔  
ہم اللہ کے وصف ایسے بیان کریں گے جیسے اللہ أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ  
يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ حَيٌّ قَيُّومٌ قَادِرٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ عَالِمٌ نے اپنا  
وصف خود بیان کیا ہے۔ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے  
اوپر ہے۔ اللہ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی کوئی عضو  
جسمانی ہے، وہ تو سب ہاتھوں کا خالق ہے۔ اسی طرح اس کا چہرہ مخلوق کے  
چہروں کی طرح نہیں ہے، وہ تو سب چہروں کا خالق ہے۔ اس کا نفس مخلوق کے  
انفاس کی طرح نہیں ہے، وہ تو سب نفسوں کا خالق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے  
: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (اس کی مثل کوئی شے نہیں  
ہے اور وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)“

(الفقه الأكبر، ص ۱۶۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَمَّا الْكَلَامُ فِي الصِّفَاتِ، فَإِنَّ مَا رُويَ مِنْهَا فِي السُّنَنِ  
الصَّحَاحِ، مَذْهَبُ السَّلَفِ إِثْبَاتُهَا وَإِجْرَاؤُهَا عَلَى ظَوَاهِرِهَا،

وَنَفْيُ الْكَيْفِيَّةِ وَالتَّشْبِيهِ عَنْهَا، وَقَدْ نَفَاهَا قَوْمٌ، فَأَبْطَلُوا مَا  
 أَثْبَتَهُ اللَّهُ، وَحَقَّقَهَا قَوْمٌ مِّنَ الْمُثْبِتِينَ، فَخَرَجُوا فِي ذَلِكَ إِلَى  
 ضَرْبٍ مِّنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّكْيِيفِ، وَالْقَصْدُ إِنَّمَا هُوَ سُلُوكُ  
 الطَّرِيقَةِ الْمُتَوَسِّطَةِ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ، وَدَيْنُ اللَّهِ تَعَالَى بَيْنَ  
 الْغَالِي فِيهِ وَالْمُقَصِّرُ عَنْهُ .

وَالْأَصْلُ فِي هَذَا أَنَّ الْكَلَامَ فِي الصِّفَاتِ فَرُعُ الْكَلَامِ فِي  
 الذَّاتِ، وَيُخْتَدَى فِي ذَلِكَ حَدُّهُ وَمِثَالُهُ، فَإِذَا كَانَ مَعْلُومًا أَنَّ  
 إِثْبَاتَ رَبِّ الْعَالَمِينَ إِنَّمَا هُوَ إِثْبَاتُ وُجُودٍ لَا إِثْبَاتُ كَيْفِيَّةٍ،  
 فَكَذَلِكَ إِثْبَاتُ صِفَاتِهِ إِنَّمَا هُوَ إِثْبَاتُ وُجُودٍ لَا إِثْبَاتُ  
 تَحْدِيدٍ وَتَكْيِيفٍ . فَإِذَا قُلْنَا: لِلَّهِ يَدٌ وَسَمْعٌ وَبَصَرٌ، فَإِنَّمَا هِيَ  
 صِفَاتُ اثْبَتَهَا اللَّهُ لِنَفْسِهِ، وَلَا نَقُولُ: إِنَّ مَعْنَى الْيَدِ الْقُدْرَةُ،  
 وَلَا إِنَّ مَعْنَى السَّمْعِ وَالْبَصَرِ الْعِلْمُ، وَلَا نَقُولُ: إِنَّهَا جَوَارِحُ،  
 وَلَا نُشَبِّهُهَا بِالْأَيْدِي وَالْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارِ الَّتِي هِيَ جَوَارِحُ  
 وَأَدَوَاتُ لِلْفِعْلِ، وَنَقُولُ: إِنَّمَا وَجَبَ إِثْبَاتُهَا لِأَنَّ التَّوْقِيفَ  
 وَرَدَ بِهَا، وَوَجَبَ نَفْيُ التَّشْبِيهِ عَنْهَا لِقَوْلِهِ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ  
 شَيْءٌ﴾ (الشُّورَى: ١١)، وَ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الإِخْلَاصُ:

”جو صفات باری تعالیٰ صحیح احادیث میں مروی ہیں، سلف ان کا اثبات کرتے ہوئے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں اور کیفیت اور تشبیہ کی نفی کرتے ہیں۔ بعض گروہوں نے ان صفات کی نفی کرتے ہوئے اسے باطل کر دیا ہے، جسے اللہ نے ثابت کیا تھا۔ بعض نے اثبات تو کیا ہے، لیکن تشبیہ و تکلیف کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔ درست بات یہ ہے کہ دونوں گروہوں کا درمیانی راستہ اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غلو اور تقصیر کے درمیان ہے۔

صفات باری تعالیٰ میں گفتگو کرنا ذات باری تعالیٰ میں گفتگو کرنا ہے۔ ان میں بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ یہ تو بدیہی بات ہے کہ رب العالمین کا اثبات اس کی ذات کا اثبات ہے، نہ کہ اس کی کیفیت کا۔ اسی طرح صفات کا اثبات وجود کا اثبات ہے، نہ کہ کیفیت اور تحدید کا۔ لہذا جب ہم کہیں گے کہ صفت ید، سمع اور بصر اللہ کے لیے ثابت ہے، تو معنی ہوگا کہ یہ صفات ہیں، جنہیں اللہ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ ید (ہاتھ) کا معنی قدرت ہے اور سمع و بصر کا معنی علم ہے، نہ ہی انہیں جوارح (جسمانی اعضا) قرار دیں گے اور نہ ہی انہیں ہاتھوں، کانوں اور آنکھوں، جو کہ جسمانی اعضا ہیں اور کام کرنے کے آلہ کار ہیں، کے ساتھ تشبیہ دیں گے، بلکہ ہم کہیں گے کہ ان کا اثبات واجب ہے، کیوں کہ یہ شریعت سے ثابت ہیں اور تشبیہ کی نفی کرنا بھی از حد ضروری ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشُّورَى: ۱۱) ”اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔“ فرمایا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الإِخْلَاص: ۳) ”اور

اس کے ہم سر کوئی نہیں ہے۔“

(سیر أعلام النبلاء للذهبي: ۲۸۴/۱۸، وسندہ صحیح)

④ ”اصل الفاظ ہیں جاء ربك، جن کا لفظی ترجمہ ہے: تیرا رب

آئے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔“

(تفہیم القرآن: ۶/۳۳۳)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

مِمَّا يُوضَّحُ لَكَ ذَلِكَ أَنَّ النُّزُولَ وَالْمَجِيءَ وَالْإِثْيَانَ،  
وَالِاسْتِوَاءَ، وَالصُّعُودَ وَالْإِرْتِفَاعَ كُلُّهَا أَنْوَاعُ أَفْعَالٍ، وَهُوَ  
الْفِعَالُ لِمَا يُرِيدُ، وَأَفْعَالُهُ كَصِفَاتِهِ قَائِمَةٌ بِهِ، وَلَوْلَا ذَلِكَ لَمْ  
يَكُنْ فِعَالًا وَلَا مَوْصُوفًا بِصِفَاتِ كَمَالِهِ، فَنُزُولُهُ وَمَجِيئُهُ  
وَاسْتِوَاؤُهُ وَارْتِفَاعُهُ وَصُعُودُهُ وَنَحْوُ ذَلِكَ، كُلُّهَا أَفْعَالٌ مِّنْ  
أَفْعَالِهِ، الَّتِي إِنْ كَانَتْ مَجَازًا فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا مَجَازٌ وَلَا فِعْلٌ لَهُ  
فِي الْحَقِيقَةِ، بَلْ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْجَمَادَاتِ، وَهَذَا حَقِيقَةٌ مِّنْ  
عَطَّلَ أَفْعَالَهُ، وَإِنْ كَانَ فَاعِلًا حَقِيقَةً فَأَفْعَالُهُ نَوْعَانِ: لَازِمَةٌ  
وَمُتَعَدِّيَّةٌ، كَمَا دَلَّتِ النُّصُوصُ الَّتِي هِيَ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَرَ  
عَلَى النُّوعَيْنِ .

وَبَيِّنَاتِ أَفْعَالِهِ وَقِيَامِهَا بِهِ تَزُولُ عَنْكَ جَمِيعُ الْإِشْكَالَاتِ،

وَتَصَدَّقُ النُّصُوصُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَعْلَمُ مُطَابَقَتَهَا لِلْعَقْلِ  
الصَّرِيحِ، وَإِنْ أَنْكَرْتَ حَقِيقَةَ الْأَفْعَالِ وَقِيَامَهَا بِهِ سُبْحَانَهُ  
اضْطَرَبَ عَلَيْكَ هَذَا الْبَابُ أَعْظَمَ اضْطِرَابٍ، وَبَقِيَتْ حَائِرًا  
فِي التَّوْفِيقِ بَيْنَ النُّصُوصِ وَبَيْنَ أُصُولِ الثَّنَاءِ، وَهِيَ هَاتِ لَكَ  
بِالتَّوْفِيقِ بَيْنَ النَّفِيزِينَ وَالْجَمْعِ بَيْنَ الضَّادِينَ .

يُوضِّحُهُ : إِنَّ الْأَوْهَامَ الْبَاطِلَةَ وَالْعُقُولَ الْفَاسِدَةَ لَمَّا فَهِمَتْ  
مِنْ نُزُولِ الرَّبِّ وَمَجِيئِهِ، وَإِتْيَانِهِ وَهَبُوطِهِ وَدُنُوهُ مَا يُفْهَمُ مِنْ  
مَجِيءِ الْمَخْلُوقِ وَإِتْيَانِهِ وَهَبُوطِهِ وَدُنُوهُ وَهُوَ أَنْ يُفْرَغَ مَكَانًا  
وَيَشْغَلَ مَكَانًا نَفَتْ حَقِيقَةُ ذَلِكَ فَوَقَعَتْ فِي مَحْذُورَيْنِ :  
مَحْذُورِ التَّشْبِيهِ وَمَحْذُورِ التَّعْطِيلِ، وَلَوْ عَلِمْتَ هَذِهِ الْعُقُولُ  
الضَّعِيفَةُ أَنَّ نُزُولَهُ سُبْحَانَهُ وَمَجِيئَهُ وَإِتْيَانَهُ لَا يُشْبِهُ نُزُولَ  
الْمَخْلُوقِ وَإِتْيَانَهُ وَمَجِيئَهُ، كَمَا أَنَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَعِلْمَهُ  
وَحَيَاتَهُ كَذَلِكَ، بَلْ يَدُهُ الْكَرِيمَةُ وَوَجْهُهُ الْكَرِيمُ كَذَلِكَ،  
وَإِذَا كَانَ نُزُولًا لَيْسَ كَمِثْلِهِ نُزُولٌ، فَكَيْفَ تَنْفَى حَقِيقَتُهُ، فَإِنْ  
لَمْ تَنْفِ الْمُعْطَلَةُ حَقِيقَةَ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ بِالْكُلِّيَّةِ وَإِلَّا  
تَنَاقَضُوا، فَإِنَّهُمْ أَيُّ مَعْنَى أَثْبَتُوهُ لَزِمَهُمْ فِي نَفْيِهِ مَا أَلْزَمُوا بِهِ  
أَهْلَ السُّنَّةِ الْمُثْبِتِينَ لِلَّهِ مَا أَثْبَتَ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَجِدُونَ إِلَى

الْفَرْقِ سَبِيلًا .

”واضح ہوا کہ صفاتِ نزول، مجی، اتیان، استواء، صعود اور ارتفاع تمام صفات فعلیہ ہیں۔ اللہ جس کا ارادہ کرتا ہے، اسے بخوبی کر سکتا ہے۔ اس کی صفات فعلیہ صفات ذاتیہ ہی کی طرح ہیں۔ ایسا نہ ہوتا، تو وہ ’فعال‘ (ہر کام بخوبی کرنے والا) ہوتا، نہ صفات کمال سے متصف ہوتا۔ اللہ کی صفاتِ نزول، مجی، اتیان، استواء، صعود، ارتفاع اور دوسری صفات اس کے افعال ہیں، کہ اگر یہ فعلی صفات مجازی ہیں، تو اس کے تمام افعال ہی مجاز ہوں گے اور حقیقت میں کوئی فعل بھی باقی نہیں رہے گا، بلکہ سب افعال جمادات کی طرح ہو جائیں گے۔ معطلہ کی یہی حقیقت ہے۔ اگر اللہ کو حقیقی فاعل تسلیم کر لیا جائے، تو اس کے افعال کی دو قسمیں ہوں گی۔

① لازمیہ ② متعدیہ۔

ان دونوں اقسام پر ان گنت نصوص دلالت کرتی ہیں۔

صفات افعال کے اثبات اور انہیں ذات باری کے ساتھ قائم کرنے سے آپ کے تمام شبہات کا فوراً ہو جاتے ہیں۔ تمام نصوص ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور آپ انہیں عقل صریح کے موافق و مطابق بھی سمجھنے لگیں گے۔ اگر آپ نے ان صفات کا انکار کر دیا یا انہیں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہ مانا، تو آپ اس مسئلہ میں شدید اضطراب کا شکار ہو جائیں گے اور نصوص اور منکرین صفات باری تعالیٰ میں موافقت تلاش کرتے ہی رہ جائیں گے۔ دو نقیض اور ضدوں میں جمع و توفیق کرنا ناممکن ہے۔

کچھ مزید وضاحت: جب باطل اوہام اور فاسد عقلیں رب تعالیٰ کے نزول، آنے، نیچے اترنے اور قریب ہونے سے وہ مفہوم مراد لیں گی، جو مخلوق کے نزول، آنے، نیچے اترنے اور قریب ہونے، جس ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال لازم آتا ہے، سے مراد لیا جاتا ہے، تو ان صفات کی حقیقت کی نفی کر بیٹھیں گی۔ نیز دو گراہیوں کا شکار ہو جائیں گی:

### ① تشبیہ ② تعطیل۔

اگر ان کمزور عقول کی سمجھ میں آجاتا کہ اللہ کا نزول اور آنا مخلوق کے نزول اور آنے کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح خالق کی سمع، بصر، علم اور حیات مخلوق کے مشابہ نہیں ہے، بلکہ ہاس کا ہاتھ اور چہرہ بھی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ اگر اللہ کا نزول مخلوق کے مشابہ نہ مانا جائے، تو اس کی حقیقت کی نفی نہیں ہوگی۔ معطلہ اللہ کی ذات، صفات اور افعال کی حقیقت کی کلیتاً نفی کر کے تناقض کا شکار ہو گئے ہیں، کیوں کہ وہ جو معنی بھی ثابت کریں، ان پر صفات کی نفی کرنے میں وہی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے، جو اہل سنت پر صفات باری تعالیٰ کے اثبات کرنے میں وارد ہوتا ہے اور انہیں اس فرق کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔“

(مختصر الصواعق المرسلۃ، ص ۴۵۰-۴۵۱)

نیز فرماتے ہیں:

وَهَذَا النُّزُولُ إِلَى الْأَرْضِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْ تَوَاتَرَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ وَالْأَثَارُ وَدَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ صَرِيحًا .

”روز قیامت زمین کی طرف اللہ کے نزول کی بابت احادیث اور آثار صحابہ



متواتر ہیں، نیز قرآن بھی صراحت کے ساتھ دلالت کناں ہے۔“

(مختصر الصواعق المرسلۃ، ص ۴۶۶)

مولانا سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

”پروردگار عزوجل کے نزول وغیرہ کے متعلق ایک مسلک متقدمین کا ہے کہ نزول سے حقیقت نزول مراد ہے، مگر کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اسی طرح سمع، بصر، ید، استواء علی العرش کے متعلق متقدمین کا مسلک یہی ہے۔ متاخرین تاویل کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے رضائے الہی، خوش نوودی اور توجہ مراد ہے۔ عمدہ قول متقدمین کا ہی ہے۔“

(خزائن السنن، ص ۴۰۳)

بے شک عمدہ قول متقدمین کا ہی ہے، لیکن متاخرین متکلمین کو حق نہیں کہ وہ توحید باری تعالیٰ میں متقدمین سے اختلاف کریں۔ متاخرین نے تشبیہ کا بہانہ تراش کر صفات باری میں تعطیل کا ارتکاب کیا ہے۔

⑧ ”..... اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی

ہے، وہ دراصل صفات الہی کا ایک عکس یا پرتو ہے۔“

(تفہیم القرآن: ۵۰۲/۲)

یہ عقیدہ صوفیا سے مستعار لیا گیا ہے۔ اہل سنت والجماعت اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”تفہیم القرآن میں بہت سی باتیں جمہور کے مسلمات واقوال کے خلاف ہیں،

اس لیے اسے بقول سائل بلا تنقید پڑھنا پڑھنا درست نہیں ہے۔“



(فتاویٰ عثمانی، جلد اول، ص ۲۱۴)

## بعض اتہامات کا جائزہ:

ایک صاحب کہتے ہیں:

”میں نے عرض کیا: میرے امام کا عقیدہ ہے، اللہ ہر جگہ پر ہے۔“

(خطبات گھمن، ص ۲۰۵)

مزید کہا:

”رب کی ذات کے بارے میں نعمان کا، احناف کا عقیدہ یہ ہے، اللہ ہر جگہ پر

ہے، صرف اللہ عرش پر نہیں ہے۔“

(خطبات گھمن، ص ۲۰۰)

امام صاحب کی طرف یہ عقیدہ جانے کن لوگوں نے منسوب کر دیا ہے، حالاں کہ ان

سے یہ عقیدہ ثابت نہیں۔ ابن ابی العزخنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَى مَنْ أَنْكَرَ ذَلِكَ مِمَّنْ يَنْتَسِبُ إِلَى مَذْهَبِ أَبِي

حَنِيفَةَ، فَقَدْ انْتَسَبَ إِلَيْهِ طَوَائِفُ مُعْتَزِلَةٍ وَغَيْرُهُمْ، مُخَالِفُونَ

لَهُ فِي كَثِيرٍ مِنْ اِعْتِقَادَاتِهِ، وَقَدْ يَنْتَسِبُ إِلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ

وَأَحْمَدَ مَنْ يُخَالِفُهُمْ فِي بَعْضِ اِعْتِقَادَاتِهِمْ، وَقِصَّةُ أَبِي

يُوسُفَ فِي اسْتِثْنَاءِ بَشَرِ الْمَرِيسِيِّ، لَمَّا أَنْكَرَ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ

عَزَّ وَجَلَّ فَوْقَ الْعَرْشِ مَشْهُورَةٌ.

”احناف کی طرف منسوب بعض لوگ، جو اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں، تو

ان کا انکار قابل التفات نہیں۔ کیوں کہ معتزلہ کے کئی گروہ خود کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کئی اعتقادی مسائل میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ائمہ مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے بعض اعتقادات میں مخالفت کرنے والے بھی خود کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف کا قصہ مشہور ہے کہ جب بشر مرسی نے اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کیا، تو انہوں نے اسے توبہ کرنے کو کہا۔“

(شرح العقيدة الطحاوية، ص ۲۸۸، ط دارالسلام)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الْحَنْفِيُّ يَخْلُطُ بِمَذَاهِبِ أَبِي حَنِيفَةَ شَيْئًا مِّنْ أَصُولِ الْمُعْتَزَلَةِ وَالْكَرَامِيَّةِ وَالْكَلاَّبِيَّةِ، وَيُضِيفُهُ إِلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ .

”اسی طرح احناف نے بھی مذہب ابوحنیفہ میں بہت کچھ ایسا داخل کر دیا ہے، جو درحقیقت معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ کے اصول و اعتقادات تھے اور پھر اسے مذہب ابوحنیفہ کی دم لگا دی۔“

(منهاج السنة النبوية : ۲۶۱/۵)

نیز فرماتے ہیں:

مَا مِنْ إِمَامٍ إِلَّا وَقَدْ اُنْتُسَبَ إِلَيْهِ أَقْوَامٌ هُوَ مِنْهُمْ بَرِيءٌ قَدْ اُنْتُسَبَ إِلَى مَالِكٍ أَنْاسٌ مَّالِكٌ بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَاُنْتُسَبَ إِلَى الشَّافِعِيِّ أَنْاسٌ هُوَ بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَاُنْتُسَبَ إِلَى أَبِي حَنِيفَةَ

أَنَاسٌ هُوَ بَرِيءٌ مِّنْهُمْ .

”ہر امام کی طرف کچھ نہ کچھ لوگ منسوب ہوتے ہیں، جب کہ وہ امام ان سے بری ہوتا ہے۔ امام مالک کی طرف کئی لوگ (جھوٹی) نسبت کرتے ہیں، جب کہ آپ ﷺ ان سے بری ہیں۔ خود کو شافعی کہنے والے بہت سے لوگ موجود ہیں، جب کہ امام صاحب ان سے بری ہیں۔ اسی طرح کئی لوگ خود کو ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ آپ ان سے بری ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۱۸۵/۳، العقود الدریۃ، ص ۱۵۷)

علامہ ابو مظفر اسفہانی رحمہ اللہ (۴۷۱ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ نَبَغَ مِنْ أَحْدَاثِ أَهْلِ الرَّأْيِ، مَنْ تَلَبَّسَ بِشَيْءٍ مِّنْ مَّقَالَاتِ الْقَدَرِيَّةِ وَالرَّوَافِضِ مُقَلِّدًا فِيهَا وَإِذَا خَافَ سُيُوفَ أَهْلِ السُّنَّةِ نَسَبَ مَا هُوَ فِيهِ مِنْ عَقَائِدِهِ الْخَبِيثَةِ إِلَى أَبِي حَنِيفَةَ تَسْتُرًا بِهِ فَلَا يَعْرِئُكَ مَا ادَّعَوْهُ مِنْ نِسْبَتِهَا إِلَيْهِ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ بَرِيءٌ مِّنْهُمْ وَمِمَّا نَسَبُوهُ إِلَيْهِ .

”کئی ایسے نوزائیدہ اہل رائے سامنے آئے ہیں، جنہوں نے قدریہ اور روافض کی تقلید میں ان کے کچھ عقائد کو خلط ملط کر رکھا ہے، پھر اہل سنت کی شمشیریں خوف طاری کرتی ہیں، تو جھٹ سے اپنے اعتقادات کو حنفیت کا رنگ دیتے ہیں۔ (اے مخاطب!) آپ ان کی نسبتوں سے دھوکہ نہ کھائیں، کیوں کہ امام ابو حنیفہ ان سے اور ان کے منسوب عقائد سے قطعاً بری ہیں۔“

(التبصیر فی الدین، ص ۱۱۴)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذَا الْحَدِيثُ يُثَبِّتُ كَوْنَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَوْقَ عَرْشِهِ،  
وَالْجَهْمِيَّةُ يُنْكِرُونَهُ.

”یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے عرش پر (بلند) ہے، جب کہ جہمیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔“

(بذل المجہود فی حل سنن أبي داود: ۱۸/۱۴۴)

سلف صالحین اور ائمہ اہل سنت کا صفات باری تعالیٰ میں جو عقیدہ ہے، وہی حق ہے، اس سے انحراف کسی صورت بھی مناسب نہیں۔

کیا اسلامی عقائد اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ان کی تفہیم کے لیے باطل تاویلات کا سہارا لیا جائے۔ ان عبارات سے واضح ہے کہ یہ عقیدہ اہل سنت سے انحراف ہے۔ اسلامی عقائد کی بنیاد لغت عرب پر ڈالی جائے گی یا سلف صالحین کے فہم پر؟

اسلاف صفات باری تعالیٰ میں تاویل نہیں کرتے تھے، ہمارے لیے بھی اسی میں عافیت و سرخروئی ہے۔ یہ کہنا کہ اگر سلف کے منہج کے مطابق صفات باری تعالیٰ کو مانا جائے، تو اس سے یہ یہ لازم آئے گا، حالاں کہ ایسا کچھ نہیں ہے، کیوں کہ مسلک سلف ہی اسلم، احکم اور اعلم ہے۔ سلف کے بارے میں بدگمانی اور ان کے منہج سے انحراف جادہ حق سے دور کے جاتا ہے۔ جب کہ سلف سب سے بڑھ کر علم و تقویٰ والے تھے، تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ قرآن و حدیث کی نصوص کی صحیح تعبیریں بیان کرتے تھے۔



## عمر عائشہ رضی اللہ عنہا

بوقت نکاح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے حوالے سے شہادت کا علمی جائزہ ملاحظہ ہو:

شبہ ①:

نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر سولہ اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی، جن روایات میں چھ سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی کا ذکر ہے، ان سے دہائی ساقط ہو گئی ہے۔

ازالہ:

دہائی کے ساقط ہونے پر کیا دلیل ہے؟ جن متواتر روایات میں چھ سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی کا ذکر ہے، انہیں رد نہیں کیا جاسکتا۔

شبہ ②:

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر سو سال تھی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے دس سال چھوٹی تھیں۔ سیدہ اسماء کی عمر ہجرت کے وقت ستائیس یا اٹھائیس سال تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سترہ یا اٹھارہ سال کی ہوں گی، آپ کی رخصتی دو ہجری میں ہوئی۔ لہذا نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر انیس سال تھی۔

ازالہ: یہ بات ثابت نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں، اس بارے میں جو عبد الرحمن بن ابی زناد کا قول ہے (تاریخ دمشق: ۹/۸، الاستیعاب لابن عبد

البر: ۲/۲۱۶)، وہ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیوں کہ عبدالرحمن بن ابی زناد نے سیدہ اسماء کا زمانہ نہیں پایا۔

① سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔ (الطبقات لابن سعد: ۸/۲۰۰، وسندہ حسن) اور سیدہ اسماء نے سو سال عمر پائی۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۶۹/۲۷، سندہ حسن)

② نبی کریم ﷺ کی وفات کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ یوں سیدہ اسماء کی عمر نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ۳۸ برس ہوئی۔ تو یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے بیس برس چھوٹی ہوں گی۔ اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دس برس چھوٹے ہونے کا دعویٰ غلط ٹھہرا۔ اب ذرا شادی کی عمر پر غور کیجئے:

① ہجرت کے وقت سیدہ اسماء کی عمر ۲۷ برس تھی۔

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے بیس برس چھوٹی ہیں۔

اس حساب سے ہجرت کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات برس ہوئی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سن ۲ھ کو ہوئی، یوں رخصتی کے وقت عمر ۹ سال ہوئی اور تین برس پہلے نکاح ہوا، یوں نکاح کے وقت عمر ۶ سال ہوئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، وَأَدْخَلْتُ عَلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ، وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا.

”نبی کریم ﷺ سے میرا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا، اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی اور نو برس آپ ﷺ کی زوجیت میں رہی۔“



(صحیح البخاری: ۵۱۳۳)

نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر انیس برس تھی تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت اٹھارہ برس کیسے؟ جب کہ نو برس آپ ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ گزارے ہیں؟

شبہ ③:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ سیدہ فاطمہ کی وفات ۱۰ ہجری میں ہوئی۔ وفات کے وقت عمر تیس یا پینتیس سال تھی۔ اس طرح ہجرت کے وقت پندرہ یا بیس سال بنتی ہے۔ دو سال بعد رخصتی ہوئی، تو اس وقت عمر سترہ یا بائیس سال ہو جاتی ہے۔

ازالہ: یہ کہنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھی، بے حقیقت ہے، جس پر کوئی ثابت دلیل موجود نہیں۔

شبہ ④:

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوئی۔ (تاریخ طبری: ۴۲۶/۳)۔

ازالہ:

- ① جھوٹ ہے، جو کبھی، واقعی اور نامعلوم لوگوں سے صادر ہوا ہے۔
- ② امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعثت نبوی ﷺ کے بعد بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں اولاد ہوئی، ان میں محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔
- ③ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مال دیا اور کہا کہ میری



وفات کے بعد اپنے بہن بھائیوں میں تقسیم کر دینا۔ آپ کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میری تو ایک ہی بہن ہے، دوسری کون؟ فرمایا:

ذُو بَطْنٍ بِنْتُ خَارِجَةَ، أَرَاهَا جَارِيَةً.

”وہ جو بنت خارجہ کے لطن میں ہے، غالب گمان ہے کہ وہ بچی ہوگی۔“

(موطأ الإمام مالك: ۷۵۲/۲، السنن الكبرى للبيهقي: ۱۷۰/۶، وسنده صحيح)

## شبہ ⑤:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دو سو سال بعد یہ روایت ہو، ہو امام بخاری تک کیسے پہنچی، صرف زبانی یا کوئی تحریری ثبوت موجود تھا؟

## ازالہ:

① یہ اعتراض صرف امام بخاری رحمہ اللہ پر کیوں؟ یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے کئی ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں اپنی سندوں سے ذکر کی ہے، ملاحظہ ہو۔  
مصنف ابن أبي شيبة: ۳۳۹۲۷، مسند الحميدي: ۲۳۳، سنن سعيد بن منصور: ۵۱۵، مسند إسحاق بن راهويه: ۷۲۱، ۷۲۲، مسند الإمام أحمد: ۶/۵۴، ۲۰۶ وغیرہ۔

② امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ بھی اپنی اپنی سند سے لائے ہیں۔ اس حدیث کے کسی راوی پر اعتراض کریں، امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کی کوئی ضرورت نہیں، ہم نے یہ آسانی کے لیے کہا ہے، ورنہ یہ روایت متواتر ہے اور متواتر

کے روات کی چھان بھٹک کی احتیاج نہیں ہوتی۔

شبہ ۶:

صحیح بخاری (۳۸۱۷) اور صحیح مسلم (۲۴۳۵) میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے نکاح سے تین سال قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، جب کہ صحیح بخاری (۳۸۹۶) میں عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تُوفِّيتْ خَدِيجَةُ قَبْلَ مَخْرَجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ بِثَلَاثِ سِنِينَ، فَلَيْتَ سَنَتَيْنِ أَوْ قَرِيبًا مِّنْ ذَلِكَ، وَنَكَحَ عَائِشَةُ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، ثُمَّ بَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ.

”ہجرت مدینہ سے تین سال قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کم وپیش دو سال رکے رہے۔ آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، وہ چھ سال کی تھیں اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی۔“  
اعتراض یہ ہے کہ دو سال بعد چھ برس تھی اور تین سال بعد بھی چھ سال رہی؟

ازالہ:

جس روایت میں ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے تین برس قبل ہوئی، تو یہ صحیح ہے۔

جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم وپیش دو سال رکے رہے۔

① مرسل ہے اور صحیح بخاری کی صرف مرفوع متصل روایات ہی صحیح ہیں۔  
مرسل ضعیف ہوتی ہے، لہذا کوئی تعارض نہیں۔

② اگر دوسری روایت کو صحیح مان لیا جائے، تب بھی کوئی تعارض نہیں، کیوں کہ دوسری روایت میں دو باتوں کا ذکر ہے:

① سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کم و بیش دو سال رکنے کا۔

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا۔

تطبیق یوں ہوں گی کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح کر چکے تھے، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پہلے ہو چکا تھا، دو سال رکنے اور پھر تعلق قائم ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بعد میں مدینہ جا کر ہوئی۔ لہذا فَلَبِثْتُ سَتَتَيْنِ أَوْ قَرِيبًا مِّنْ ذَلِكَ کے الفاظ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح یا رخصتی سے کوئی تعلق نہیں۔

شبہ ④:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب میں چھوٹی تھیں اور کھیلتی تھی، اس زمانے میں سورت قمر کی آیت نمبر ۴۶ نازل ہوئی اور وہ مجھے یاد ہو گئی۔“ سورت قمر کا نزول سن ۵ نبوی میں ہوا، ظاہر ہے کہ سیدہ کو اتنی سمجھ تھی کہ وہ اس آیت کو یاد رکھ سکیں۔ اب اگر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۱۰ یا ۱۲ یا ۱۳ نبوی میں ۶ برس کی عمر میں مانا جائے، تو لازم آتا ہے کہ سن ۵ نبوت کو آپ پیدا بھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ پھر کون سی حدیث صحیح مانی جائے؟

ازالہ:

دونوں احادیث صحیح ہیں۔

① سورت قمر یا مذکورہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ سیدہ عائشہ نے بیان کیا، لیکن سن ۵ نبوت کا تعین محتاج دلیل ہے۔ لہذا اس غیر ثابت تاریخ کی بنیاد پر تشکیک پیدا کرنا نامناسب ہے۔

② مذکورہ حدیث کا معنی ہے کہ یہ آیت مکہ میں تب نازل ہوئی، جب میں چھوٹی تھی اور کھیلتی تھی۔

③ کسی حدیث میں ذکر نہیں کہ آیت کے نزول کے وقت ہی میں نے اسے یاد کر لیا تھا۔ بلکہ بعد میں نبی کریم ﷺ نے یا کسی اور مقدم الاسلام صحابی نے بتایا ہوگا اور مراسل صحابہ حجت ہیں۔ یوں وہ تمام اعتراضات کا فور ہو جاتے ہیں، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کی ان روایات پر اچھالے جاتے ہیں، جو انہوں نے قبول اسلام یا عمر رشد سے پہلے کے واقعات میں بیان کیں ہیں۔

## شبہ ⑧:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو اسلام کا پابند پایا، کوئی دن ایسا نہ گزرتا، جس میں رسول اللہ ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے یہاں نہ آتے۔“ (بخاری: ۳۹۰۵) ایک بچی تقریباً دس سال کی عمر میں ہوش سنبھالتی ہے، یوں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح چھ برس کیسے؟

ازالہ:

اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔

- ① عمر رشد (ہوش سنبھالنے کی عمر) کا تعین نہیں۔ ہر بچے کی قابلیت پر موقوف ہے، کئی ایسے ہیں جو چار پانچ برس میں سمجھدار ہو جاتے ہیں اور کئی ہیں کہ ساری زندگی نا سمجھ ہی رہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی زیرک اور دانا کا چھوٹی عمر میں سمجھدار ہونا بعید نہیں۔
- ② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہوش کی بات کرتی ہیں کہ میں نے والدین کو پابند شرع ہی پایا، یہ مراد نہیں کہ جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو میں سمجھدار تھی، بلکہ وہ تو اپنی یادداشت بیان کر رہی ہیں۔ رہا رسول اللہ ﷺ کو صبح و شام آنا جانا، تو وہ ہر بچہ یا درکھ سکتا ہے۔

- ③ محدثین نے قبول روایت کی عمر پانچ سال بتائی ہے۔ تو سیدہ کی یادداشت اور سمجھداری پر اعتراض کیوں؟
- خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: میرے ایک استاذ نے پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ (تاریخ بغداد: ۳۷۶/۱۱، ترجمہ، عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن بن احمد)
- اس وقت بھی دنیا میں کتنے بچے ہیں، جو تین چار سال کی عمر میں حیران کن یادداشت رکھتے ہیں۔

شبہ ⑨:

ہشام بن عروہ ”مُلس“ ہیں۔

ازالہ:

- ① ہشام بن عروہ کے ”ثقة“ ہونے پر اجماع ہے، ان پر امام مالک کی جرح کا راوی ابن خراش خود ”ضعیف“ ہے، لہذا وہ قول ثابت نہیں۔ یہ تدلیس کے الزام

سے بری ہیں، جس قول (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص ۱۰۴-۱۰۵) کی وجہ سے ”مذلس“ کہا گیا ہے، وہ ضعیف ہے، اس کے راوی عبداللہ بن علی بن مدینی کی ”توثیق“ ثابت نہیں ہے۔

- ② صحیحین میں ”مذلسین“ کی روایات سماع پر محمول ہیں۔
- ③ ہشام بن عروہ کی متابعت زہری، (صحیح مسلم: ۱۴۲۲) ابراہیم نخعی (صحیح مسلم: ۱۴۲۲) اور عبداللہ بن عروہ (صحیح مسلم: ۱۴۲۳) وغیرہ نے کی ہے۔
- ④ اس روایت کی بہت ساری سندیں ہیں، جو درجہ تو اتر تک پہنچتی ہیں، صرف ہشام پر اعتراض کیوں؟

### شبہ ⑩

”ہشام کا ۱۳۲ھ میں دماغ جواب دے گیا تھا، بلکہ حافظ عقیلی تو لکھتے ہیں:

قَدْ خَرَفَ فِي آخِرِ عُمُرِهِ .

آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے، تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ روایت سٹھیانے سے پہلے کی ہے؟“

ازالہ:

- ① حافظ عقیلی رحمہ اللہ کا قول نہیں مل سکا۔
- ② متقدمین میں کسی نے ان پر اختلاف کا الزام نہیں لگایا، اختلاف ثابت ہو جائے، تب بھی بخاری و مسلم میں مختلفین کی روایات سماع پر محمول ہیں، حافظ نووی رحمہ اللہ ایک مختلط کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمَا كَانَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَخْذِ عَنْهُ قَبْلَ  
اِخْتِلَاطِهِ .

”بخاری و مسلم میں ان کی روایات قبل از اختلاط پر محمول ہیں۔“

(تہذیب الأسماء واللغات : ۲۲۱/۱)

③ ہشام بن عروہ کی متابعت زہری، (صحیح مسلم: ۱۴۲۲) ابراہیم نخعی (صحیح مسلم: ۱۴۲۲) اور عبد اللہ بن عروہ (صحیح مسلم: ۱۴۲۳) وغیرہ نے کی ہے۔

④ اس روایت کی بہت ساری سندیں ہیں، جو درجہ تو اتر تک پہنچتی ہیں، صرف ہشام پر اعتراض کیوں؟

تنبیہ:

ابن قطان فاسی رحمہ اللہ (م ۶۲۸ھ) نے ہشام کو ”مختلط“ کہا ہے

(بیان الوهم والإيهام : ۵۰۸/۴، ح : ۲۷۲۶)،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ نَرَ لَهُ فِي ذَلِكَ سَلَفًا .

”سلف میں ان کا ہمنوا نظر نہیں آتا۔“

(تہذیب التہذیب : ۵۱/۱۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهِشَامٌ، فَلَمْ يَخْتَلِطْ قَطُّ، هَذَا أَمْرٌ مَّقْطُوعٌ بِهِ .

”ہشام کبھی بھی مختلط نہیں ہوئے، یہ یقینی بات ہے۔“

(سیر أعلام النبلاء : ۲۶/۶)

نیز فرماتے ہیں:

فَقَوْلُ ابْنِ الْقَطَّانِ: إِنَّهُ مُخْتَلِطٌ ، قَوْلٌ مَرْدُودٌ وَمَرْدُودٌ .  
 ”ابن قطان کا انہیں مختلط قرار دینا مردود اور ناقابل التفات ہے۔“

(سیر أعلام النبلاء: ۳۶/۶)

مزید فرماتے ہیں:

وَلَا عِبْرَةَ .  
 ”اس کا کوئی اعتبار نہیں۔“

(میزان الاعتدال: ۳۰۱/۴)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن قطان فاسی رحمہ اللہ کی بات ناقابل التفات ہے۔

## نابالغ بچی کا نکاح

کم سن بچی، جو عمر بلوغ کو نہ پہنچی ہو، باپ اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث اور اجماع دلیل ہے۔

## قرآنی دلائل:

① فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّائِي يَئْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ  
 فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ  
 أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴)



”وہ طلاق یافتہ عورتیں جو ماہواری سے ناامید ہو چکی ہوں، شک کی صورت میں ان کی عدت تین ماہ ہے، جن کی ماہواری ابھی شروع ہی نہیں ہوئی، ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔“

آیت میں تین طرح کی عورتوں کا ذکر ہے۔

- ① عمر رسیدہ عورتیں، جو عمر یا س کو پہنچ چکی ہیں اور حیض آنا بند ہو گیا ہے۔
- ② نابالغ بچیاں، جنہیں حیض شروع نہیں ہوا۔
- ③ حاملہ خواتین۔

ان کی عدت تین مہینے ہے۔ البتہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

ثابت ہوا کہ کم سن بچیوں کا نکاح جائز ہے، اسی لئے تو ان کی عدت بیان کی۔

سید الفقہا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت پر یہ باب قائم کیا ہے:

بَابُ إِنْكَاحِ الرَّجُلِ وَلَدَهُ الصَّغَارَ.

”چھوٹے بچوں اور بچیوں کے نکاح کا بیان۔“

(صحیح البخاری، قبل الحدیث: ۵۱۳۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وَلَدَهُ... أَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ وَهُوَ أَعَمُّ مِنَ الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ قَوْلُهُ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ فَجَعَلَ عِدَّتَهَا ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ قَبْلَ الْبُلُوغِ أَيْ فَدَلَ عَلَى أَنَّ نِكَاحَهَا قَبْلَ الْبُلُوغِ جَائِزٌ وَهُوَ اسْتِنْبَاطٌ حَسَنٌ لَكِنْ لَيْسَ فِي الْآيَةِ تَخْصِصٌ ذَالِكَ بِالْوَالِدِ وَلَا بِالْبِكْرِ وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ الْأَصْلُ فِي

الْأَبْضَاعِ التَّحْرِيمِ إِلَّا مَا دَلَّ عَلَيْهِ الدَّلِيلُ وَقَدْ وَرَدَ حَدِيثُ عَائِشَةَ فِي تَزْوِيجِ أَبِي بَكْرٍ لَهَا وَهِيَ دُونَ الْبُلُوغِ فَبَقِيَ مَا عَدَاهُ عَلَى الْأَصْلِ وَلِهَذَا السِّرُّ أُوْرَدَ حَدِيثَ عَائِشَةَ .

”ترجمۃ الباب میں لفظ ولد جنس ہے، مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ کہنا: ﴿وَاللَّائِي لَمْ يَحْضَنْ﴾ میں اللہ نے نابالغ کی عدت تین ماہ بتائی ہے۔ امام رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نابالغ کا نکاح جائز ہے۔ یہ عمدہ استنباط ہے، لیکن آیت میں تخصیص نہیں، یہ ضروری نہیں کہ نکاح والد ہی کرے یا جس کا نکاح کیا جا رہا ہے وہ باکرہ ہی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ کہہ دیا جائے نکاح میں اصل حرمت ہے، الا کہ جس کی دلیل آجائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا جب آپ رضی اللہ عنہا نابالغ تھیں، لہذا نابالغ کے علاوہ باقی اپنی اصل پر رہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کرنے میں یہی راز ہے۔“

(فتح الباری: ۱۹۰/۹)

علامہ ابن ہمام (۷۹۰-۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿وَاللَّائِي لَمْ يَحْضَنْ﴾ (الطلاق : ۴) فَأَثْبَتَ الْعِدَّةَ لِلصَّغِيرَةِ وَهُوَ فَرْعُ تَصَوُّرِ نِكَاحِهَا شَرْعًا ... وَتَزْوِيجُ أَبِي بَكْرٍ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَهِيَ بِنْتُ سِتٍّ نَصَّ قَرِيبٌ

مِّنَ الْمُتَوَاتِرِ .

”نابالغ بچے اور بچی کا نکاح کرنا ولی کے لئے جائز ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان (الطلاق: ۴) نے نابالغ بچی کی عدت، جو نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے، بیان کر دی ہے۔.... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں نکاح، نابالغ بچی کے نکاح کا جواز بیان کرتا ہے، یہ تواتر حدیث ہے۔

(فتح القدیر: ۲۷۴/۳)

② فرمان الہی ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَلْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَلْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ (النساء: ۱۲۷).

”لوگ آپ سے عورتوں کی بارے میں فتویٰ مانگتے ہیں۔ فرمائیے کہ اللہ تمہیں ان عورتوں کے بارے میں بھی نصیحت کر رہا ہے اور ان یتیم بچیوں کے بارے میں بھی، جن کے احکام پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں، تم ان سے نکاح میں تو رغبت رکھتے ہو، لیکن حق مہر پورا نہیں دیتے، نیز کمزور اور نادار بچے بچیوں کے بارے میں نصیحت کر رہا ہے۔ یتیموں کے حقوق میں انصاف کا دامن مت چھوڑو۔ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے نیک اعمال سے بخوبی واقف ہے۔“

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا﴾ (النساء : ٣) إِلَى ﴿وَرُبَاعَ﴾ (النساء : ٣) ، فَقَالَتْ : يَا ابْنَ أَخْتِي هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجَرٍ وَلِيَّهَا تُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ ، فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا ، فَيُرِيدُ وَلِيَّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا ، بَغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا ، فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ ، فَهُمْ أَوْ يُنْكِحُوهُمْ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ ، وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ ، وَأَمْرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ : قَالَتْ عَائِشَةُ : ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ : ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ (النساء : ١٢٧) إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (النساء : ١٢٧) ، وَالَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ أَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الْآيَةُ الْأُولَى الَّتِي قَالَ فِيهَا : ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى ، فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء : ٣) ، قَالَتْ عَائِشَةُ : وَقَوْلُ اللَّهِ فِي الْآيَةِ الْآخَرَى : ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (النساء : ١٢٧) يَعْنِي هِيَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ لِيَتِيمَتِهِ الَّتِي تَكُونُ فِي حَجَرِهِ ، حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ ، فَهُمْ أَوْ يَنْكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي

مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ، مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ .

”میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے (سورة النساء: ۳) کے متعلق پوچھا، فرمانے لگی: بھانجے! اس سے وہ یتیم بچی مراد ہے، جو اپنے ولی کی زیر سرپرستی ہو اور مال بھی اکٹھا ہو۔ ولی کو یتیم بچی کے مال و جمال میں رغبت ہونے لگے اور پورا مہر دیے بغیر اس سے نکاح کرنا چاہے۔ ایسے لوگوں کو روک دیا گیا کہ نکاح کرنا ہے تو حق مہر معاشرے کے مطابق جتنا بنتا ہے، پورا دیں۔ یا پھر ان کے علاوہ اپنی پسند سے کسی اور سے شادی کر لیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس آیت کے بعد کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ مانگا، تو (سورة النساء: ۱۲) نازل ہو گئی۔ اس آیت میں ’ماتنی‘ سے مراد پہلے والی (النساء: ۳) آیت مراد ہے۔ دوسری (النساء: ۱۲) میں اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ کی تفسیر کچھ یوں ہے کہ یتیم بچی جب کم مال اور کم جمال والی ہوتی، تو اس سے نکاح کرنے میں بے رغبتی کرتے، لہذا حکم ہوا کہ جیسے تم مال و جمال کی کمی کی وجہ سے نکاح نہیں کرتے، ایسے ہی جن یتیم بچیوں کے مال و جمال میں تمہیں رغبت ہو، ان سے بھی نکاح نہ کرو، الا یہ کہ انصاف سے کام لو۔“

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى تَزْوِيجِ الْوَلِيِّ غَيْرِ الْأَبِ الَّتِي دُونَ الْبُلُوغِ بِكُرًا كَانَتْ أَوْ ثِيْبًا لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْيَتِيمَةِ مَنْ كَانَتْ دُونَ الْبُلُوغِ

وَلَا أَبَ لَهَا وَقَدْ أُذِنَ فِي تَزْوِيجِهَا بِشَرَطِ أَنْ لَا يُبْخَسَ مِنْ صَدَاقِهَا فَيَحْتَاجُ مَنْ مَنَعَ ذَلِكَ إِلَى دَلِيلٍ قَوِيٍّ .  
 ”یہ حدیث دلیل ہے کہ باپ کے علاوہ سرپرست نابالغ کنواری یا شوہر دیدہ بچی کا نکاح کر سکتا ہے، کیوں کہ حقیقی یتیم وہ ہوتی ہے، جو نابالغ ہو اور باپ فوت ہو گیا ہو۔ یتیم بچی کی شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، عدم جواز کا دعویٰ محتاج دلیل ہے۔“

(فتح الباری: ۱۹۷/۹)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْيَتِيمَةَ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، وَلَا يُتِمَّ بَعْدَ احْتِلَامٍ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى جَوَازِ نِكَاحِ الْيَتِيمَةِ قَبْلَ الْبُلُوغِ، وَهَذَا مَذْهَبُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَعَلَيْهِ يَدُلُّ الْقُرْآنُ وَالسُّنَّةُ .

”نبوی فیصلہ ہے کہ نابالغ یتیم بچی سے اس کے رشتے کے معاملے میں مشورہ لیا جائے گا۔ بلوغت کے بعد تو یتیمی رہتی ہی نہیں، لہذا واضح ہے کہ یتیم بچی کا نکاح بلوغت سے پہلے جائز ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے۔ قرآن و سنت بھی اسی پر دلالت کناں ہیں۔“

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۹۱/۵)

تنبیہات:

① یتیمہ کی جمع یتامی ہے، اس کا لغوی و حقیقی معنی یہ ہے کہ ایسی بچی جو عمر بلوغ کو نہ پہنچی ہو اور اس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

سیدنا خظلہ بن حدیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا يَتِمُّ بَعْدَ احْتِلَامٍ، وَلَا يَتِمُّ عَلَى جَارِيَةٍ إِذَا هِيَ حَاضَتْ.  
 ”بچہ احتلام اور بچی حیض کے بعد یتیم نہیں رہتے۔“

(المعجم الكبير للطبراني : ١٤/٤، ح : ٣٥٠٢، النفقة على العيال لابن أبي الدنيا :

٦٣٤، سندہ حسن)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (التلخیص الحمیر: ١١٠/٣) نے سند کو ”لاباس بہ“ کہا ہے۔

البتہ بلوغت کے بعد بھی مجازاً یتیمہ کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ (سورۃ النساء: ٢)

میں کہا گیا ہے۔

اس آیت میں یتیمہ سے مراد نابالغ بچی ہے، جس کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ نہ کہ بالغ عورت۔ یتیمہ سے مراد بالغ عورت لینا بلا دلیل ہے، حقیقت کو مجاز پر محمول کرنے کے لئے دلیل چاہئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں، بلکہ سبب نزول بیان کر رہی ہیں اور سبب نزول کسی بھی آیت کے فہم کے لیے ممد اور معاون ثابت ہوتا ہے، لہذا ترجیح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ہے۔

② اگر کوئی یہ کہے کہ آیت میں دو بار ”نساء“ کا لفظ آیا ہے اور ”نساء“ بالغ

عورت کو کہتے ہیں، جیسا کہ ”رجال“ کا لفظ بالغ مردوں کے لیے ہوتا ہے، لہذا یہاں بالغ

عورتیں ہی مراد ہیں۔

ہم عرض کریں گے کہ بلاشبہ ”نساء“ کا لفظ بالغات کے لیے ہوتا ہے، لیکن نابالغ بچیوں پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ﴾ (البقرة: ۴۹)

”آل فرعون تمہارے بچوں کو ذبح کر دیتے تھے اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔“

لامحاملہ یہاں ”نساء“ سے مراد دودھ پینے والی بچیاں ہیں، نہ کہ بالغ عورتیں، لہذا نابالغ بچیوں پر ”نساء“ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔

③ جنس نساء میں بچیاں بھی داخل ہوتی ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۲۲)

”جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے، ان سے نکاح نہ کرو۔“  
نیز فرمان الہی ہے:

﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ (النساء: ۲۳)

”اپنی ساس سے نکاح نہ کرو۔“

دونوں آیات میں ”نساء“ کا لفظ نابالغ بچی کو بھی شامل ہے، کیوں کہ اگر کوئی شخص نابالغ بچی سے شادی کرتا ہے، تو بلا اختلاف بچی کی ماں اس کے لیے محرماتِ ابدیہ سے ہو گی۔

④ جو یتیم بچی بلوغت کے قریب ہو، اس سے بھی مشورہ لیا جائے گی۔ اس

کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا گیا، اگر وہ راضی ہو تو نکاح معتبر ورنہ نکاح ختم ہو جائے گا۔



وہ تمام احادیث، جن میں یتیم سے مشورہ لینے کا کہا گیا ہے، وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔  
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

تُوْفِّي عُثْمَانُ بْنُ مَطْعُونٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَتَرَكَ ابْنَةً لَهُ مِنْ  
خُوَيْلَةَ بِنْتِ حَكِيمِ بْنِ أُمَيَّةَ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ الْأَوْقَصِ قَالَ :  
وَأَوْصَى إِلَى أَخِيهِ قُدَامَةَ بْنِ مَطْعُونٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَهُمَا  
خَالَائِي قَالَ : خَطَبْتُ إِلَى قُدَامَةَ بْنِ مَطْعُونٍ ابْنَةَ عُثْمَانَ بْنِ  
مَطْعُونٍ، فَزَوَّجْنِيهَا، فَدَخَلَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ  
إِلَى أُمِّهَا، فَأَرْغَبَهَا فِي الْمَالِ فَحَطَّتْ إِلَيْهِ، وَحَطَّتِ الْجَارِيَةُ  
إِلَى هَوَى أُمِّهَا، فَأَبْتَا حَتَّى ارْتَفَعَ أَمْرُهُمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فَقَالَ قُدَامَةُ بْنُ مَطْعُونٍ : ابْنَةُ  
أَخِي أَوْصَى بِهَا إِلَيَّ، فَزَوَّجْتُهَا مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَلَمْ  
أَقْصِرْ بِهَا فِي الصَّلَاحِ، وَلَا فِي الْكِفَاءَةِ، وَلَكِنَّهَا امْرَأَةٌ،  
وَأَنَّهَا حَطَّتْ إِلَى هَوَى أُمِّهَا قَالَ : فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هِيَ يَتِيمَةٌ وَلَا تُنْكَحُ إِلَّا بِإِذْنِهَا، قَالَ : فَانْتَزَعَتْ  
وَاللَّهُ مِنِّي بَعْدَ مَا مَلَكَتُهَا، وَزَوَّجُوهَا الْمُغِيرَةَ بْنُ شُعْبَةَ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

”سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو اپنی یتیم بیٹی کا وصی اپنے بھائی  
قدامہ بن مظعون کو بنایا۔ یہ دونوں بھائی میرے (ابن عمر) ماموں ہیں۔ میں

نے اپنے ماموں قدمہ کو اس یتیم بچی کے رشتے کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس سے میرا نکاح کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بچی کی ماں کے پاس آئے اور مال کا لالچ دیا، ماں باتوں میں آگئی۔ لڑکی بھی ماں کی طرف مائل ہو گئی اور دونوں نے انکار کر دیا۔ معاملہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں آیا۔ قدمہ بن مظعون نے کہا: اللہ کے رسول! یہ لڑکی میری بھتیجی ہے، اس کے باپ نے مجھے اس کا ولی بنایا ہے اور میں اسے عبد اللہ بن عمر کے نکاح میں دیتا ہوں۔ میں نے اس کی پرورش میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، لیکن ہے تو یہ عورت، اپنی ماں کی باتوں میں آکر شادی سے انکار کر رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ یتیم بچی ہے، نکاح میں اسی کی مرضی چلے گی۔ واللہ! وہ نکاح کے بعد مجھ سے چھین لی گئی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دی گئی۔“

(مسند الإمام أحمد : ۱۳۰/۲، سنن الدار قطنی : ۲۳۰/۳، السنن الكبرى للبيهقي :

۱۲۰/۷، وسنده حسن)

امام حاکم رحمہ اللہ (۱۶۷/۲) نے اس حدیث کو ”امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ علامہ سندھی حنفی (۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

«وَالْيَتِيمَةُ» يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ نِكَاحِ الْيَتِيمَةِ بِالْإِسْتِئْذَانِ قَبْلَ الْبُلُوغِ .

”لفظ یتیمہ دلالت کنناں ہے کہ نابالغ یتیم بچی کا نکاح کرنے سے پہلے اس کی اجازت لی جائے گی۔“

(حاشیۃ السندھی علی النسائی : ۸۴/۶)

۴) بلوغ سے پہلے نکاح کے عدم جواز پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا

ہے:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ  
رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء: ۶)

”یتیموں کی جانچ کرو تا آن کہ وہ بالغ ہو جائیں، اگر ان میں معاملہ شناسی  
محسوس ہو، تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔“

کہتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا لفظ شادی کے معنی میں ہے، یعنی اس وقت  
تک مال نہیں دینا جب تک وہ شادی کی عمر کو نہ پہنچ جائیں اور مال بلوغت کے بعد دیا جاتا  
ہے، لہذا شادی بھی بلوغت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ قرآن میں لفظ نکاح کئی معانی کے لئے آیا ہے، لیکن یہاں شادی  
کے لیے نہیں، بلکہ بلوغت کے معنی میں ہے۔ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۴: ۷) اور حافظ  
سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۱۱: ۷) لکھتے ہیں:

وَكُلُّ نِكَاحٍ فِيهِ تَزْوُجٌ إِلَّا ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ فَهُوَ  
الْحُلْمُ.

”لفظ نکاح سے ہمیشہ نکاح مراد ہوتا ہے، سوائے اس آیت کے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾، یہاں بلوغت کے معنی میں ہے۔“

(البرهان في علوم القرآن: ۱۰۹/۱، الإتيان في علوم القرآن: ۱۵۹/۲)

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث اور اجماع امت میں نکاح کے لیے بلوغت شرط  
نہیں۔ نیز یہ آیت مجمل ہے، اس کی مراد دوسری آیات قرآنیہ اور احادیث سے واضح ہوگی۔

③ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (النساء: ۳)

”اگر اندیشہ ہو کہ آپ یتیم اور نابالغ بچیوں میں عدل نہیں کر پاؤ گے، تو کہیں اور پسند کی شادی کرلو۔ دودو، تین تین، چار چار، ایک سے زائد بیویوں میں عدل نہ کر سکو، تو ایک شادی کر لویا لو نڈی رکھ لو۔ بے اعتدالی سے بچنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔“

علامہ ابن ہمام (م: ۸۶۱ھ) کہتے ہیں:

مَنْعَ مَنْ نِكَاحِهِنَّ عِنْدَ خَوْفِ عَدَمِ الْعَدْلِ فِيهِنَّ، وَهَذَا فَرْعُ جَوَازِ نِكَاحِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْخَوْفِ، وَلَا يُقَالُ ذَٰلِكَ بِمَفْهُومِ الشَّرْطِ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ جَوَازُ نِكَاحٍ غَيْرِ الْمُحَرَّمَاتِ مُطْلَقًا، فَمَنْعَ مَنْ هَذِهِ عِنْدَ خَوْفِ عَدَمِ الْعَدْلِ فِيهِنَّ، فَعِنْدَ عَدَمِهِ يَثْبُتُ الْجَوَازُ بِالْأَصْلِ الْمُمَهَّدِ لَا مُضَافًا إِلَى الشَّرْطِ، وَيُصَرِّحُ بِجَوَازِ نِكَاحِهَا قَوْلُ عَائِشَةَ: إِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَتِيمَةٍ تَكُونُ فِي حَجَرٍ وَلَيْيَهَا.

”یتیم بچی سے نکاح اس صورت میں ممنوع ہے، جب آپ عدل نہ کر سکتے

ہوں، نا انصافی کا خدشہ نہ ہو، تو جائز ہے۔ یہ بات مفہوم مخالفت کی بنا پر نہیں کہی گئی، کیوں کہ غیر محرم سے مطلقاً نکاح جائز ہے۔ جب نا انصافی کا اندیشہ ہوا، تو نکاح سے منع کر دیا، ورنہ بغیر کسی شرط کے نکاح جائز ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول صراحت کر رہا ہے کہ یہ آیت اس یتیم بچی کی بارے میں نازل ہوئی، جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہے۔“

(فتح القدیر: ۲۷۵/۳)

## حدیثی دلائل:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، وَأَدْخَلَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ، وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا. ”نبی کریم ﷺ سے میرا نکاح ہوا، تو میں چھ سال کی بچی تھی، رخصتی ہوئی، تو نو سال کی تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ میں نے نو سال گزارے۔“

(صحیح البخاری: ۵۱۳۳)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعٍ سِنِينَ، وَزَفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ سِنِينَ، وَلُعِبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ.

”نبی کریم ﷺ نے مجھ نکاح کیا، تو میری عمر سات برس تھی، رخصتی کے وقت عمر نو سال تھی، میں کھلونے بھی ساتھ ہی لے آئی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت میری عمر اٹھارہ برس تھی۔“

(صحیح مسلم: ۷۱/۱۴۲۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

تَزَوَّجَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ بِنْتُ سِتٍّ،  
وَبْنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ  
عَشْرَةَ.

”رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے وقت میری عمر چھ سال تھی، رخصتی کے وقت نو سال اور آپ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔“

(صحیح مسلم: ۷۲/۱۴۲۲)

علامہ عینی حنفی (م: ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وَحَدِيثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا مَشْهُورٌ وَقَرِيبٌ إِلَى  
التَّوَاتُرِ.

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث متواتر کی حد تک مشہور ہے۔“

(البنایة فی شرح الہدایة: ۹۰/۵)

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُهَا فِي رِوَايَةِ تَزَوَّجَنِي وَأَنَا بِنْتُ سَبْعٍ وَفِي أَكْثَرِ

الرَّوَايَاتِ بِنْتُ سِتٍّ فَالْجَمْعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ كَانَ لَهَا سِتٌّ وَكَسْرُ  
فَفِي رِوَايَةٍ اقْتَصَرَتْ عَلَى السِّنِينَ وَفِي رِوَايَةٍ عَدَّتِ السَّنَةَ  
الَّتِي دَخَلَتْ فِيهَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

”ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر  
سات سال تھی، جب کہ دوسری میں چھ کا ذکر ہے۔ تطبیق یوں ہوگی کہ نکاح کے  
وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال مکمل اور کچھ ماہ تھی۔ ایک روایت میں صرف  
سالوں کے ذکر پر اکتفا کیا اور دوسری میں اسے بھی علیحدہ سال تصور کر لیا، جس  
میں داخل ہو چکی تھیں۔ واللہ اعلم!“

(شرح النووي: ۲۰۷/۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

الصَّحِيحُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ  
بِنْتُ سِتٍّ، وَقِيلَ : سَبْعٌ، وَيُجْمَعُ بِأَنَّهَا كَانَتْ أَكْمَلَتِ  
السَّادِسَةَ وَدَخَلَتْ فِي السَّابِعَةِ، وَدَخَلَ بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ .

”درست یہی ہے نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، تو سیدہ کی عمر چھ  
برس تھی، دوسری روایت کے مطابق سات برس تھی۔ تطبیق یہ ہے کہ نکاح کے  
وقت آپ عمر کا چھٹا سال گزار کر ساتویں میں داخل ہو چکی تھیں اور رخصتی کے  
وقت عمر کی نو بہاریں دیکھ چکی تھیں۔“

(الإصابة في تمييز الصحابة : ٢٨٢/٨)

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

﴿لَمَّا تُوِفِّيَتْ حَدِيْجَةُ قَالَتْ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيْمٍ بِنْتُ أُمَيَّةَ بِنِ  
الْأَوْقَصِ امْرَأَةً عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ وَذَلِكَ بِمَكَّةَ : يَا رَسُولَ  
اللَّهِ أَلَا تَزَوِّجُ؟ قَالَ : مَنْ ؟ ، قَالَتْ : إِنْ شِئْتَ بِكَرًّا، وَإِنْ  
شِئْتَ ثَيِّبًا، قَالَ : فَمَنِ الْبِكْرُ؟ قَالَتْ : ابْنَةُ أَحَبِّ خَلْقِ اللَّهِ  
إِلَيْكَ عَائِشَةُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ : وَمَنِ الثَّيِّبُ؟ قَالَتْ : سَوْدَةُ  
بِنْتُ زَمْعَةَ آمَنَتْ بِكَ وَاتَّبَعَتْكَ عَلَى مَا أَنْتَ عَلَيْهِ، قَالَ :  
فَاذْهَبِي فَاذْكُرِيهِمَا عَلَيَّ فَجَاءَتْ فَدَخَلَتْ بَيْتَ أَبِي بَكْرٍ  
فَوَجَدَتْ أُمَّ رُومَانَ أُمَّ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ : يَا أُمَّ رُومَانَ مَاذَا أَدْخَلَ  
اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَاتِ؟ أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْطُبُ عَلَيْهِ عَائِشَةَ، قَالَتْ : وَدِدْتُ أَنْتَظِرِي  
أَبَا بَكْرٍ، فَإِنَّهُ آتٍ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَتْ : يَا أَبَا بَكْرٍ مَاذَا  
أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَاتِ؟ أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْطُبُ عَلَيْهِ عَائِشَةَ، قَالَ : هَلْ تَصْلُحُ  
لَهُ وَإِنَّمَا هِيَ بِنْتُ أَخِيهِ، فَرَجَّعَنِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ : ارْجِعِي إِلَيْهِ فَقُولِي لَهُ



: اَنْتَ اَحْيٰى فِى الْاِسْلَامِ، وَاَنَا اَخُوْكَ وَابْتَنَتْكَ تَصْلُحْ لِيْ،  
فَاَتَتْ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ لِحَوْلَةٍ : اَدْعِيْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ فَاَنْكَحَهُ، وَاَنَا يَوْمَئِذٍ ابْنَةُ سِتِّ سِنِيْنَ .

”سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کئی دور کی بات ہے، عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! شادی کرنا چاہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کس سے؟ کہنی لگی: کنواری سے کرنی ہے، تب آپ کی مرضی، شوہر دیدہ سے کرنی ہے، تب آپ کی مرضی۔ فرمایا: کنواری کون ہے؟ کہنی لگی: یہ اس کی بیٹی ہے، جس سے آپ کو سب سے زیادہ لگاؤ ہے۔ میری مراد: ابو بکر کی بیٹی عائشہ! فرمایا: اور شوہر دیدہ؟ کہا: سودہ بنت زمعہ، اچھی بھلی مومنہ اور باشرع خاتون ہے۔ فرمایا: جائیں، دونوں کو میرا ذکر کریں۔ خولہ گئی اور پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوئی۔ میری ماں ام رومان سے ملاقات کی اور کہا: آپ کی تو اللہ نے سن لی، رسول اللہ ﷺ نے مجھے عائشہ کے لیے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میری امی جان فرمانے لگی: میرا خیال ہے، آپ ذرا رکھیے، ابو بکر آتے ہی ہوں گے۔ اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ خولہ کہنی لگی: آپ پر تو اللہ کی رحمت ہو گئی ہے، اللہ کے رسول نے مجھے اپنے لیے عائشہ کا رشتہ لینے کے لیے بھیجا ہے۔ ابوجی فرمانے لگے: وہ تو نبی کریم ﷺ کی بھتیجی ہیں، نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ خولہ کہتی ہیں: یہ کہہ کر مجھے

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے واپس بھیج دیا۔ میں نے آپ ﷺ سے ساری بات من وعن کہہ دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں جا کر کہیے کہ ہم ایک دوسرے کے اسلامی بھائی ہیں، لہذا عائشہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔ خولہ نے ابو جی کو ساری بات بتا دی، تو ابو جی فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ کو کہیے کہ تشریف لے آئیں، آپ ﷺ آئے اور ابو جی نے میرے نکاح کر دیا۔ اس وقت میری عمر کوئی چھ برس تھی۔“

(المعجم الكبير للطبراني: ۲۳/۲۳، ح: ۵۷، مسند الإمام أحمد: ۶/۲۱۰، سندہ حسن)  
امام حاکم رحمہ اللہ (۳/۷۳) نے اسے ”امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح“ کہا ہے۔  
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۷/۲۲۵) نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، وَأَدْخَلَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ، وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا.  
”نبی کریم ﷺ نے ان سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، نو برس آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔“

(صحيح البخاري: ۵۱۳۳)

④ مسند ابی یعلیٰ: ۳۶۷، المعجم الكبير للطبراني: ۲۳/۲۳، وسندہ حسن

⑤ سنن النسائي: ۳۳۷۹، وسندہ حسن

⑥ اسنن الكبير للنسائي: ۵۳۴۵، وسندہ حسن

## اجماع امت:

حافظ ابن المنذر رحمہ اللہ (۲۴۲-۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ كُلُّ مَنْ نَحْفَظُ عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَنَّ نِكَاحَ الْآبِ  
ابْنَتِهِ الْبِكْرَ الصَّغِيرَةَ جَائِزٌ.

”تمام معتبر اہل علم کا اجماع ہے کہ باپ اپنی نابالغ بچی کا نکاح کر سکتا ہے۔“

(المغنی لابن قدامة المقدسی: ۳۷۹/۷)

شارح بخاری مہلب بن احمد بن ابوصفرہ اندلسی (م: ۴۳۵ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا أَنَّهُ يَجُوزُ لِلْآبِ تَزْوِيجُ ابْنَتِهِ الصَّغِيرَةِ الْبِكْرِ وَلَوْ  
كَانَتْ لَا يُوطَأُ مِثْلَهَا.

”علماء کا اجماع ہے کہ باپ کے لیے اپنی نابالغ بچی کا نکاح کرنا جائز ہے، گو وہ  
جماع کے قابل نہ ہو۔“

(فتح الباری لابن حجر: ۱۹۰/۹)

علامہ ابن بطل رحمہ اللہ (م: ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

يَجُوزُ تَزْوِيجُ الصَّغِيرَةِ بِالْكَبِيرِ إِجْمَاعًا وَلَوْ كَانَتْ فِي الْمَهْدِ  
لَكِنْ لَا يُمْكَنُ مِنْهَا حَتَّى تَصْلَحَ لِلْوَطْءِ.

”نابالغ بچی کا بالغ مرد سے نکاح بالا جماع جائز ہے، گو وہ ابھی پنگھوڑے میں  
ہی ہو، لیکن خلوت اس وقت اختیار کرے گا، جب جماع کے قابل ہو جائے۔“

(فتح الباری لابن حجر: ۱۲۴/۹)

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى جَوَازِ تَزْوِيجِهِ ابْنَتَهُ الْبِكْرَ الصَّغِيرَةَ  
لِهَذَا الْحَدِيثِ .

”اس حدیث کی رو سے مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نابالغ بچی کی شادی کرنا جائز  
ہے۔“ (شرح النووي: ۲۰۶/۹)

اجماع امت کے خلاف کوئی دلیل مسموع نہیں ہوتی، اہل حق کا اجماع و اتفاق حق  
ہے۔ حق، حق کا معارض و مخالف نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ نکاح کا مقصود طبعی طور پر یہ ہے کہ بیوی سے شہوت پوری کی  
جائے اور اولاد پیدا کی جائے۔ نابالغ بچی کے ساتھ نکاح میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، تو  
نکاح کا کیا فائدہ؟

ہم کہتے ہیں نابالغ بچی سے نکاح کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، ایک وقت کے  
بعد اس نکاح کے طبعی فوائد حاصل ہو جائیں گے، ضروری نہیں کہ نکاح کے فوائد اسی وقت  
حاصل ہوں، بہر صورت نکاح کا رِخیر ہے۔

عقل و نقل اس کی تائید کرتی ہے کہ مجامعت اس وقت کی جائے گی، جب وہ اس کی  
اہل ہو جائے۔ شریعت نے تو قبل از بلوغ نکاح کا جواز فراہم کیا ہے، لیکن بعض لوگ قبل از  
بلوغ تو کجا، بعد از بلوغ بھی نکاح سے روکتے ہیں اور طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے  
ہیں، جن کی عقل و نقل سے تائید نہیں ہوتی، بلکہ یہ شریعت سازی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی جلدی شادی کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ  
برآں ہوں، تاخیر سے شادی کرنا کئی پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے اور انسانی صحت کے لیے  
انتہائی ناموزوں بھی ہے۔

## اوقاتِ نماز

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۱۰۳)

”یقیناً نماز مومنوں کے لئے وقت مقررہ پر فرض ہے۔“

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ

قَانِتِينَ﴾ (البقرة: ۲۳۸)

”نماز عصر اور دوسری تمام نمازوں کی محافظت و مواظبت کریں اور اللہ کے

حضور مطیع و فرمان بردار بن کر کھڑے ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لَعَلَّكُمْ سَتَذَرُكُونَ أَقْوَامًا يُصَلُّونَ الصَّلَاةَ لَغَيْرٍ وَقَتِهَا فَإِنْ

أَدْرَكْتُمُوهُمْ فَصَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ لِلْوَقْتِ الَّذِي تَعْرِفُونَ ثُمَّ

صَلُّوا مَعَهُمْ وَاجْعَلُوهَا سُبْحَةً .

”آپ کا ایسے لوگوں سے پالا پڑ سکتا ہے، جو اصل وقت سے ہٹ کر نماز ادا

کریں گے، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اصل وقت پر گھر میں نماز پڑھ لینا، پھر نفل

کی نیت سے ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳۷۹/۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۵۵، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۳۳۱) اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۶۴۰) نے

”صحیح“ کہا ہے۔

سیدنا ابو ذر غفاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمْرَاءٌ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ  
وَقْتِهَا؟ أَوْ يُمَيِّتُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا؟ قَالَ : قُلْتُ : فَمَا  
تَأْمُرُنِي؟ قَالَ : صَلِّ الصَّلَاةَ لَوَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكَتَهَا مَعَهُمْ،  
فَصَلِّ، فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ.

”اس وقت آپ کا طرز عمل کیا ہوگا، جب امرائیں تاخیر سے ادا کریں گے؟  
عرض کیا آپ ہی راہنمائی فرمادیں! فرمایا: نماز اپنے وقت پر ادا کر لیجئے، بعد  
میں ان کے ساتھ بھی ادا کر لینا، وہ آپ کے لئے نفل ہو جائے گی۔“

(صحیح مسلم: ۶۴۸)

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

مَعْنَى يُمَيِّتُونَ الصَّلَاةَ، يُؤَخِّرُونَهَا؛ فَيَجْعَلُونَهَا كَالْمَيِّتِ  
الَّذِي خَرَجَتْ رُوحُهُ، وَالْمُرَادُ بِتَأْخِيرِهَا عَنْ وَقْتِهَا، أَيُّ عَنْ  
وَقْتِهَا الْمُخْتَارَ لَا عَنْ جَمِيعِ وَقْتِهَا، فَإِنَّ الْمَنْقُولَ عَنِ الْأُمْرَاءِ  
الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْمُتَأَخِّرِينَ إِنَّمَا هُوَ تَأْخِيرُهَا عَنْ وَقْتِهَا

الْمُخْتَارِ .

”نماز کو مردہ کرنے سے مراد نماز کی تاخیر ہے، یعنی وہ نماز کو بے روح کر دیں گے، تاخیر وقت کا مطلب مختار وقت سے موخر کرنا ہے نہ کہ نماز کا کل وقت ضائع کر کے پڑھنا، کیوں کہ ہر دور کے حکمران نماز کو مختار وقت سے لیٹ کرتے آئے ہیں، ایسا نہیں تھا کہ کل وقت کو ضائع کر کے پڑھتے ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَيَلِي أُمُورَكُمْ بَعْدِي رَجَالٌ يُطْفِئُونَ السُّنَّةَ، وَيَعْمَلُونَ بِالْبِدْعَةِ، وَيُؤْخِرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَدْرَكْتَهُمْ، كَيْفَ أَفْعَلُ؟ قَالَ : تَسْأَلُنِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ كَيْفَ تَفْعَلُ؟ لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ .

”میرے بعد جلد ہی امور حکومت ان لوگوں کے ہتھ چڑھ جائیں گے، جو سنتوں کو مٹائیں گے اور بدعات زیر عمل لائیں گے، نماز تاخیر سے ادا کریں گے، عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر میرا ان سے واسطہ پڑ جائے، میرا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ فرمایا: ام عبد کی اولاد! مجھ سے پوچھتے ہو! آپ بتلائیں کہ خود کیا کرو گے؟ یاد رکھیو! اللہ کے نافرمان کی اطاعت نہیں ہے۔“

(مسند الإمام أحمد وزوائد: ۱/۴۰۳۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۵، وسندہ حسن)

اس مرفوع صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کر کے پڑھنے والا اللہ کا نافرمان ہے، تو نافرمانوں کی اقتدا میں نماز لیٹ نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ہر وقت ادا کرنی چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّهُ سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مِيقَاتِهَا، وَيَخْنُقُونَهَا إِلَى شَرْقِ الْمَوْتَى، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ قَدْ فَعَلُوا ذَلِكَ، فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِمِيقَاتِهَا، وَاجْعَلُوا صَلَاتَكُمْ مَعَهُمْ سُبْحَةً.

”عنقریب آپ پر ایسے امرا مسلط ہو جائیں گے، جو نماز کو وقت سے لیٹ کر کے ادا کریں گے، حتیٰ کہ غروب آفتاب تک نماز کو مؤخر کریں گے، جب انہیں ایسا کرتے دیکھیں، تو اپنے وقت پر نماز ادا کر لینا اور ان کے ساتھ پڑھی گئی نماز کو نفل بنا لینا۔“

(صحیح مسلم: ۵۳۴)

شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ ابْتُلِيَ زَمَنًا هَذَا مِنْ بَيْنِ الْأَزْمِنَةِ وَدِيَارِنَا هَذِهِ مِنْ بَيْنِ دِيَارِ الْأَرْضِ بِقَوْمٍ جَهَلُوا الشَّرْعَ وَشَارَكُوا فِي بَعْضِ فُرُوعِ الْفِقْهِ فَوَسَّعُوا دَائِرَةَ الْأَوْقَاتِ وَسَوَّغُوا لِلْعَامَّةِ أَنْ يُصَلُّوا فِي غَيْرِ أَوْقَاتِ الصَّلَاةِ فَظَنُّوا أَنَّ فِعْلَ الصَّلَاةِ فِي غَيْرِ أَوْقَاتِهَا شُعْبَةٌ مِّنْ شُعْبِ التَّشْيِيعِ وَخَصْلَةٌ مِّنْ خِصَالِ الْمَحَبَّةِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ فَصَلُّوا وَأَضَلُّوا وَأَهْلُ الْبَيْتِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ بُرَاءً مِّنْ هَذِهِ الْمَقَالَةِ مَصُونُونَ عَنِ الْقَوْلِ بِشَيْءٍ مِّنْهَا وَلَقَدْ صَارَتْ



الْجَمَاعَاتُ الْآنَ تُقَامُ فِي جَوَامِعِ صَنْعَاءَ لِلْعَصْرِ بَعْدَ الْفَرَاحِ  
مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَلِلْعِشَاءِ فِي وَقْتِ الْمَغْرِبِ وَصَارَ غَالِبُ  
الْعَوَامِّ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ إِلَّا عِنْدَ اصْفِرَارِ الشَّمْسِ فَيَا  
لِلَّهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ مِنْ هَذِهِ الْفَوَاقِرِ فِي الدِّينِ .

”دیگر زمانوں کی نسبت ہمارے زمانے میں اور دیگر علاقوں کی نسبت ہمارے علاقے میں ایک ایسی جماعت نمودار ہوئی ہے، جو شریعت سے بہری ہے اور فقہی فروعات میں گھس کر نمازوں کے دائرہ اوقات کو وسیع کر رہی ہے، انہوں نے عوام کو اجازت دے رکھی ہے کہ آپ نمازوں کے اوقات کے علاوہ کسی وقت میں نماز ادا کر لیں۔ ان کا خیال ہے کہ اصل تشیع اسی میں ہے اور اہل بیت سے محبت کی نمایاں نشانی ہے۔ یہ لوگ خود تو گمراہ ہیں ہی، دوسروں کے لیے بھی گمراہی کا سامان بنے ہوئے ہیں۔ اہل بیت عظام عَلَيْهِمُ السَّلَام ان سب اقوال سے قطعاً بری ہیں۔ اب تو شہر صنعاء کی مساجد میں عصر کی جماعتیں نماز ظہر کے فوراً بعد اور عشا کی نماز مغرب کے فوراً بعد کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ اکثر لوگ تو ظہر و عصر سورج زرد ہونے کے بعد ہی ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی دینی آزمائش و مصائب سے حفظ و امان میں رکھے۔“

(السیل الجرار المتدفق علی حدائق الأزهار: ۱۸۵/۱)

## ظہر کا وقت

امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

① امام ابن منذر رحمہ اللہ (م: ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ وَقْتَ الظُّهْرِ، زَوَالُ الشَّمْسِ .

”اجماع ہے کہ ظہر کا وقت سورج کے زوال سے شروع ہو جاتا ہے۔“

(الإجماع: ۳۶)

نیز دیکھیں: (الأوسط لابن المنذر: ۲/۳۲۶، ۳۵۵، الإستذکار لابن عبد البر

: ۳۸/۱، التمهيد لابن عبد البر: ۷۱/۸، المبسوط للسرخسي: ۱/۱۴۲، عارضة

الأحوزي لابن العربي: ۱/۲۵۵، بدائع الصنائع للكاساني: ۱/۳۵۰، المجموع

للنووي: ۳/۲۴، فتح الباري لابن حجر: ۲/۲۱، وغيرهم)

② سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ .....

”سورج ڈھل جائے، تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۱۷۳/۶۱۲)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِالظُّهَائِرِ، فَسَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ .

”رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ہم نماز ظہر ادا کرتے، تو گرمی کی سوزش سے

بچنے کے لئے کپڑے پر سجدے کرتے تھے۔“

(صحیح البخاری: ۵۴۲، صحیح مسلم: ۶۲۰)

④ سیدنا جناب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَكُونَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي  
الرَّمَضَاءِ، فَلَمْ يُشْكِنَا.

”ہم نے رسول اللہ ﷺ سے گرمی میں نماز (ظہر) کی شکایت کی، تو  
آپ ﷺ نے ہماری شکایت قبول نہیں کی۔“

(صحیح مسلم: ۶۱۹)

⑤ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا:  
أَنْ صَلَّ الظُّهْرَ، إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ.  
”زوال کے وقت ظہر کی نماز ادا کریں۔“

(موطأ الإمام مالك: ۷/۱، وسنده صحيح)

⑥ میمون بن مہران رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:  
إِنَّ سُوَيْدَ بْنَ غَفْلَةَ، كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ،  
فَارْسَلَ إِلَيْهِ الْحَجَّاجُ: لَا تَسْبِقْنَا بِصَلَاتِنَا، فَقَالَ سُوَيْدٌ: قَدْ  
صَلَّيْتُهَا مَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ هَكَذَا، وَالْمَوْتُ أَقْرَبُ إِلَيَّ مِنْ  
أَنْ أَدْعَهَا.

”عظیم تابعی سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ زوال کے وقت ظہر ادا کیا کرتے تھے، حجّاج  
بن یوسف نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہم سے پہلے نماز نہ پڑھا  
کریں، اس پر سوید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما  
کے ساتھ ایسے ہی نماز ادا کی ہے، میں مرنا تو گوارا کر لوں گا، لیکن تاخیر  
برداشت نہیں۔“

(کتاب الصلاة لأبي نعيم الفضل بن دكين : ۳۴۴، مصنف ابن أبي شيبة : ۳۲۳/۱،

وسنده صحيح)

④ شہاب غزیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ظہر کے وقت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ نِصْفِ النَّهَارِ، وَكَانَ الظِّلُّ قَبَسَ الشِّرَاكِ، فَقَدْ قَامَتِ الظُّهْرُ.

”سورج نصف النہار سے ڈھل جائے اور سایہ ایک تسمہ کے برابر ہو جائے، تو ظہر کا وقت ہو جائے گا۔“

(مصنف ابن أبي شيبة : ۳۲۳/۱، وسنده صحيح)

### تنبیہ نمبر: ①

وہ احادیث جن میں نماز ظہر کو گرمی کی وجہ سے ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے، ان سے مراد بقدر حاجت اول وقت سے کچھ مؤخر کرنا ہے۔ ہمارے ہاں تو موسم سرما میں بھی ظہر کو مؤخر کیا جاتا ہے۔ یہ سراسر احادیث کی خلاف ورزی ہے۔

### تنبیہ نمبر: ②

صحیح بخاری (۴۹۱/۱، ج: ۳۴۹۵) میں ہے کہ یہودیوں نے آدھے دن تک ایک قیراط پر کام کیا اور نصرائیوں نے آدھے دن سے عصر تک ایک قیراط پر کام کیا اور مسلمانوں نے عصر سے شام تک دو قیراط پر کام کیا، تو یہود و نصاریٰ نے اس پر اعتراض کیا کہ ان کا وقت تھوڑا ہے اور اجرت زیادہ ہے۔۔۔

اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ظہر سے لے کر عصر تک کا وقت عصر سے شام تک کے وقت سے زیادہ ہے اور بس!

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ (۳۸۴-۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فَقَالَ الْمُحْتَجُّ بِهَذَيْنِ الْخَبَرَيْنِ: لَوْ كَانَ وَقْتُ الظُّهْرِ يَخْرُجُ  
بِالزِّيَادَةِ عَلَى ظِلِّ الْمِثْلِ، وَيَدْخُلُ حِينَئِذٍ وَقْتُ الْعَصْرِ، لَكَانَ  
مِقْدَارُ وَقْتِ الْعَصْرِ مِثْلَ مِقْدَارِ وَقْتِ الظُّهْرِ؛ وَهَذَا خِلَافُ مَا  
فِي ذَيْنِكَ الْخَبَرَيْنِ؟ قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ: وَهَذَا مِمَّا قُلْنَا مِنْ تِلْكَ  
الْعَوَائِدِ الْمَلْعُونَةِ، وَالْإِيهَامِ بِتَوْثِيهِ الْأَحَادِيثِ عَمَّا فِيهَا إِلَى  
مَا لَيْسَ فِيهَا، وَبَيَانُ ذَلِكَ، أَنَّهُ لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِّنْ هَذَيْنِ  
الْخَبَرَيْنِ، لَا بِدَلِيلٍ وَلَا بِنَصٍّ، أَنَّ وَقْتَ الْعَصْرِ أَوْسَعُ مِنْ  
وَقْتِ الظُّهْرِ، وَإِنَّمَا فِيهِ: أَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالُوا: نَحْنُ  
أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقْلُ أَجْرًا، فَمَنْ أَضَلُّ وَأَخْزَى فِي الْمَعَادِ مِمَّنْ  
جَعَلَ قَوْلَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى الَّذِي لَمْ يُصَدِّقْهُ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَيْضًا فَإِنَّهُ يُخَالِفُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةً يَرُدُّ بِهَا تَمْوِيهَا وَتَخْيِلًا نَصَّ  
قَوْلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِنَّ وَقْتَ الظُّهْرِ مَا دَامَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطَوْلِهِ  
مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ. فَكَيْفَ وَالَّذِي قَالَتِ الْيَهُودُ لَا يُخَالِفُ

مَا حَدَّثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَنَّهُمْ عَمِلُوا مِنْ  
 أَوَّلِ النَّهَارِ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ؛ وَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقْلُ  
 عَطَاءً؟ وَهَذَا صَحِيحٌ؛ لِأَنَّ الْوَقْتَ الَّذِي عَمِلُوهُ كُلُّهُمْ أَكْثَرُ  
 مِمَّا عَمِلْنَاهُ نَحْنُ؛ بَلِ الَّذِي عَمِلْتَ كُلُّ طَائِفَةٍ أَكْثَرُ مِنَ الَّذِي  
 عَمِلْنَاهُ نَحْنُ وَالَّذِي مِنْ أَوَّلِ الزَّوَالِ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ ظِلُّ كُلِّ  
 شَيْءٍ مِثْلَهُ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَمَكَانٍ أَكْثَرُ مِمَّا فِي حِينِ زِيَادَةِ  
 الظِّلِّ عَلَى الْمَثَلِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، وَالَّذِي أَخَذَ بِهِ كُلُّ  
 طَائِفَةٍ أَقْلُ مِمَّا أَخَذْنَا وَفِي الْحَدِيثِ الْآخِرِ إِنَّمَا بَقِيَ مِنَ  
 النَّهَارِ شَيْءٌ يَسِيرٌ؟ وَهَذَا حَقٌّ؛ لِأَنَّ مِنْ وَقْتِ الْعَصْرِ إِلَى  
 آخِرِ النَّهَارِ يَسِيرًا بِالإِضَافَةِ إِلَى مَا هُوَ أَكْثَرُ، مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ  
 إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، نَعَمْ وَبِالإِضَافَةِ أَيْضًا إِلَى وَقْتِ الظُّهْرِ  
 عَلَى قَوْلِنَا؛ لِأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ فَهُوَ بِلا شَكٍّ يَسِيرٌ إِذَا أُضِيفَ إِلَى  
 مَا هُوَ أَكْثَرُ مِنْهُ؛ فَبَطَلَ تَمْوِيهِهُمْ بِهِذَيْنِ الْخَبْرَيْنِ وَلِلَّهِ  
 الْحَمْدُ.

”ان دونوں احادیث کو دلیل بنا کر معترض کہتا ہے کہ اگر ایک مثل سے سایہ  
 بڑھ جانے سے ظہر کا وقت ختم ہو جاتا اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا، تو عصر کا  
 وقت بھی ظہر کے برابر ہوتا، جبکہ ان دونوں احادیث میں معاملہ برعکس ہے؟

ابو محمد ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، ملعون نتائج اور احادیث کو ان کے اصلی معنی سے دوسرے معنی میں منتقل کرنے کی سعی نامسعود ہے۔ وضاحت کرتا جاؤں کہ حدیث میں دلالت یا نص کے ساتھ کہیں بھی ثابت نہیں کہ عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کے وسیع ہوتا ہے، بلکہ اس میں فقط یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور ہمیں (مسلمانوں کی بہ نسبت) اجرت کم ملی ہے۔ روز آخرت بھلا ایسے شخص سے زیادہ گمراہ و بد بخت اور ذلیل کون ہو سکتا ہے، جو یہود و نصاریٰ کے قول، جس کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق بھی نہیں کی، کی آڑ میں قول رسول ﷺ کی مخالفت کر رہا ہے؟ اس حیلے بہانے کے وہم و تصور کو نبی کریم ﷺ کا صریح فرمان رد کر رہا ہے: ”ظہر کا وقت تب تک رہتا ہے، جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے اور جب تک عصر کا وقت حاضر نہ ہو۔“ ویسے بھی یہود و نصاریٰ کا قول نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے وقت کے مخالف نہیں ہے، کیوں کہ انہوں نے طلوع آفتاب سے عصر تک کام کیا اور کہا: ہم نے کام زیادہ کیا اور اجرت کم ملی ہے۔ یہ صحیح ہے، کیوں کہ جتنا وقت یہود و نصاریٰ نے کام کیا، وہ ہمارے کام کے وقت سے زیادہ ہے، بلکہ ہر گروہ نے جتنا وقت کام کیا ہے، وہ ہمارے کام سے زیادہ ہے، کیوں کہ ہر موسم اور ہر علاقہ میں آغاز زوال سے ایک مثل سایہ ہونے تک کا وقت بہ نسبت آغاز ایک مثل سے غروب آفتاب تک کے وقت سے زیادہ ہوتا ہے۔ جتنی اجرت ہر گروہ کو ملی ہے، وہ ہم سے کم تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ دن کا تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا؟ یہ بھی حق

ہے، کیوں کہ عصر سے مغرب تک کا وقت، طلوع آفتاب سے عصر تک کے وقت کی نسبت تھوڑا ہی تو ہے، بلکہ ظہر تک کے وقت کی نسبت بھی تھوڑا ہی ہے، کیوں کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اپنے سے زیادہ کی بہ نسبت ہر چیز تھوڑی ہی ہوتی ہے۔ یوں بدعتیوں کے اوہام جو ان احادیث کی آڑ میں پیدا کیے گئے تھے، باطل ٹھہرے۔ واللہ الحمد۔“

(المحلی بالآثار: ۲/۲۰۹-۲۱۰)

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ (۷۲۳-۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَجَبْنَا بِأَنَّ الْحَدِيثَ إِنَّمَا قَصَدَ بِهِ الْأَعْمَالُ لَا بَيَانَ  
الْأَوْقَاتِ .

”ہمارا جواب ہے کہ اس حدیث سے ہر امت کے اعمال مراد ہیں، اوقات نماز کا بیان مقصود نہیں۔“

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ۲۴/۱۰۴)

## ظہر کا آخری وقت:

نماز ظہر کا وقت ایک مثل سایہ پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

① سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى بِي  
الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدَرُ الشَّرَاكِ، وَصَلَّى بِي



الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِي يَغْنِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلِهِ، وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ فَاسْفَرَتْ ثُمَّ انْتَفَتَ إِلَى فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ، هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ .

”جبریل علیہ السلام نے مجھے بیت اللہ کے پاس دو دفعہ امامت کروائی، چنانچہ نمازِ ظہر پہلی دفعہ اس وقت پڑھائی، جب سورج ڈھل گیا اور سایہ ایک سمت کے برابر ہو گیا اور نمازِ عصر تب پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔ مغرب اس وقت پڑھائی، جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، عشاء اس وقت پڑھائی، جب شفق (سرخ) غائب ہو گئی اور فجر اس وقت پڑھائی، جب کھانا پینا روزہ دار پر حرام ہو جاتا ہے۔ (لیکن جب دوسرا دن ہوا تو) ظہر اس وقت پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، عصر مجھے اس وقت پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا۔ مغرب (دوسری بار بھی) اس وقت پڑھائی، جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، عشاء کی ایک تہائی گزرنے

کے بعد پڑھائی اور فجر تب پڑھائی، جب خوب روشنی ہوگئی۔ پھر جبریل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہو کر گویا ہوئے: محمد ﷺ! یہ آپ سے پہلے انبیا کا وقت ہے، (آپ اور آپ کی امت کے لیے) نمازوں کا وقت ان دونوں (اول و آخر) وقتوں کے درمیان ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : ۱/۲۳۳، ۳۵۴، مسند عبد بن حمید : ۷۰۳، سنن أبي داود : ۳۹۳، سنن الترمذي : ۱۴۹، سنن الدارقطني : ۱/۲۵۸، المستدرک على الصحيحين للحاكم : ۱/۱۹۳، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۱۴۹-۱۵۰)، امام ابن خزيمة رحمہ اللہ (۳۲۵) نے ”صحیح“، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ اور حافظ بغوی رحمہ اللہ (۳۴۸) نے ”حسن“ کہا ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

تَكَلَّمَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِسْنَادِ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ هَذَا بِكَلَامٍ لَا وَجْهَ لَهُ، وَهُوَ وَاللَّهِ كُلُّهُمْ مَعْرُوفُو النَّسَبِ، مَشْهُورُونَ بِالْعِلْمِ.

”حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند پر بعض الناس نے بغیر دلیل کے کلام کی ہے، اللہ کی قسم! اس کے سارے راوی معروف النسب اور مشہور بالعلم ہیں۔“

(التمهيد : ۲۶/۸)

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَرَوَاةُ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ هَذَا كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ مَّشَاهِيرُ لَا سِيَّمَا

وَأَصْلُ الْحَدِيثِ صَحِيحٌ فِي صَلَاةِ جَبْرِيلَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّمَا هَذِهِ الرِّوَايَةُ تَفْسِيرٌ مُجْمَلٌ وَإِيضًا مُشْكِلٌ.

”حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سبھی راوی مشہور ثقہ ہیں، خاص کر امامت جبریل علیہ السلام کے متعلق حدیث کی اصل صحیح ہے، یہ حدیث مجمل کی تفسیر اور مشکل کی وضاحت کرتی ہے۔“

(عارضۃ الأحوذی: ۱/۱۵۰-۵۱)

عبدالرحمن بن حارث کو امام ابن سعد، امام عجل اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”ثقہ“ کہا ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

”اس میں کوئی خرابی نہیں۔“

اس کے دوسری راوی حکیم بن حکیم کو امام عجل، امام ابن حبان اور ابن خلفون رحمہ اللہ نے ”ثقہ“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ”ثقہ“ قرار دیا ہے۔

(المغني في الصّعاء: ۱/۸۳)

نیز ”حسن الحدیث“ بھی کہا ہے۔

(الكاشف: ۱/۱۸۵)

امام ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح کئی وجہ سے مردود ہے، لہذا حکیم بن حکیم جمہور کے نزدیک ”حسن الحدیث“ ہیں۔

② سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ.

”ظہر کا آغاز سورج ڈھلنے سے ہو جاتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جب سایہ قد کے برابر جب ہو جائے، مطلب جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو۔“

(صحیح مسلم: ۱/۲۳، ح: ۶۱۲)

امام ابن منذر رحمہ اللہ (م: ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

وَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ صَحِيحٌ يَدُلُّ عَلَيْهِ الْأَخْبَارُ الثَّابِتَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَوْلُهُ: وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَحَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ: إِنَّمَا التَّقْرِيطُ عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ صَلَاةً حَتَّى يَدْخُلَ وَقْتُ الْأُخْرَى، وَفِي الْمَسْأَلَةِ قَوْلُ رَّابِعٍ، وَهُوَ: أَنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْعَصْرِ أَنْ يَصِيرَ الظِّلُّ قَامَتَيْنِ بَعْدَ الزَّوَالِ وَمَنْ صَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ تُجْزِهِ صَلَاتُهُ هَذَا قَوْلُ النُّعْمَانِ وَهُوَ قَوْلُ خَالَفِ صَاحِبِهِ الْأَخْبَارِ الثَّابِتَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّظَرُ غَيْرُ دَالٍّ عَلَيْهِ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا سَبَقَ قَائِلَ هَذَا الْقَوْلِ إِلَى مَقَالَتِهِ وَعَدَلَ أَصْحَابُهُ عَنِ الْقَوْلِ بِهِ فَبَقِيَ قَوْلُهُ مُنْفَرِدًا لَا مَعْنَى لَهُ.

”امام شافعی رحمہ اللہ کی بات درست ہے، اسی پر نبی کریم ﷺ کی بہت سی صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں، جس میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، جس کا مضمون کچھ یوں ہے: ظہر کا وقت عصر تک رہتا ہے۔ سیدنا ابوقادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: سست و کاہل وہ ہے، جو اگلی نماز کا وقت آنے تک نماز ادا نہ کر لے۔ اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے کہ عصر کا اول وقت اس سے ہوتا ہے، جب سایہ دو مثل ہو جائے اور اس سے پہلے نماز ادا کرنے والے کی نماز ادا نہیں ہوگی، یہ نعمان بن ثابت کا قول ہے، جو سراسر حدیث رسول ﷺ کے مخالف ہے۔ درحقیقت حدیث کا یہ معنی نہیں ہے۔ ہمارے مطابق تو ان سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی اور ان کے شاگردوں نے بھی اس بات کو تسلیم نہ کیا، لہذا ان کا قول میدانِ فقہ میں اکیلا ہی رہ گیا، بالکل بے معنی۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ۳۰/۲)

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”مثلیں پر ظہر کا وقت ہونے کے سلسلہ میں عموماً احناف کی طرف سے تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی حدیث بھی اوقات کی تحدید پر صریح نہیں ہے، اس کے برخلاف حدیث جبریل میں صراحۃً پہلے دن کو مثل اول پر پڑھنے کا ذکر موجود ہے، اس لیے یہ حدیثیں جبریل کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، اس لیے بعض حنفیہ نے مثل اول والی روایت کو لیا ہے، کما فی الدرر، اور بعض حنفیہ نے وقت مہمل کو ترجیح دی ہے۔“

(درس ترمذی: ۹۶/۱)

جناب محمد بن علی نموی کہتے ہیں:

”مجھے کوئی حدیث صریح، صحیح یا ضعیف نہیں ملی، جو اس پر دلالت کرے کہ ظہر کا وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے۔“

(آثار السنن، مترجم، ص: ۲۸، ح: ۱۹۹)

## الحاصل:

ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور ایک مثل سایہ پر ختم ہو جاتا ہے۔

## نماز عصر کا وقت:

نماز عصر کا مختار وقت ایک مثل سایہ سے شروع ہو جاتا ہے اور دو مثل سایہ پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں:

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّنِي جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ ..... ثُمَّ صَلَّى  
الْعَصْرَ حِينَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ .....

”جبریل علیہ السلام نے مجھے بیت اللہ کے قریب دو مرتبہ نماز پڑھائی..... پھر نماز عصر اس وقت پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا....“

(مسند الإمام أحمد : ۱/۳۳۳، ۳۵۴، مسند عبد بن حمید : ۷۰۳، سنن أبي داود :

۳۹۳، سنن الترمذی : ۱۴۹، سنن الدارقطني : ۱/۲۵۸، المستدرک علی الصحیحین

للحاكم : ۱/۱۹۳، وسنده حسن)

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ،  
وَالشَّمْسُ طَالِعَةً فِي حُجْرَتِي لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ .  
”نبی کریم ﷺ عصر ادا فرماتے، جب کہ دھوپ میرے گھر کے صحن میں پڑتی  
اور ابھی تک سایہ نظر نہیں آیا ہوتا تھا۔“

(صحیح البخاری: ۵۴۶، صحیح مسلم: ۶۱۱)

۳) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ  
وَالشَّمْسُ مُرْتَفَعَةً حَيَّةً، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي،  
فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفَعَةً .

”رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرماتے، سورج ابھی بلند اور روشن ہوتا، جانے  
والا مدینہ کے دور دراز علاقے میں جاتا، وہاں پہنچتا، تو سورج ابھی بھی بلند ہوتا  
تھا۔“

(صحیح البخاری: ۵۰، صحیح مسلم: ۶۲۱)

۴) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ  
تُنَحَّرُ الْجُزُورُ، فَتُقَسَّمُ عَشْرَ قِسْمٍ، ثُمَّ تُطْبَخُ، فَنَأْكُلُ لَحْمًا  
نَضِيجًا قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ .

”ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں نماز عصر ادا کرتے، پھر اونٹ ذبح کیے

جاتے۔ گوشت دس حصوں میں تقسیم ہوتا، پکایا جاتا اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے ہم وہ گوشت کھا لیتے تھے۔“

(صحیح البخاری: ۴۸۵، صحیح مسلم: ۶۲۵)

⑤ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفَعَةٌ.

”ہم عصر ادا کرتے، پھر جانے والا قبائستی جاتا، اس کے وہاں پہنچنے کے بعد بھی سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔“

(صحیح البخاری: ۵۱، صحیح مسلم: ۶۲۱)

⑥ نیز بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ بَيَضاءَ مُحَلَّقَةً.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے، سورج ابھی صاف چمکدار ہوتا تھا۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳/۳۱، ۱۶۹، ۱۸۴، ۲۳۲، وسندہ حسن)

فائدہ:

عبداللہ بن رافع مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اوقات نماز کے بارے میں پوچھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَنَا أُخْبِرُكَ، صَلَّى الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ



ظُلُّكَ مِثْلِكَ .

”میں آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھیں، جب سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھیں، جب سایہ دو مثل ہو جائے۔“

(مؤطاً للإمام مالک: ۸/۱، وسندہ صحیح)

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

فَكَأَنَّهُ قَالَ : الظُّهْرُ مِنَ الزَّوَالِ إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ، وَالْعَصْرُ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ .

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گویا کہنا چاہتے تھے کہ ظہر کا وقت زوال سے لے کر آپ کے سائے کے ایک مثل ہونے تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت سے لے کر آپ کے سائے کے دو مثل ہونے تک ہے۔“

(التعلیق الممجد: ۴۱/۱، حاشیہ: ۹)

ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال سے ایک مثل سایہ تک رہتا ہے، جب کہ عصر کا وقت ایک مثل سے دو مثل تک رہتا ہے، بعض لوگ سنت کی مخالفت میں عصر کا اول وقت بغیر کسی عذر کے ترک کر دیتے ہیں، حدیث میں ان کے بارے میں وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

علاء بن عبد الرحمن تابعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

إِنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي دَارِهِ بِالْبَصْرَةِ، حِينَ انْصَرَفَ مِنَ الظُّهْرِ، وَدَارُهُ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ، فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ، قَالَ : أَصَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ؟ فَقُلْنَا لَهُ : إِنَّمَا انْصَرَفْنَا السَّاعَةَ مِنْ الظُّهْرِ، قَالَ : فَصَلُّوا الْعَصْرَ، فَتَمُّنَا، فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا

انْصَرَفْنَا، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ : تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، قَامَ فَتَقَرَّهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا .

”میں نماز سے فارغ ہو کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے گھر گیا، آپ کا گھر بصرہ میں مسجد کے پڑوس میں واقع تھا، ہم آپ کے ہاں پہنچے، تو انہوں نے فرمایا: عصر ادا کر لی آپ نے؟ عرض کیا: ابھی ہم ظہر سے فارغ ہوئے ہیں، فرمایا: عصر پڑھ لیں، ہم کھڑے ہوئے اور عصر پڑھی، نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ منافق کی نماز یہ ہے کہ سورج کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے، تو کھڑے ہو کر چار ٹھونکیں لگاتا ہے، جس میں اللہ کا ذکر تو برائے نام ہی ہوتا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۱/۲۲۵، ح: ۶۲۲)

سیدنا ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْتُ : يَا عَمُّ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ : الْعَصْرُ، وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نَصَلِّي مَعَهُ .

”ہم نے عمر بن عبدالعزیز کی اقتدا میں ظہر ادا کی، وہاں سے نکلے اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی، آپ عصر ادا فرما رہے تھے، میں عرض گزار ہوا: چچا جان! یہ کون سی نماز ہے؟ فرمایا: عصر، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم یہ نماز اسی وقت ادا کرتے تھے۔“

(صحیح البخاری: ۵۴۹، صحیح مسلم: ۶۲۳)

ثابت ہوا کہ نماز عصر اول وقت میں ادا کرنی چاہئے، بعض اہل بدعت آج بھی ان احادیث کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

### تنبیہ نمبر: ①

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ، وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِيلًا لِلْعَصْرِ مِنْهُ.

”رسول اللہ ﷺ ظہر آپ سے پہلے ادا کرتے تھے اور آپ عصر نبی کریم ﷺ سے پہلے ادا کر لیتے ہیں۔“

(سنن الترمذی: ۱۶۱، وسندہ صحیح)

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

فَإِنَّمَا يَدُلُّ عَلَى كَوْنِ التَّعْجِيلِ فِي الظُّهْرِ أَشَدَّ مِنَ التَّعْجِيلِ فِي الْعَصْرِ لَا عَلَى اسْتِحْبَابِ تَأْخِيرِ الْعَصْرِ.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ ظہر بہ نسبت عصر کے زیادہ جلدی ادا کی جائے، یہ معنی

نہیں کہ عصر کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔“

(التعلیق الممجد، ص ۴۵)

## تنبیہ نمبر: ۲

سیدنا علی بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيَضَاءَ نَقِيَّةً.

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ حاضر ہوئے، آپ عصر صرف اتنی مؤخر کرتے کہ سورج ابھی روشن اور صاف ہوتا تھا۔“

(سنن أبی داود: ۴۰۸)

## تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ محمد بن یزید یمانی اور یزید بن عبد الرحمن بن علی ”مجهول“ ہیں۔ علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

فَلَا يَدُلُّ إِلَّا عَلَى أَنَّهُ كَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَ كَوْنُ الشَّمْسِ بَيَضَاءَ، وَهَذَا أَمْرٌ غَيْرُ مُسْتَنَكِرٍ، فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ بَعْدَ جَوَازِ ذَلِكَ، وَالْكَلَامُ إِنَّمَا هُوَ فِي أَفْضَلِيَةِ التَّأْخِيرِ وَهُوَ لَيْسَ بِثَابِتٍ مِنْهُ، لَا يَقَالُ: هَذَا الْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّأْخِيرَ كَانَ عَادَتَهُ يُشْهَدُ بِهِ لَفْظُ كَانَ الْمُسْتَعْمَلِ فِي أَكْثَرِ الْأَحَادِيثِ لِبَيَانِ

عَادَتِهِ الْمُسْتَمَرَّةُ، لِأَنَّا نَقُولُ: لَوْ دَلَّ عَلَى ذَلِكَ لَعَارَضَهُ كَثِيرٌ  
مِّنَ الْأَحَادِيثِ الْقَوِيَّةِ الدَّالَّةِ عَلَى أَنَّ عَادَتَهُ كَانَتْ التَّعْجِيلُ،  
فَالْأَوَّلَى أَنْ لَا يُحْمَلَ هَذَا الْحَدِيثُ عَلَى الدَّوَامِ دَفْعًا  
لِّلْمُعَارَضَةِ وَاعْتِبَارًا لِّلتَّقْدِيمِ الْأَحَادِيثِ الْقَوِيَّةِ .

”اس حدیث میں صرف یہی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کو صرف اتنا موخر  
کرتے کہ سورج ابھی چمک رہا ہوتا، اس سے انکار کیسے ممکن ہے، سلف میں کسی  
نے اس کے عدم جواز کا دعویٰ نہیں کیا، مسئلہ ہے افضلیت تاخیر کا، جو کہ نبی  
کریم ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ اس حدیث میں کان ہے،  
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاخیر نبی کریم ﷺ کا معمول تھا، تو ہم عرض کریں  
گے کہ اس کے معارض کئی دوسری قوی احادیث موجود ہیں، جن سے عیاں ہوتا  
ہے کہ عصر جلدی ادا کرنا آپ کا معمول تھا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ تعارض رفع  
کرتے ہوئے اور اقویٰ احادیث کو مقدم کرتے ہوئے اس حدیث کو دوام پر  
محمول نہ کیا جائے۔“ (التعلیق الممجد، ص ۴۵)

### تنبیہ نمبر: ۳

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُهُمْ بِتَأْخِيرِ  
الْعَصْرِ .

”رسول اللہ ﷺ ہمیں عصر مؤخر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔“

(سنن الدارقطني: ۱/۲۵۱، ح: ۹۹۰)

تبصرہ: سند ”ضعیف“ ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهَذَا حَدِيثٌ ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ مِنْ جِهَةِ عَبْدِ الْوَاحِدِ هَذَا .....  
وَلَا يَصِحُّ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ رَافِعٍ وَلَا عَنْ غَيْرِهِ مِنْ  
الصَّحَابَةِ، وَالصَّحِيحُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَعَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ  
مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضِدُّ هَذَا، وَهُوَ  
التَّعْجِيلُ بِصَلَاةِ الْعَصْرِ وَالتَّبْكِيرُ بِهَا .

”اس کی سند عبد الواحد بن نفیع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ..... یہ حدیث سیدنا  
رافع بن خدیج رحمہ اللہ یا کسی اور صحابی سے قطعاً ثابت نہیں، بلکہ رافع بن خدیج رحمہ اللہ  
اور کئی ایک اصحاب رسول ﷺ سے اس کے خلاف یعنی عصر کو جلد ادا کرنا ثابت  
ہے۔“

اس کے راوی عبد الواحد بن نافع ابورماح کلابی کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ  
فرماتے ہیں:

شَيْخٌ يَّرْوِي عَنْ أَهْلِ الْحِجَازِ الْمَقْلُوبَاتِ وَعَنْ أَهْلِ الشَّامِ  
الْمَوْضُوعَاتِ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ فِي الْكُتُبِ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ  
الْقَدَحِ فِيهِ .

”شیخ ہے، حجازیوں سے مقلوب اور شامیوں سے موضوع (جھوٹی) روایات بیان کرتا ہے۔ کتابوں میں اس کا ذکر جرح کے بغیر کرنا جائز نہیں۔“

(المجروحین: ۸۱/۲)

اس راوی اور مذکورہ روایت کی تفصیل جاننے کے لیے لسان المیزان لابن حجر (۷۹/۴) کا مطالعہ کریں۔

**شبہ نمبر: ①** سوار بن شیبہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ حَتَّى أَقُولَ: قَدْ أَصْفَرَتِ الشَّمْسُ.

”آپ نماز عصر اتنی مؤخر کرتے کہ میں کہتا: سورج زرد ہو گیا ہے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۳۲۷/۱، وسندہ صحیح)

**جواب:** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ گزر چکا ہے کہ عصر کا آخری مختار وقت دو مثل تک ہے اور اس اثر میں مذکور زردی سے مراد دو مثل سے پہلے والی زردی ہے۔

**شبہ نمبر: ②** سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ. ”آپ عصر مؤخر کرتے تھے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۲۲۷/۱)

**جواب:** سند ضعیف ہے، ابواسحاق سبعی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں:

”ایک مثل کا مذہب قوی ہے، لہذا ایک مثل پر عصر پڑھے، تو ادا ہو جاتی ہے،

اعادہ نہ کرے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۸۵)

## کاتب وحی سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور کاتب وحی ہیں:

① سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض گزار ہوئے:

وَمُعَاوِيَةُ، تَجْعَلُهُ كَاتِبًا بَيْنَ يَدَيْكَ، قَالَ: نَعَمْ.

”آپ معاویہ کو کاتب وحی بنالیں، فرمایا: جی ضرور۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۰۱)

② سیدنا سہل بن خنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَيَّةَ، وَالْأَقْرَعَ سَالَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَأَمَرَ مُعَاوِيَةَ أَنْ يَكْتُبَ بِهِ لَهُمَا، فَفَعَلَ وَخَتَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَ بِدَفْعِهِ إِلَيْهِمَا، فَأَمَّا عُمَيَّةُ فَقَالَ: مَا فِيهِ؟ قَالَ: فِيهِ الَّذِي أُمِرْتُ بِهِ، فَقَبَّلَهُ، وَعَقَدَهُ فِي عِمَامَتِهِ.

”عمینہ بن حصن اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا کہ ان کا مطالبہ پورا کیا



جائے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر پر مہر لگا دی اور فرمایا: انہیں دے دیں۔ عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ نے پوچھا (معاویہ!) خط میں کیا لکھا ہے؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہی، جو مجھے حکم ہوا تھا۔ عیینہ رضی اللہ عنہ نے خط چوما اور پگڑی میں باندھ لیا۔“

(مسند الإمام أحمد: ۱۸۰/۴، سنن أبي داود: ۱۶۲۹، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ (۲۳۹۱) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۳۹۴) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

قارئین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم فرمایا، آپ رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر خدمت عالیہ میں پیش کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اعتماد کیا اور مہر ثبت فرمادی، خود پڑھا، نہ کسی دوسری صحابی سے پڑھوایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکمل بھروسہ تھا، اسی طرح صحابہ کو بھی آپ پر بھرپور اعتماد تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ مُعَاوِيَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ مِنْ شَعْرِهِ بِمَشْقَصٍ، فَقُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا بَلَّغَنَا هَذَا إِلَّا عَنْ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: مَا كَانَ مُعَاوِيَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّهِمًا.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے چشم دید گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قینچی کے ساتھ اپنے بال کاٹے، یہ بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتائی۔

شاگردوں نے عرض کیا کہ یہ حدیث صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہم تک

پہنچی ہے، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولتے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۹۴/۴، المعجم الكبير للطبراني: ۶۹۷/۱۹، وسندہ حسن)

③ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ .

”آپ کا تب وحی تھے۔“

(دلائل النبوة للبيهقي: ۲۴۳/۶، سير أعلام النبلاء للذهبي: ۱۲۳/۳، وسندہ

صحيح)

④ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذَا قَدْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ بَيْنَ النَّاسِ قَاطِبَةً .

”معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے کا تب وحی ہونے پر اجماع ہے۔“

(البداية والنهاية: ۳۵۴/۵)

⑤ عبد اللہ بن بریدہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ مُعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَرَجَ عَلَى قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ: سَأُبَشِّرُكُمْ بِمَا بَشَّرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَكُمْ، إِنَّكُمْ لَا تَجِدُونَ رَجُلًا مَنَزَلَتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَزَلَتِي، أَقَلَّ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، كُنْتُ خَتَنَهُ، وَكُنْتُ فِي كِتَابِهِ، وَكُنْتُ أَرْحُلُ لَهُ رَاحِلَتَهُ، وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ:

إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِيُبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس آئے، جو ذکر الہی میں مشغول تھے اور فرمایا: ابھی میں آپ کو وہ خوش خبری دیتا ہوں، جو رسول اللہ ﷺ نے آپ جیسوں کے متعلق دی ہے۔ آپ کو ایسا کوئی نہیں ملے گا، جس کے نبی کریم ﷺ سے میرے جیسے مراسم ہوں اور نبی کریم ﷺ سے میری بہ نسبت کم احادیث بیان کرنے والا ہو۔ میں آپ ﷺ کا سالا ہوں، آپ کی کتابت میرے ذمہ تھی اور میں ہی آپ کی سواری تیار کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ذکر الہی کرنے والوں سے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔“

(الشريعة للأجري: ۱۹۴۷، وسنده صحيح)

⑥ شیخ الاسلام، معانی بن عمران رضی اللہ عنہ (م: ۱۸۵/۱۸۶ھ) فرماتے ہیں:

مُعَاوِيَةُ صَاحِبُهُ وَصِهرُهُ وَكَاتِبُهُ وَأَمِينُهُ عَلَى وَحْيِ اللَّهِ.

”معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابی، سرالی رشتہ دار، کاتب اور وحی الہی پر قابل اعتماد شخصیت ہیں۔“

(تاریخ بغداد للخطيب: ۲۰۹/۱، تاریخ ابن عساکر: ۲۰۸/۵۹، البداية والنهاية لابن

كثير: ۱۴۸/۸، وسنده صحيح)

④ ابو حارث احمد بن محمد صانع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَجَّهْنَا رُفْعَةً إِلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ: مَا تَقُولُ رَحِمَكَ اللَّهُ فِيمَنْ قَالَ: لَا أَقُولُ: إِنَّ مُعَاوِيَةَ كَاتِبُ الْوَحْيِ، وَلَا أَقُولُ: إِنَّهُ خَالَ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّهُ أَخَذَهَا بِالسَّيْفِ غَضَبًا؟ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ:

هَذَا قَوْلُ سَوِّءٍ رَدِيءٍ، يُجَانِبُونَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ، وَلَا يُجَالِسُونَ، وَنَبِيْنُ أَمْرَهُمْ لِلنَّاسِ .

”ہم نے ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ آپ ایسے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں، جس کا دعویٰ ہو کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی نہیں مانتا اور نہ ہی انہیں خال المؤمنین (مومنوں کے ماموں) تسلیم کرتا ہوں، بلکہ انہوں نے یہ لقب بزور بازو اختیار کر لیا ہے؟ فرمایا: یہ بات انتہائی بری اور ناقابل التفات ہے، ایسوں سے کنارہ کشی کی جائے، ان کی مجلس اختیار نہ کی جائے اور ان کی گم راہیاں عوام الناس میں بیان کی جائیں۔“

(السنة لأبي بكر بن الخلال: ٦٥٩، وسنده حسن)

⑧ امام ابو بکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

مُعَاوِيَةُ رَحِمَهُ اللَّهُ كَاتِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى وَحْيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الْقُرْآنُ بِأَمْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ .  
”معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ کی وحی قرآن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔“

(الشريعة: ٢٤٣١/٥)

⑨ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

خَالَ الْمُؤْمِنِينَ وَكَاتِبُ وَحْيِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْلَمَ يَوْمَ الْفَتْحِ .  
”مومنوں کے ماموں اور کاتب وحی رب العالمین ہیں، فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔“

(تاریخ دمشق: ٥٩/٥٥)

⑩ نیز لکھتے ہیں:

أَصَحُّ مَا رُوِيَ فِي فَضْلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيثُ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَاتِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں مروی ابو حمزہ کی حدیث سب سے صحیح ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔“

(تاریخ دمشق: ۱۰۶/۵۹)

⑪ امام ابو منصور معمر بن احمد اصبہانی رحمہ اللہ (۴۲۸ھ) اہل حدیث کا اجماعی عقیدہ بیان کرتے ہیں:

وَأَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَاتِبُ وَحْيِ اللَّهِ وَأَمِينُهُ، وَرَدِيفُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَخَالُ الْمُؤْمِنِينَ.

”سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو وحی الہی کا کاتب و امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سواری پر سوار ہونے اور مومنوں کے ماموں ہونے کا شرف حاصل ہے۔“

(الحجة في بيان المحجة للإمام قوام السنة أبي القاسم إسماعيل بن محمد

الأصبهاني: ۱/۲۴۸، وسنده صحيح)

⑫ امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وَهُوَ أَحَدُ الَّذِينَ كَتَبُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”آپ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔“

(الإستيعاب في معرفة الأصحاب: ۱۴۱۶/۳)

۱۳ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَكْتَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتابت وحی کا کہا۔“

(المنتظم في تاريخ الملوك والأمم: ۱۸۵/۵)

۱۴ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وَمُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ، وَكَاتِبُ وَحْيِ اللَّهِ، وَأَحَدُ خُلَفَاءِ الْمُسْلِمِينَ .

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خال المؤمنین (مومنوں کے ماموں)، کاتب وحی الہی اور مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے۔“

(لمعة الاعتقاد، ص ۳۳)

۱۵ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَانَ مِنْ جُمْلَةِ الْكُتَّابِ بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْوَحْيَ .

”ہمارا مقصود یہ بتانا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جملہ کاتبین وحی میں سے ہیں، جو کتابت وحی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔“

(البدایة والنهاية: ۱۱۹/۸)

۱۶ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَهُوَ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ، أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي  
سُفْيَانَ صَخْرِ بْنِ حَرْبِ الْخَلِيفَةِ الْأُمَوِيِّ كَاتِبُ الْوَحْيِ،  
أَسْلَمَ عَامَ الْفَتْحِ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں، ابو عبد الرحمن بن ابوسفیان صخر بن  
حرب، اموی خلیفہ اور کاتب وحی ہیں۔ فتح مکہ والے سال مشرف بہ اسلام  
ہوئے۔“

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ۳/۳۴۳)

⑫ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الْخَلِيفَةُ صَحَابِيٌّ أَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَكَتَبَ الْوَحْيَ.

”آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ صحابی ہیں، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، کاتب وحی بھی  
رہے۔“

(تقریب التہذیب: ۶۷۵۸)

⑬ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۹۲۳ھ) رقم طراز ہیں:

كَاتِبُ الْوَحْيِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُو  
الْمَنَاقِبِ الْجَمَّةِ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے کاتب وحی اور بے شمار مناقب و مراتب کے  
مالک ہیں۔“

(إرشاد السّاري لشرح صحيح البخاري: ۱۷۰/۱)

⑭ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ أَحَدُ الْكُتَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .  
 ”آپ ﷺ کے کاتب وحی تھے۔“

(تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۸)

تنبیہ:

ابو الحسن مدائنی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ اور عربوں کے مابین خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

(سیر أعلام النبلاء للذهبي: ۱۲۳/۳)

یہ قول بلا دلیل ہے۔

① جب دشمنان صحابہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی ہونے کا انکار کیا، تو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) نے فرمایا:

فَهَذَا قَوْلٌ بِلاَ حُجَّةٍ وَلَا عِلْمٍ، فَمَا الدَّلِيلُ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُتُبْ  
 لَهُ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنَ الْوَحْيِ، وَإِنَّمَا كَانَ يَكُتُبُ لَهُ رَسَائِلَ؟  
 ”علم اور دلیل کا اس دعویٰ سے کیا تعلق؟ اس پر کیا دلیل ہے کہ سیدنا امیر  
 معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف خطوط لکھے ہیں، وحی کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا؟“

(منهاج السنة النبوية: ۴/۴۲۷)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

① سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ، بَعَرَفَاتٍ، فَقَالَ: مَا لِي لَا أَسْمَعُ النَّاسَ



يَلْبُثُونَ؟ قُلْتُ: يَخَافُونَ مِنْ مُعَاوِيَةَ، فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ  
فُسْطَاطِهِ، فَقَالَ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ تَرَكُوا  
السُّنَّةَ مِنْ بُغْضِ عَلِيٍّ.

”عرفات میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا۔ فرمانے لگے: لوگ  
تلبیہ کہتے سنائی نہیں دے رہے؟ عرض کیا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ڈرتے  
ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوراً خیمے سے نکلے اور تلبیہ پکارنے لگے اور  
فرمانے لگے: ان لوگوں نے بغض علی رضی اللہ عنہ میں سنت ترک کر دی۔“

(سنن النسائي: ۳۰۰۶)

دوسری روایت میں ہے:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ مُعَاوِيَةَ اللَّهُمَّ الْعَنَّهُمْ فَقَدْ  
تَرَكُوا السُّنَّةَ مِنْ بُغْضِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

”اللہ! گو معاویہ کو برا لگے، (میں) لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ حاضر ہوں“ (کہتا  
ہوں)۔ اللہ! ان پر لعنت کا کوڑا برسائے، انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عناد  
کی وجہ سے سنت نبوی ترک کر دی ہے۔“

(السَّنَنِ الْكَبْرَىٰ لِلْبَيْهَقِيِّ: ۹۴۴۷)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ خالد بن مخلد قطوانی (حسن الحدیث) کی روایت اہل کوفہ سے  
”ضعیف“ ہوتی ہے۔ ابوالحسن صالح بن علی ”کوفی“ ہے۔ یہ جرح مفسر ہے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) نقل کرتے ہیں:

ذَكَرَ الْغُلَابِيُّ فِي تَارِيخِهِ، قَالَ: الْقُطَوَانِيُّ يُؤْخَذُ عَنْهُ مَشِيخَةٌ الْمَدِينَةِ، وَابْنُ بِلَالٍ فَقَطٌ.

امام مفضل بن غسان غلابی رحمہ اللہ (۲۴۶ھ) نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے: قطوانی کی وہی روایت قبول ہے، جو انہوں نے اہل مدینہ اور سلیمان بن بلال سے لی ہو۔“

(شرح علل الترمذی: ۷۷۵/۲)

تنبیہ:

سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ معاہدہ تھا کہ میرے ساتھ صرف مومن محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا۔“

(صحیح مسلم: ۷۸)

صحابہ اور ائمہ اہل سنت نے یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں پر فٹ نہیں کی! اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی بنا پر انہیں برا بھلا کہا، بلکہ دونوں سے محبت و مودت کا اظہار کیا، ترحم اور استغفار کو اپنا شعار و دثار بنایا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَمَعْنَاهُ : أَنَّ حُبَّ عَلِيٍّ مِّنَ الْإِيمَانِ، وَبُغْضَهُ مِّنَ النِّفَاقِ،  
 فَالْإِيمَانُ ذُو شُعَبٍ، وَكَذَلِكَ النِّفَاقُ يَتَشَعَّبُ، فَلَا يَقُولُ  
 عَاقِلٌ : إِنَّ مُجَرَّدَ حُبِّهِ يَصِيرُ الرَّجُلُ بِهِ مُؤْمِنًا مُّطْلَقًا، وَلَا  
 بِمُجَرَّدِ بُغْضِهِ يَصِيرُ بِهِ الْمُوَحِّدُ مُنَافِقًا خَالِصًا، فَمَنْ أَحَبَّهُ  
 وَأَبْغَضَ أَبَا بَكْرٍ، كَانَ فِي مَنْزِلَةِ مَنْ أَبْغَضَهُ، وَأَحَبَّ أَبَا بَكْرٍ،  
 فَبُغْضُهُمَا ضَلَالٌ وَنِفَاقٌ، وَحُبُّهُمَا هُدًى وَإِيمَانٌ .

”اس حدیث کا مفہوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان اور ان سے بغض  
 نفاق ہے۔ ایمان کے کئی شعبے ہیں، اسی طرح نفاق کے بھی کئی شعبے ہیں، لہذا  
 کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے بندہ کامل  
 مومن بن جاتا ہے اور ان سے بغض رکھنے سے موحد آدمی ٹھوس منافق بن جاتا  
 ہے۔ جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا، وہ  
 بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کا دم بھرنے  
 والوں میں سے ہے۔ دونوں سے بغض ضلالت اور نفاق ہے اور دونوں سے  
 محبت و عقیدت ہدایت اور عین ایمان ہے۔“

(سیر أعلام النبلاء : ۵۱۰/۱۲)

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا إِلَى خَالِدٍ لِّيَقْبِضَ  
 الْخُمْسَ، وَكُنْتُ أَبْغِضُ عَلِيًّا وَقَدْ اغْتَسَلَ، فَقُلْتُ لِحَالِدٍ: أَلَا

تَرَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ذَكَرْتُ ذَٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: يَا بُرَيْدَةُ اتَّبِعْ غُصَّ عَلِيًّا؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ،  
قَالَ: لَا تَبْغِضْهُ فَإِنَّ لَهُ فِي الْخُمْسِ أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ.

”نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف خمس وصول کرنے بھیجا۔ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا، کیوں کہ وہ (مال خمس میں سے ایک لونڈی لے کر اس سے جماع کرنے کے بعد) غسل کر چکے تھے۔ میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: علی رضی اللہ عنہ کو دیکھیں!۔ ہم مدینہ آئے، تو میں نے یہ بات نبی کریم ﷺ کے گوش گزار کی، آپ ﷺ نے فرمایا: بریدہ! آپ علی سے بغض رکھتے ہیں، عرض کیا: جی، ہاں، فرمایا: بغض نہ رکھیں، ان کا حصہ تو خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے۔“

(صحیح البخاری: ۴۳۵۰)

بہ تقاضائے بشریت کسی کے بارے میں دل میں ناراضی اور غم و غصہ آجاتا ہے، جیسے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آگیا، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ناراضی دور کرنے کا کہا۔ ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگا، کیوں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ برتاؤ اجتہاد کی بنا پر تھا، جس میں آپ خطا کار ٹھہرے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے قطعاً ثابت نہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رنجیدہ ہوں، وہ ایک اجتہادی غلطی پر تھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی جماعت اجتہادی غلطی پر تھی۔ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت راہ اعتدال اور راہ حق پر ہیں۔ وہ نہ تو روافض اور معتزلہ کی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہتے ہیں، نہ ہی نواصب کی طرح سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کی اہانت کے مرتکب ہیں، نہ ہی خوارج کی طرح سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں سے بیزار۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا مَا جَرَى مِنْ عَلِيٍّ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
أَجْمَعِينَ، فَإِنَّمَا كَانَ عَلَى تَأْوِيلٍ وَاجْتِهَادٍ، وَعَلَى الْإِمَامِ،  
وَكُلُّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ، وَقَدْ شَهِدَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ وَالشَّهَادَةِ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ كَانُوا  
عَلَى حَقٍّ فِي اجْتِهَادِهِمْ، وَكَذَلِكَ مَا جَرَى بَيْنَ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ  
وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَدَلَّ عَلَى تَأْوِيلٍ وَاجْتِهَادٍ.

”سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے تنازع میں تاویل اور اجتہاد کی گنجائش ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو خلیفہ تھے، سب مجتہد تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنت اور شہادت کی گواہی دی تھی، یہ سب کچھ دلالت کناں ہے کہ سب اپنے اجتہاد میں حق پر تھے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے اختلافات ہیں، یہ بھی تاویل و اجتہاد کی گنجائش رکھتے ہیں۔“

(الإبانة عن أصول الديانة، ص ۲۶۰)

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

كَانَ طَرِيقُهُمْ فِيهَا الْحَقُّ وَالْاجْتِهَادُ وَلَمْ يَكُونُوا فِي

مَحَارَبَتِهِمْ لِعَرَضِ دُنْيَوِيٍّ أَوْ لِإِيثَارِ بَاطِلٍ أَوْ لِاسْتِشْعَارِ حَقْدٍ  
كَمَا قَدْ يَتَوَهَّمُهُ مَتَوَهِّمٌ وَيَنْزِعُ إِلَيْهِ مُلْحِدٌ .

”وہ حق اور اجتہاد کے رستے پر تھے اور ان کا قاتل کسی دنیوی مقصد کے لیے تھا،  
نہ باطل کو بھڑکانے کے لیے اور نہ ہی دل میں پوشیدہ بغض کی وجہ سے تھا، جیسا  
کہ وہم ڈالنے والے وہم ڈالتے ہیں اور ملحد چکمدہ دیتے ہیں۔“

(تاریخ ابن خلدون: ۱/۲۵۷)

② عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَجْلَسَنَا عَلَى الْفُرْشِ، ثُمَّ أُتِينَا  
بِالطَّعَامِ فَأَكَلْنَا، ثُمَّ أُتِينَا بِالشَّرَابِ فَشَرِبَ مُعَاوِيَةُ، ثُمَّ نَاولَ  
أَبِي، ثُمَّ قَالَ: مَا شَرِبْتَهُ مِنْذُ حَرَّمَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ مُعَاوِيَةُ: كُنْتُ أَجْمَلُ شَبَابٍ قُرَيْشٍ وَأَجْوَدَهُ  
ثَغْرًا، وَمَا شَيْءٌ كُنْتُ أَجْدُ لَهُ لَذَّةً كَمَا كُنْتُ أَجْدُهُ وَأَنَا شَابٌّ  
غَيْرُ اللَّبَنِ، أَوْ إِنْسَانٍ حَسَنِ الْحَدِيثِ يُحَدِّثُنِي .

”میں اور میرے والد گرامی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے،  
آپ نے ہمیں قالین پر بٹھایا، ہمیں کھانا پیش کیا گیا، ہم نے کھایا، پھر کوئی  
مشروب لایا گیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیا اور میرے ابو کو تھما دیا اور فرمایا: جب سے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا، میں نے کبھی نہیں پیا، مزید فرمایا: میں  
قریش میں سب سے زیادہ خوب صورت نوجوان اور عمدہ دانتوں والا تھا اور جو

لذت مجھے بتی تھی آج نصیب نہیں ہوتی، سوائے دودھ سے اور کسی انسان کی اچھی اچھی باتیں سننے سے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۲۶/۳۸)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ عبد اللہ بن بریدہ سے حسین بن واقد کی روایت ”منکر“ ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَرِيدَةَ الَّذِي رَوَى عَنْهُ حُسَيْنُ بْنُ وَقْدٍ مَا أَنْكَرَهَا.  
”عبد اللہ بن بریدہ، کی وہ روایات جو اس سے حسین بن واقد بیان کرتا ہے،  
کس قدر منکر ہیں!“

(العلل ومعرفۃ الرجال بروایۃ ابنہ عبد اللہ: ۱۴۲۰)

یہ جرح مفسر ہے، جو ناقابل رد ہے۔

③ عبد الرحمن بن عبد رب الکعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہما سے کہا:

هَذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ، يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ،  
وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا، وَاللَّهُ يَقُولُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا  
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ  
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: ۲۹) قَالَ  
: فَسَكَتَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: أَطْعُهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ، وَأَعْصِيهِ فِي

مَعْصِيَةِ اللَّهِ .

”آپ کا بھتیجا معاویہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم باطل ذرائع سے ایک دوسرے کا مال کھائیں اور خود کو ہلاکت میں ڈال دیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء : ۲۹)

”اہل ایمان! ایک دوسرے کا مال باطل ذرائع سے نہ کھاؤ، ہاں باہمی مفاہمت سے تجارت ہو، تو الگ بات ہے۔ نیز خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔“

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما دم بخود ہو گئے، پھر فرمایا: اگر وہ اللہ کی اطاعت کا کہیں، تو بجا آوری کریں اور اگر گناہ کا کہیں، تو ان کی بات مت مانیں۔“

(صحیح مسلم : ۱۸۴۴)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۵۶ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ  
إِغْيَاءٌ فِي الْكَلَامِ عَلَى حَسْبِ ظَنِّهِ، وَتَأْوِيلُهُ، وَإِلَّا فَمُعَاوِيَةُ  
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمْ يُعْرِفْ مِنْ حَالِهِ، وَلَا مِنْ سِيرَتِهِ  
شَيْءٌ مِّمَّا قَالَ لَهُ، وَإِنَّمَا هَذَا كَمَا قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنَ الْأَعْرَابِ :  
إِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِينَ يَظْلِمُونَنَا، فَسَمَوْا أَخَذَ الصَّدَقَةَ  
ظُلْمًا، حَسَبَ مَا وَقَعَ لَهُمْ .



”عبدالرحمن بن عبد رب كعبه رضي الله عنه نے جو سیدنا معاویہ رضي الله عنه کے متعلق ذکر کیا ہے، وہ ان کے گمان اور تاویل کے مطابق کلام کی انتہا ہے، ورنہ تو سیدنا معاویہ رضي الله عنه کی سیرت ایسی بات نہیں ملتی، جو عبدالرحمن رضي الله عنه نے ذکر کی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے، جیسے عرب کہتے ہیں: کچھ صدقہ وصول کرنے والوں نے ہم سے زیادتی کی۔ انہوں نے اپنے مطابق صدقہ وصول کرنے کو ظلم کا نام دے دیا۔“

(المفہم لما أشكل من تلخیص صحیح مسلم: ۵۳/۴)

⑤ سیدنا ابوسعید خدری رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار بن یاسر رضي الله عنه سے فرمایا:

وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقَتَّلَهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ.

”عمار کی کیا بات ہے! انہیں باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انہیں جنت کی طرف بلائیں گے، جب کہ دوسرا گروہ انہیں آگ کی طرف بلائے گا۔“

(صحیح البخاری: ۴۴۷، صحیح مسلم: ۲۹۱۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فإن قيل: كَانَ قَتْلُهُ بِصَفَيْنِ وَهُوَ مَعَ عَلِيٍّ وَالَّذِينَ قَتَلُوهُ مَعَ مُعَاوِيَةَ وَكَانَ مَعَهُ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَكَيْفَ يَجُوزُ عَلَيْهِمُ الدُّعَاءُ إِلَى النَّارِ فَالْجَوَابُ أَنَّهُمْ كَانُوا ظَانِّينَ أَنَّهُمْ يَدْعُونَ إِلَى الْجَنَّةِ وَهُمْ مُجْتَهِدُونَ لَا لَوْمَ عَلَيْهِمْ فِي اتِّبَاعِ ظُنُونِهِمْ

فَالْمَرَادُ بِالْدُّعَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ الدُّعَاءُ إِلَى سَبَبِهَا وَهُوَ طَاعَةُ  
الْإِمَامِ وَكَذَلِكَ كَانَ عَمَّارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى طَاعَةِ عَلِيٍّ وَهُوَ  
الْإِمَامُ الْوَاجِبُ الطَّاعَةِ إِذْ ذَاكَ، وَكَانُوا هُمْ يَدْعُونَ إِلَى  
خِلَافِ ذَلِكَ لِكِنَّهُمْ مَعْذُورُونَ لِلتَّوِيلِ الَّذِي ظَهَرَ لَهُمْ .

”اگر کوئی کہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا قتل جنگ صفین میں ہوا، آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور قتل کرنے والے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی، تو ان کے متعلق یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ وہ اسے جہنم کی طرف بلائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ وہ انہیں اپنے گمان کے مطابق جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ وہ مجتہد ہیں، انہیں اپنے گمان کی اتباع میں ملامت نہیں کی جاسکتی، لہذا جنت کی طرف بلانے سے مراد یہ ہے کہ جنت کے سبب کی طرف بلانا، جو کہ امام حق کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی طرف بلاتے تھے، جو کہ امام وقت اور واجب الاطاعت تھے، جب کہ معاویہ اور آپ کے ساتھی انہیں دوسری طرف بلاتے تھے، لیکن وہ اپنے اجتہاد میں معذور ہیں، کیوں کہ ان کے پیش نظر کوئی تاویل تھی۔“

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۵۴۲/۱)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے اسلام کی شہادت دی۔  
سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:  
إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ

عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

”میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کروائے گا۔“

(صحیح البخاری: ۲۷۰۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ، وَنَرْضَى عَنْهُمْ، وَنَقُولُ: هُمْ طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ بَعَثَ عَلَى الْإِمَامِ عَلِيٍّ، وَذَلِكَ بِنَصِّ قَوْلِ الْمُصْطَفَى صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ لِعِمَّارٍ: «تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ». فَنَسَّالُ اللَّهُ أَنْ يَرْضَى عَنِ الْجَمِيعِ، وَأَلَّا يَجْعَلَنَا مِمَّنْ فِي قَلْبِهِ غِلٌّ لِلْمُؤْمِنِينَ، وَلَا نَرْتَابُ أَنَّ عَلِيًّا أَفْضَلُ مِمَّنْ حَارَبَهُ، وَأَنَّهُ أَوْلَى بِالْحَقِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

”ہم ہر صحابی کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان سے راضی ہیں اور کہتے ہیں: وہ (شیعان معاویہ) مومنوں کا ہی ایک گروہ ہیں، جس نے امام وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بغاوت کی۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا ہے: ”آپ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔“

ہم اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ ان سب سے راضی ہو اور ہمیں ان میں سے نہ بنائے، جن کے دل میں مومنوں کے لیے کینہ ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہر کیف ان سے افضل ہیں، جنہوں نے آپ سے لڑائی کی اور آپ حق

کے زیادہ قریب تھے۔“

(سیر أعلام النبلاء: ۲۱۰/۸)

## باغی گروہ:

باغی دو طرح کا ہوتا ہے۔

- ① امام حق کے خلاف خروج کرنے والا اور اس کی خلافت کا منکر۔
- ② اجتہادی خطا کی بنا پر امام حق کے خلاف کسی مسئلہ میں لڑنے والا۔ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، وہ لعنت کا مستحق ہوگا، نہ ظالم یا فاسق، بلکہ مؤول ماجور ہے۔ اسے بھی باغی کہا گیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ . (الحجرات: ۹)

”مومنوں کے دو گروہ باہم جھگڑ پڑیں، تو ان کی صلح کرا دیں، ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے، تو باغی سے لڑائی کریں، تا آن کہ اللہ کے فیصلہ کی طرف مائل ہو جائے۔ جب مائل ہو جائے، تو عدل کے ساتھ ان کی صلح کرا دیں اور انصاف کریں، کیونکہ اللہ منصفین کو محبوب رکھتے ہیں۔“

قرآن نے بغاوت کے باوجود دونوں گروہوں کو مومن کہا ہے۔

سیدنا ابوبکر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن ؓ سے فرمایا:

إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

”میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کروائے گا۔“

(صحیح البخاری: ۲۷۰۴)

تابعی کبیر (مختصر م) نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

أَنْتَ تَنَازَعُ عَلِيًّا فِي الْخِلَافَةِ أَوْ أَنْتَ مِثْلُهُ قَالَ : لَا ، وَإِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنِّي وَأَحَقُّ بِالْأَمْرِ وَلَكِنْ أَلَسْتُ تَعْلَمُونَ أَنَّ عُثْمَانَ قُتِلَ مَظْلُومًا وَأَنَا ابْنُ عَمِّهِ وَوَلِيِّهِ أَطْلُبُ بِدَمِهِ فَاتُوا عَلِيًّا فَقُولُوا لَهُ : يَدْفَعُ لَنَا قَتْلَةَ عُثْمَانَ ، فَاتَوْهُ فَكَلَّمُوهُ فَقَالَ : يَدْخُلُ فِي الْبَيْعَةِ وَيَحَاكِمُهُمْ إِلَيَّ فَاْمْتَنِعْ مُعَاوِيَةُ فَسَارَ عَلِيٌّ فِي الْجِيُوشِ مِنَ الْعِرَاقِ حَتَّى نَزَلَ بِصَفِّينَ وَسَارَ مُعَاوِيَةُ حَتَّى نَزَلَ هُنَاكَ وَذَلِكَ فِي ذِي الْحِجَّةِ سَنَةِ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ فَتَرَاسَلُوا فَلَمْ يَتِمَّ لَهُمْ أَمْرٌ فَوْقَ الْقِتَالِ .

”آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننا چاہتے ہیں یا خود کو ان کے برابر خیال کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں نہیں، میں جانتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے کہیں افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، لیکن آپ نہیں جانتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کتنی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے؟ میں ان کا بھتیجا اور ولی ہونے کے

ناطے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں، آپ علی رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ قاتلین عثمان ہمارے حوالے کر دیں، میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بات کی، آپ نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ بیعت کر لیں اور مقدمہ دائر کروائیں، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عراق سے لشکر کی کمان کرتے ہوئے صفین پہنچے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، یہ ذوالحجہ سن ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ آپس میں خط و کتابت جاری رہی، لیکن کوئی معاملہ طے نہ پایا۔ بالآخر جنگ شروع ہو گئی۔“

(فتح الباری لابن حجر: ۸۶/۱۳، وسندہ حسن)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”جید“ کہا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

الْمُجْتَهِدُ الْمُخْطِئُ إِذَا قَاتَلَ عَلَى مَا يَرَى أَنَّهُ الْحَقُّ قَاصِدًا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى نِيَّتَهُ غَيْرَ عَالِمٍ بِأَنَّهُ مُخْطِئٌ فَهُوَ بَاعِثُهُ وَإِنْ كَانَ مَاجُورٌ أَوْ لَا حَدَّ عَلَيْهِ إِذَا تَرَكَ الْقَاتِلَ وَلَا قَوْدَ وَأَمَّا إِذَا قَاتَلَ وَهُوَ يَدْرِي أَنَّهُ مُخْطِئٌ فَهَذَا الْمُحَارِبُ تَلَزَمَهُ الْمُحَارَبَةُ وَالْقَوْدُ وَهَذَا يُفْسَقُ وَيَخْرُجُ لَا الْمُجْتَهِدُ الْمُخْطِئُ وَبَيَانُ ذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾،

فَهَذَا نَصُّ قَوْلِنَا دُونَ تَكْلُفِ تَأْوِيلٍ وَلَا زَوَالٍ عَنْ مُوَجِبِ  
ظَاهِرِ الْآيَةِ وَقَدْ سَمَّاهُمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مُؤْمِنِينَ بَاغِينَ  
بَعْضُهُمْ إِخْوَةَ بَعْضٍ فِي حِينِ تُقَاتِلُهُمْ وَأَهْلُ الْعَدْلِ الْمُبْغِي  
عَلَيْهِمْ وَالْمَأْمُورِينَ بِالْإِصْلَاحِ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُمْ وَلَمْ يَصِفْهُمْ  
عَزَّ وَجَلَّ بِفِسْقٍ مِّنْ أَجْلِ ذَلِكَ التَّقَاتِلِ وَلَا يَنْقُصُ إِيْمَانُ  
وَإِنَّمَا هُمْ مُخْطِئُونَ بَاغُونَ وَلَا يُرِيدُ وَاحِدًا مِنْهُمْ قَتْلَ آخَرٍ .

”مجتہد خطا کار جب لڑے اور وہ خود کو حق پر سمجھتا ہو، اپنی نیت اللہ کے سپرد کرتا  
ہو اور اسے یہ علم نہ ہو کہ وہ خطا کار ہے، بس یہی چیز اسے لڑنے پر آمادہ کرتی  
ہے، گو وہ ماجور اور قصاص سے مامون ہوگا، نیز اس پر دیت نہیں ہوگی، اگر قتال  
چھوڑ دے۔ اگر اپنی غلطی جانتے ہوئے قتال کرے، تو ایسا شخص حربی ہوگا اور  
اسے قتال اور قصاص لازم آئے گا۔ ایسا شخص فاسق و فاجر ہے، مجتہد و خطا کار  
نہیں ہے۔ اس کی وضاحت اس فرمان باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: ﴿وَإِنْ  
طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا  
عَلَى الْأُخْرَىٰ فَاقْتَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ﴾ .  
(الحجرات : ۹) ”مومنوں کے دو گروہ جھگڑ پڑیں، تو ان کی صلح کرادیں،  
ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے، تو باغی سے لڑائی کریں، تا آن کہ اللہ کے  
فیصلہ کی طرف مائل ہو جائے۔“ پھر فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ  
فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ ”بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان میں

صلح صفائی کروادیا کریں۔“ یہ بغیر کسی تاویل کے ہمارے موقف پر دلیل ہے اور اسے ظاہری معنی سے پھیرنے والا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔ اللہ نے حالت قتال میں انہیں مومن باغی کہا ہے اور ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بھائی بھی قرار دیا ہے۔ نیز ان باغیوں کو عادل اور صالح کہا ہے۔ اللہ نے انہیں آپس کی اس لڑائی کی بنا پر فاسق و فاجر نہیں کہا اور نہ ہی ان کے ایمان میں کمی واقع ہوئی۔ یہ تو خطا کار ہیں، جو بغاوت پر اتر آئے، ان میں کسی کا بھی دوسرے کو قتل کرنے کا قطعاً ارادہ نہ تھا۔“

(الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۱۲۵/۴)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا إِذَا كَانَ الْبَاغِي مُجْتَهِدًا وَمُتَأَوِّلًا، وَلَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُ أَنَّهُ بَاغٍ، بَلْ اعْتَقَدَ أَنَّهُ عَلَى الْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُخْطِئًا فِي اعْتِقَادِهِ: لَمْ تَكُنْ تَسْمِيَّتُهُ «بَاغِيًا» مُوجِبَةً لِإِثْمِهِ، فَضْلًا عَنْ أَنْ تُوجِبَ فِسْقَهُ، وَالَّذِينَ يَقُولُونَ بِقِتَالِ الْبَغَاةِ الْمُتَأَوِّلِينَ؛ يَقُولُونَ: مَعَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ قِتَالَنَا لَهُمْ لِدَفْعِ ضَرَرٍ بَعِيْهِمْ؛ لَا عُقُوبَةَ لَهُمْ؛ بَلْ لِلْمَنْعِ مِنَ الْعُدْوَانِ، وَيَقُولُونَ: إِنَّهُمْ بَاقُونَ عَلَى الْعَدَالَةِ؛ لَا يُفْسِقُونَ، وَيَقُولُونَ: هُمْ كَغَيْرِ الْمُكَلَّفِ، كَمَا يُمْنَعُ الصَّبِيُّ وَالْمَجْنُونُ وَالنَّاسِي وَالْمُغْمِي عَلَيْهِ وَالنَّائِمُ مِنَ الْعُدْوَانِ أَنْ لَا يَصْدُرَ مِنْهُمْ؛ بَلْ تُمْنَعُ الْبَهَائِمُ مِنَ الْعُدْوَانِ، وَيَجِبُ عَلَى



مَنْ قُتِلَ مُؤْمِنًا خَطَاً الدِّيَّةُ بِنَصِّ الْقُرْآنِ مَعَ أَنَّهُ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ .

”باغی جب مجتہد اور متاویل ہو، اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ غلطی کر رہا ہے، بلکہ خود کو حق پر سمجھے، نیز یہ غلطی اعتقادی ہی کیوں نہ ہو، اسے باغی نام دینے سے اس کا گناہ گار ہونا لازم نہیں آتا، چہ جائیکہ اسے فاسق کہا جائے۔ جن حضرات نے باغی متاویلین سے قتال کا کہا ہے، انہوں نے قتال کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ہمارا ان سے قتال ان کے بغاوت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے ہے، نہ کہ بہ طور سزا، بلکہ دشمن سے دفاع کرتے ہوئے اور بس۔ محدثین کہتے ہیں کہ ان کی عدالت باقی ہے، انہیں فاسق نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ یہ غیر مکلف کی طرح ہے، جیسا کہ بچے، پاگل دیوانے، بھلکھڑ، بے ہوش اور سوئے ہوئے کو سرکشی سے روکا جاتا ہے، بلکہ جانوروں کو بھی سرکشی سے روکا جاتا ہے۔ نیز قرآنی نص کے مطابق کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دینے والے پر دیت لازم ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود اس پر گناہ نہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۷۶/۳۵)

نیز لکھتے ہیں:

الْبَاغِي قَدْ يَكُونُ مُتَأَوَّلًا مُعْتَقِدًا أَنَّهُ عَلَى حَقٍّ، وَقَدْ يَكُونُ مُتَعَمِّدًا يَعْلَمُ أَنَّهُ بَاغٍ، وَقَدْ يَكُونُ بَعِيْهَ مُرَكَّبًا مِّنْ شُبْهَةِ وَشْهَوَةٍ، وَهُوَ الْغَالِبُ .

وَعَلَى كُلِّ تَقْدِيرٍ فَهَذَا لَا يَقْدَحُ فِيْمَا عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ، فَإِنَّهُمْ

لَا يَنْزَهُونَ مُعَاوِيَةَ وَلَا مَنْ هُوَ أَفْضَلُ مِنْهُ مِنَ الذُّنُوبِ، فَضْلًا  
عَنْ تَنْزِيهِهِمْ عَنِ الْخَطَا فِي الْجَاهِدِ، بَلْ يَقُولُونَ : إِنَّ  
الذُّنُوبَ لَهَا أَسْبَابٌ تَدْفَعُ عُقُوبَتَهَا مِنَ التَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ،  
وَالْحَسَنَاتِ الْمَاحِيَةِ، وَالْمَصَائِبِ الْمُكَفِّرَةِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ .

”باغی کبھی تاویل کرتا ہے اور خود کو حق پر سمجھتا ہے اور کبھی دیدہ دانستہ ایسا کرتا  
ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ وہ بغاوت کر رہا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی  
بغاوت شبہ اور شہوت کا مجموعہ ہوتی ہے۔

جیسا بھی سمجھ لیا جائے، اس سے اہل سنت کے موقف پر آنچ نہیں آتی، کیوں  
کہ اہل سنت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا ان سے بھی افضل صحابی، کسی کو گناہوں سے  
منزہ نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ اجتہادی خطا سے منزہ سمجھتے ہوں، بلکہ اہل سنت تو  
کہتے ہیں : ان گناہوں سے توبہ، استغفار، گناہوں کو مٹا دینے والی نیکیاں اور  
گناہوں کو معاف کر دینے والی مصیبتیں وغیرہ ایسے اسباب موجود ہیں، جو ان  
کی سزا کو ختم کر دیتے ہیں۔“

(منہاج السنّة النبویة : ۳۸۵/۴)

نیز فرماتے ہیں :

وَلِهَذَا اتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى أَنَّهُ لَا تَفْسُقُ وَاحِدَةٌ مِّنَ  
الطَّائِفَتَيْنِ، وَإِنْ قَالُوا فِي إِحْدَاهُمَا : إِنَّهُمْ كَانُوا بُغَاةً؛ لِأَنَّهُمْ  
كَانُوا مُتَأَوِّلِينَ مُجْتَهِدِينَ، وَالْمُجْتَهِدُ الْمُخْطِئُ لَا يُكَفِّرُ وَلَا

يُفْسَقُ، وَإِنْ تَعَمَّدَ الْبُغْيَ فَهُوَ ذَنْبٌ مِّنَ الذُّنُوبِ، وَالذُّنُوبُ يُرْفَعُ عِقَابُهَا بِأَسْبَابٍ مُّتَعَدَّةٍ : كَالْتَوْبَةِ، وَالْحَسَنَاتِ الْمَاحِيَةِ، وَالْمَصَائِبِ الْمُكْفِّرَةِ، وَشَفَاعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدُعَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِ ذَلِكَ .

”اہل سنت کا اتفاق ہے کہ کسی گروہ کو فاسق نہیں کہہ سکتے، گواہ کو باغی کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ ان کے موقف میں تاویل و اجتہاد کی گنجائش ہے، مجتہد خطا کار کو نہ کافر کہا جاسکتا ہے، نہ فاسق۔ اگر بغاوت جان بوجھ کر ہو، تو یہ گناہ ہے، جن کے اثرات مختلف اسباب سے زائل ہو جائیں گے، مثلاً توبہ، گناہوں کو مٹا دینے والی نیکیاں، گناہوں کا کفارہ بننے والی مصائب، نبی کریم ﷺ کی شفاعت اور مومنین کی دعائیں وغیرہ۔“

(منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة والقدرية: ٤/٣٩٤)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ كَانَ عَلِيٌّ أَحَقَّ بِالْأَمْرِ مِنْ مُعَاوِيَةَ، وَلَا يَلْزَمُ مَنْ تَسْمِيَةِ أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ بُغَاةً تَكْفِيرُهُمْ كَمَا يُحَاوِلُهُ جَهْلَةُ الْفِرْقَةِ الضَّالَّةِ مِنَ الشَّيْعَةِ وَغَيْرِهِمْ لِأَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوا بُغَاةً فِي نَفْسِ الْأَمْرِ فَإِنَّهُمْ كَانُوا مُجْتَهِدِينَ فِيمَا تَعَاطَوْهُ مِنَ الْقِتَالِ وَلَيْسَ كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُّصِيبًا بِلِ الْمُصِيبِ لَهُ أَجْرَانِ وَالْمُخْطِئُ لَهُ أَجْرٌ .

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔“

اصحاب معاویہ پر باغی کا لفظ بولنے سے ان کا کافر ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ بعض گمراہ، جاہل شیعہ وغیرہ نے کہا ہے، کیوں کہ اگرچہ وہ باغی تھے، لیکن وہ اپنی لڑائی میں مجتہد تھے۔ ہر مجتہد درست نہیں ہوتا، بلکہ درست کو دوہرا اور غلطی کھانے والے کو اکہرا جرم ملتا ہے۔“

(البداية والنهاية : ۳/۲۱۸)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لَمْ يُنْكَرْ مُعَاوِيَةُ قَطُّ فَضْلَ عَلِيٍّ وَاسْتِحْقَاقَهُ الْخِلَافَةَ لَكِنْ اجْتِهَادُهُ أَدَاهُ إِلَى أَنْ رَأَى تَقْدِيمَ أَخِي الْقَوَدِ مِنْ قَتْلَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْبَيْعَةِ وَرَأَى نَفْسَهُ أَحَقَّ بِطَلَبِ دَمِ عُثْمَانَ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کے خلیفہ برحق ہونے کا انکار نہیں کیا، لیکن آپ نے اجتہاداً یہ سمجھا کہ قاتلین عثمان کا قصاص لینا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے مقدم ہے، نیز آپ خود کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔“

(الفصل في الملل والأهواء والنحل : ۴/۱۲۴)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے جنگ اجتہادی خطا کی بنا پر تھی۔ آپ کا خیال تھا کہ ہماری سیدنا عثمان سے قریبی رشتہ داری ہے، لہذا ہم ہی قصاص عثمان کے زیادہ حق دار ہیں، لیکن معاملہ طے پانے کے بجائے قتال کی شکل اختیار کر گیا۔ اس سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین لڑائی کا سبب بھی قصاص عثمان ہی

تھا۔ اس وقت بھی معاملہ الجھا اور لڑائی کی صورت اختیار کر گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ بعینہ ایک ہے۔ بعض الناس کا یہ کہنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے معذرت کر لی تھی، آپ روئیں، دوپٹہ تر ہو گیا، باسند صحیح ثابت نہیں۔

عالم اندلس، حافظ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فِيهِذَا قَطَعْنَا عَلَى صَوَابٍ عَلَيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَصَحَّةِ أَمَامَتِهِ  
وَأَنَّهُ صَاحِبُ الْحَقِّ وَإِنَّ لَهُ أَجْرَيْنِ أَجْرَ الْاجْتِهَادِ وَأَجْرَ  
الْإِصَابَةِ وَقَطَعْنَا أَنَّ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ مَعَهُ  
مُخْطِئُونَ مُجْتَهِدُونَ مَا جُورُونَ أَجْرًا وَاحِدًا.

”اس بنا پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ درستی پر تھے، آپ کی امامت حق تھی، حق پر تھے اور انہیں دوہرا اجر تھا، ایک اجتہاد کا اجر اور دوسرا درستی کا اجر۔ نیز ہم بانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم نوا خطا پر تھے اور مجتہد تھے، انہیں ایک اجر ملا۔“

(الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۱۲۵/۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

فَهَذَا الْحَدِيثُ مِنْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ إِذْ قَدْ وَقَعَ الْأَمْرُ طَبَقَ مَا أَخْبَرَ  
بِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَفِيهِ الْحُكْمُ بِإِسْلَامِ الطَّائِفَتَيْنِ  
أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ، لَا كَمَا يَزْعُمُهُ فِرْقَةُ الرَّافِضَةِ  
وَالْجَهْلَةِ الطَّغَامِ، مِنْ تَكْفِيرِهِمْ أَهْلَ الشَّامِ، وَفِيهِ أَنَّ أَصْحَابَ

عَلَيَّ أَذْنَى الطَّائِفَتَيْنِ إِلَى الْحَقِّ، وَهَذَا هُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْمُصِيبُ وَإِنْ كَانَ مُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدًا، وَهُوَ مَأْجُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَلَكِنْ عَلَيٌّ هُوَ الْإِمَامُ فَلَهُ أَجْرَانِ .

”یہ حدیث نبوت کے دلائل میں سے ہے، کیوں کہ واقعہ ایسے ہی ہوا، جیسے آپ ﷺ نے خبر دی۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ اہل شام اور اہل عراق دونوں گروہوں کو مسلمان کہا جائے، نہ کہ جیسے رافضی اور بے عقل جہلا اہل شام کی تکفیر کرتے ہیں، نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حق کے زیادہ قریب ہیں۔ اہل سنت کا مذہب بھی یہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، جو کہ ان شاء اللہ ماجور ہیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے، لہذا آپ کے لیے دوہرا اجر ہے۔“

(البداية والنهاية : ۲۷۹/۷)

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صریح غلطی پر تھے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت سے پیچھے کیوں رہی؟ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واقعتاً برسر بغاوت تھے، تو صحابہ نے ان کے ساتھ قتال کیوں نہ کیا؟ حالاں کہ قرآنی حکم کے مطابق باغی سے قتال ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں :

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ثابت نہیں۔ نہ ہی آپ نے کسی کو ایسا کرنے کا کہا۔ ایک روایت سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن وہ استدلال غلط ہے، بلکہ

باطل ہے، روایت یہ ہے۔

عامر بن سعد بن ابوقحاص رضی اللہ عنہ اپنے والد المحترم سعد بن ابوقحاص رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان

فرماتے ہیں:

أَمَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ سَعْدًا فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا  
التُّرَابِ؟ فَقَالَ: أَمَّا مَا ذَكَرْتُ ثَلَاثًا فَالْهَنْ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَنْ أُسَبِّهَ، لَأَنْ تَكُونَ لِي وَاحِدَةً مِنْهُنَّ أَحَبَّ  
إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهُ، خَلَفَهُ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: يَا  
رَسُولَ اللَّهِ خَلَفْتَنِي مَعَ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ  
هَارُونَ مِنْ مُوسَى؟ إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَوْمَ  
خَيْبَرَ: لَأُعْطِينَ الرَّأْيَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللَّهُ  
وَرَسُولُهُ قَالَ: فَتَطَاوَلْنَا لَهَا فَقَالَ: ادْعُوا لِي عَلِيًّا فَاتِي بِهِ  
أَرْمَدَ، فَبَصَقَ فِي عَيْنِهِ وَدَفَعَ الرَّأْيَةَ إِلَيْهِ، فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ،  
وَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَ  
كُمُ﴾ (آل عمران: ٦١) دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور پوچھا: آپ کی سیدنا ابو تراب (علی رضی اللہ عنہ) کو گالی نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگے: میں تو اس لیے گالی نہیں دیتا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرامین گرامی یاد ہیں، جو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمائے تھے، ہر فرمان مجھے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ میں نے خود سنا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں پیچھے چھوڑ دیا۔ سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اس پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کا میرے ہاں وہی مقام ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا؟ البتہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر والے دن فرماتے سنا: میں جنگ کا جھنڈا اس کے حوالے کروں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہو۔ ہم اس کی طمع کرنے لگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی کو میرے پاس لائیں، انہیں لایا گیا، آپ آشوب چشم کا شکار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب دھن لگایا اور جھنڈا تھما دیا۔ اللہ نے آپ کے ہاتھوں فتح بھی عطا فرمائی اور جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ﴾ (آل عمران: ۶۱) (فرما دیجئے، آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتیں ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ.....) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“



(صحیح مسلم: ۲۴۰۴)

## سب (گالی) کی تعریف:

شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ الْكَلَامُ الَّذِي يُقْصَدُ بِهِ الْإِنْتِقَاصُ وَالِاسْتِخْفَافُ وَهُوَ مَا يُفْهَمُ مِنَ السَّبِّ بِعُقُولِ النَّاسِ عَلَى اخْتِلَافِ اعْتِقَادَاتِهِمْ، كَاللَّعْنِ وَالتَّقْبِيحِ، وَنَحْوِهِمَا.

”سب (گالی) سے مراد ایسا کلام ہے، جس سے کسی کی شان میں تنقیص مقصود ہو۔ اس کا مفہوم لوگوں کے اعتقادات کے لحاظ سے مختلف ہوگا، مثلاً کسی کو لعین یا قبیح وغیرہ قرار دینا۔“

(الصّارم المسلول علی شاتم الرّسول ص ۵۶)

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو قبیح گالیاں نہیں دیتے تھے۔ جن صحابہ جیسا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ثابت ہے، اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اجتہاد میں خطا کا قرار دینا، ان کی رائے سے اختلاف رکھنا یا ان کے معاملہ کو غلط قرار دینا، مراد ہے۔

سب (گالی) کا ہر جگہ ایک معنی نہیں ہوتا، کسی کو برا بھلا کہنا یا اس پر لعن طعن کرنا بھی گالی ہے، مثلاً:

① سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کرتے

ہیں:

أَقْبَلْتُ عَلَيْهِمْ تَسْبُؤُهُمْ .

”آئیں اور کفار مکہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔“

(صحیح البخاری: ۵۲۰، صحیح مسلم: ۱۷۹۴)

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

ثُمَّ أَقْبَلْتُ عَلَيْهِمْ تَشْتِمُهُمْ .

”آپ آئیں اور انہیں برا بھلا کہنے لگیں۔“

② سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ بَيْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَبَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ شَيْءٌ، فَسَبَّهُ خَالِدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مَدًّا أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ .

”سیدنا خالد بن ولید اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازع ہوا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو نامناسب جملہ کہہ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کسی بھی صحابی پر طعن و تشنیع مت کریں، آپ احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کریں اور وہ مٹھی بھر جو خرچ کریں، اجر ان کا زیادہ ہوگا۔“

(صحیح البخاری: ۳۶۷۳ و صحیح مسلم: ۲۵۴۱ واللفظ لہ)

③ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ

أَوْ أُمُّ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ : مَا لَكَ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيَّبِ  
تَرْفُزِينَ؟ قَالَتْ : الْحُمَّى ، لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيهَا ، فَقَالَ : لَا تَسْبِي  
الْحُمَّى ، فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ ، كَمَا يُذْهِبُ الْكَبِيرُ  
خَبَثَ الْحَدِيدِ .

”نبی کریم ﷺ سیدہ ام سائب یا ام مسیب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا: ام  
سائب یا ام مسیب! آپ پر لرزہ کیوں طاری ہے؟ کہنے لگی: بخار ہے، اللہ  
اسے غارت کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بخار کو برا نہ کہیں، یہ تو انسان کے  
گناہوں کو یوں ختم کر دیتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو ختم کر دیتی ہے۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۷۵)

دوسرے یہ کہ اگر کوئی کہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا  
کرتے تھے، تو عرض ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جنگیں تک ہو گئیں اور یہ گناہ  
معاف ہو گیا، ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا تو انتہائی کم تر گناہ ہے، یہ تو بالاولیٰ معاف ہیں۔  
حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

فَقَوْلُ مُعَاوِيَةَ هَذَا لَيْسَ فِيهِ تَصْرِيحٌ بِأَنَّهُ أَمَرَ سَعْدًا بِسَبِّهِ  
وَإِنَّمَا سَأَلَهُ عَنِ السَّبَبِ الْمَانِعِ لَهُ مِنَ السَّبِّ كَأَنَّهُ يَقُولُ هَلْ  
امْتَنَعْتَ تَوَرُّعًا أَوْ خَوْفًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَإِنْ كَانَ تَوَرُّعًا وَاجْتِلَالًا  
لَهُ عَنِ السَّبِّ فَأَنْتَ مُصِيبٌ مُحْسِنٌ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَهُ  
جَوَابٌ آخَرُ وَلَعَلَّ سَعْدًا قَدْ كَانَ فِي طَائِفَةِ يَسْبُونَ فَلَمْ يَسْبِ

مَعَهُمْ وَعَجَزَ عَنِ الْإِنْكَارِ وَأَنْكَرَ عَلَيْهِمْ فَسَأَلَهُ هَذَا السُّؤَالَ  
قَالُوا: وَيَحْتَمِلُ تَأْوِيلًا آخَرَ أَنَّ مَعْنَاهُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُخَطِّئَهُ فِي  
رَأْيِهِ وَاجْتِهَادِهِ وَتُظْهِرَ لِلنَّاسِ حُسْنَ رَأْيِنَا وَاجْتِهَادِنَا وَأَنَّهُ  
أَخْطَأَ قَوْلُهُ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کہیں بھی صراحت نہیں کہ انہوں نے  
سعد رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا حکم دیا ہو، بلکہ آپ نے تو صرف یہ معلوم کرنا چاہا  
کہ ان کی گالیاں نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ گویا آپ یہ پوچھنا چاہتے ہوں کہ کیا  
آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دیتے، وجہ کیا ہے، عزت و عظمت کا لحاظ،  
خوف یا کوئی اور؟ اگر تو آپ کو گالیاں دینے سے مانع تقویٰ و ورع اور شان  
و عظمت ہے، تو آپ حق بجانب ہیں اور اگر کوئی اور سبب ہے، تو کوئی اور جواب  
ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ اس گروہ میں ہوں، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم  
کرتے تھے اور سعد رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہونے کے باوجود گالی نہ دیتے ہوں اور  
ان پر رد بھی نہ کر سکتے ہوں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شاتمیں علی پر رد کرتے  
ہوئے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا۔ شارحین حدیث کہتے ہیں: اس کا ایک  
معنی یہ ہو سکتا ہے کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد اور رائے کو غلط قرار کیوں نہیں دیتے  
اور یہ بیان کیوں نہیں کرتے کہ ہماری رائے اور اجتہاد صحیح ہے اور ان سے غلطی  
ہو رہی ہے؟“

(شرح صحیح مسلم: ۵/۱۷۵-۱۷۶)

علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (۶۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذَا لَيْسَ بِتَصْرِيحٍ بِالسَّبِّ، وَإِنَّمَا هُوَ سُؤَالٌ عَنْ سَبِّ  
 اِمْتِنَاعِهِ لِيَسْتَخْرِجَ مَا عِنْدَهُ مِنْ ذَلِكَ، أَوْ مِنْ نَقِيضِهِ، كَمَا قَدْ  
 ظَهَرَ مِنْ جَوَابِهِ، وَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ مُعَاوِيَةُ سَكَتَ وَأَدْعَنَ،  
 وَعَرَفَ الْحَقَّ لِمُسْتَحِقِّهِ .

”یہ گالی کی صراحت نہیں ہے، بلکہ یہاں تو فقط گالی نہ دینے کی وجہ بیان کی گئی  
 ہے، تاکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جان لیں کہ ان کے نزدیک گالی نہ دینے یا  
 تنقیض نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جیسا کہ جواب سے واضح ہے اور جب  
 معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواباً فضائل علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے سنا، تو خاموش رہے اور  
 کان لگا کر سنا اور جان گئے کہ یہ اپنے موقف میں حق بجانب ہیں۔“

(المفہم لما أشكل من تلخیص مسلم ۶/۲۷۶)

اہل علم کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے  
 سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا نہیں کہا، بلکہ ان کا موقف معلوم کرنا چاہا۔  
 مشاجرات صحابہ یعنی جنگیں ہوں یا باہمی اختلاف یا پھر ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا ہو،  
 تو اہل سنت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ صحابہ کے بارے میں زبان بندی کی جائے اور ان  
 سب سے محبت کرتے ہوئے ترحم اور استغفار کی جائے۔

یہ احادیث محدثین کی ہیں، وہ ان کے مطالب و معافی اور مفاہیم سے بخوبی آشنا تھے۔  
 اس کے باوجود وہ مشاجرات صحابہ میں زبان بندی کا کہتے ہیں۔ کسی کی طرف داری کرتے  
 ہیں، نہ کسی سے عداوت رکھتے ہیں، بلکہ تمام صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کے قائل ہیں،  
 ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اور دشمنان صحابہ کے لیے ننگی تلوار ہیں۔

## تنبیہ نمبر: ①

عبداللہ بن فائد اور تحیم بن حفص کہتے ہیں:

كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ : أَظْهَرَ شَتَمَ عَلِيٍّ  
وَتَنَقَّصَهُ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ : مَا أَحَبُّ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ كُلَّمَا  
عَتَبْتَ تَنَقَّصْتَ، وَكُلَّمَا غَضِبْتَ ضَرَبْتَ، لَيْسَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ  
ذَلِكَ حَاجِزٌ مِّنْ حِلْمِكَ وَلَا تَجَاوِزُ بِعَفْوِكَ .

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں سیدنا  
علی رضی اللہ عنہ کو گالی گلوچ اور تنقیص کا اظہار کیا، سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً خط لکھا:  
امیر المؤمنین! مجھے پسند نہیں، آپ جب جرح کرتے ہیں، تو شان میں تنقیص  
کرتے ہیں اور جب غصے ہوتے ہیں، تو مارتے ہیں۔ اس سب میں آپ کا حلم  
یاد رگزی حائل نہیں ہوتی۔“

(أنساب الأشراف للبلاذري: ۲۳/۵)

## تبصرہ:

سفید جھوٹ ہے۔ عبداللہ بن فائد اور تحیم بن حفص دونوں مجہول ہیں، نیز انہوں نے  
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

## تنبیہ نمبر: ②

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے لکھا ہے:

”ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجدِ نبوی میں ممبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ (الطبری، جلد ۴، ص ۱۸۸، ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۳۲، ج ۴، ص ۱۵۲، البدایہ، ج ۸، ص ۲۵۹، ج ۹، ص ۸۰) کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔“

(خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۴)

تبصرہ:

قارئین کرام! طبری کے محولہ صفحہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ مودودی صاحب تو فوت ہو گئے، اب ان احباب سے اس کا حوالہ درکار ہے، جو ان کی جراتوں کو سند جواز فراہم کرتے رہتے ہیں۔

جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے، تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک صحابی پر بہتان ہے، شریعت تو درکنار انسانی اخلاق بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

تنبیہ نمبر: (۳)

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں سَبِّ عَلِيٍّ کی جگہ یہ پڑھنی شروع کر دی: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُم لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل: ۹۰)“

(خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۴)

تبصرہ:

سوال یہ ہے کہ وہ کون سی غلط روایات تھیں، جنہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بدلا۔ کیا تحقیق اسی کا نام ہے کہ جھوٹے قصوں سے استدلال کیا جائے؟ ائمہ اہل سنت کے منہج سے انحراف، محدثین سے خود کو بے نیاز سمجھنا اور اصحاب پاک مصطفیٰ کے بارے میں بدعقیدگی کا درس پڑھانا ہی اگر تحقیق ہے، تو معاف کیجئے گا حضور! ہمارا ایمان اس تحقیق پر مطمئن نہیں۔

یوم حساب اگر حق ہے تو ہم اپنے نامہ اعمال میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں لکھوانا چاہتے، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھا ہو کہ یہ بندہ نعوذ باللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منافق اور فاسق کہتا تھا۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

فائدہ:

عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا سَعْدٌ يَمْشِي إِذْ مَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَشْتِمُ عَلِيًّا، وَطَلَحَةً،



وَالزُّبَيْرَ، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: إِنَّكَ لَتَسُبُّ قَوْمًا قَدْ سَبَقَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا سَبَقَ، وَاللَّهِ لَتَكْفَنَنَّ عَنْ سَبِّهِمْ أَوْ لَأَدْعُوَنَّ اللَّهَ عَلَيْكَ، قَالَ: يُخَوِّفُنِي كَأَنَّهُ نَبِيٌّ، قَالَ: فَقَالَ سَعْدٌ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ يَسُبُّ أَقْوَامًا قَدْ سَبَقَ لَهُمْ مِنْكَ مَا سَبَقَ، فَاجْعَلْهُ الْيَوْمَ نَكَالًا، قَالَ: فَجَاءَتْ بُحْتِيَّةٌ فَأَفْرَجَ النَّاسُ فَتَخَبَّطَتْهُ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّاسَ يَتَّبِعُونَ سَعْدًا، وَيَقُولُونَ: اسْتَجَابَ اللَّهُ لَكَ أَبَا إِسْحَاقَ.

”سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ چل رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس سے گزر ہوا، جو سیدنا علی، سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کر رہا تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ایسی ہستیاں کو گالیاں دے رہے ہیں، جن کے فضائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں؟ اللہ کی قسم! گالیوں سے باز آ جاؤ، ورنہ میں آپ پر بددعا کر دوں گا۔ وہ آدمی کہنے لگا: (دیکھو!) یہ مجھے ایسے ڈراتا ہے، جیسے کوئی نبی ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اللہ! اگر یہ فاضل شخصیات پر سب و شتم کرے، تو اسے نشان عبرت بنا دے۔ (یہ کہنے کی دیر تھی کہ) بختی اونٹنی آئی، لوگ بھاگ گئے اور اونٹنی نے اس آدمی کو روند کر رکھ دیا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا، وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پیچھے گئے اور کہنے لگے: ابو اسحاق! (سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی کنیت) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔“

(دلائل النبوة للبيهقي: ۱۹۰/۶)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ محمد بن محمد بن الاسود ”مجهول الحال“ ہے، سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے کسی نے توثیق نہیں کی۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں، نہ کسی کو ایسا کرنے کا کہا۔ روز قیامت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ لے کر ہم اللہ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

نوٹ:

عیدین میں اذان و اقامت کی بدعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع نہیں ہوئی، یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتہام ہے۔  
پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں:

”بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں شروع ہو گیا تھا، مگر ان کے اخلاف نے تو انتہا کر دی، یہاں اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، مختصراً ایک بدعت ہی کا ذکر کیا جاتا ہے، محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں..... عیدین میں اذان اور اقامت نہ کہنا سنت ہے، مگر جناب معاویہ نے نماز عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروادی (فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۵۴۰)۔“

(نام و نسب، ص ۵۱۹)

ابن عربی صاحب تو ہوئے ملحد، ان کی بات کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ بدعات کا سلسلہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہو گیا تھا اور اس پر دلیل بھی قائم نہ کرنا، خبث باطن

نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ گوڑوی صاحب کی زبان سے تو ایسی بات بالکل نہیں جچتی، جس ماحول میں وہ پلے بڑھے اور جس ماحول میں انہوں نے زندگی کے شب و روز گزارے، بدعات اس میں کیا کم ہیں؟ کیا اس ماحول بارے کبھی خامہ فرسائی کی؟

## استلحاق معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقت

سید ابوالاعلیٰ مودودی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر معترض ہیں:

”زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد انہی کے نطفہ سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے

وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کا صاف حکم موجود ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو، اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔“

(خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۵)

## استلحاق:

لُغَةً: مَصْدَرٌ اسْتَلْحَقَ، يُقَالُ: اسْتَلْحَقَهُ ادَّعَاهُ.

”استلحاق استلحق باب کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: اس نے اسے پکارا۔“

(لسان العرب، وتاج العروس، والصّاح في مادة لحق)

اصْطِلَاحًا: هُوَ الْإِقْرَارُ بِالنَّسَبِ، وَالتَّعْيِيرُ بِلَفْظِ الْإِسْتِلْحَاقِ هُوَ اسْتِعْمَالُ الْمَالِكِيَّةِ، وَالشَّافِعِيَّةِ، وَالْحَنَابِلَةِ، وَأَمَّا الْحَنْفِيَّةُ فَاسْتَعْمَلُوهُ فِي الْإِقْرَارِ بِالنَّسَبِ عَلَى قِلَّةٍ.

”اصطلاح میں نسب کے اقرار کو استلحاق کہتے ہیں۔ استلحاق کی اصطلاح مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ استعمال کرتے ہیں۔ حنفیہ اس معنی میں بہت کم استعمال کرتے ہیں۔“

(حاشیۃ البجیرمی علی شرح المنہج: ۹۱/۳، ط المکتب الإسلامی، وفتح العزیز

: ۶۱/۳، والشرح الكبير مع حاشیۃ الدسوقي: ۴/۴۱۲)

یعنی کسی بچے سے نسبی رشتے کا دعویٰ کرنا استلحاق کہلاتا ہے۔ استلحاق رشتہ دار بھی کر

سکتے ہیں۔

## استلحاق کی شرائط:

استلحاق کی چند شرائط ہیں، استلحاق کے جائز ہونے کی چند شرائط ہیں، جن کے بغیر اس کا اعتبار نہیں۔

① استلحاق مجہول النسب بچے سے ہو سکتا ہے، اگر اس بچے کا نسب کسی دوسرے شخص سے معروف ہو تو دعویٰ استلحاق درست نہیں۔ کیوں کہ آپ اس کا نسب توڑ کر اپنے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر لعنت کی ہے، جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور طرف منسوب ہو جائے۔

② آپ جس کے ساتھ استلحاق کر رہے ہیں، آپ کے نسب میں اور اس کے نسب میں ثبوت کا احتمال ہو، نہ تو اس بچے کا کوئی دوسرا دعویدار ہو اور نہ کوئی ایسی راہ ہو جس سے آپ کے اس کے ساتھ نسب کی تکذیب ہو سکے۔ مثلاً: آپ کسی ایسے عارضے میں مبتلا نہ ہوں، جس کی وجہ سے اولاد کا ہونا ممکن نہیں رہتا۔ اسی طرح بچے اور آپ کی عمر میں اتنا تفاوت ہو کہ عقلاً آپ کا اس سے استلحاق ممکن نہ ہو۔

③ جس سے استلحاق کیا جا رہا ہے، وہ اس کی تصدیق کرے۔

④ استلحاق میں بچے کا نسب بدلنا مقصود نہ ہو۔

یاد رہے کہ سچ معلوم ہو، تو استلحاق واجب ہے اور اگر جھوٹ ہو یا نسب کی نفی کی جائے، تو یہ حرام ہے، کیوں کہ اس میں کفران نعمت ہے۔

## استلحاق معاویہ:

رہا مسئلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے استحقاق کا، بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کیا تھا، جب کہ وہ اس سے قبل زیاد بن عبید ثقفی نام سے مشہور تھا۔ یہ بات بالکل بے حقیقت ہے۔ اس سلسلہ میں جس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ هَاشِمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ بَشِيرٍ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، أَنَّ زِيَادًا لَمَّا قَدِمَ الْكُوفَةَ، قَالَ: قَدْ جِئْتُكُمْ فِي أَمْرٍ مَا طَلَبْتُهُ إِلَّا إِلَيْكُمْ، قَالُوا: ادْعُنَا إِلَى مَا شِئْتَ، قَالَ: تُلْحِقُونَ نَسَبِي بِمُعَاوِيَةَ، قَالُوا: أَمَّا بِشَهَادَةِ الزُّورِ فَلَا، فَآتَى الْبَصْرَةَ، فَشَهِدَ لَهُ رَجُلٌ.

”ابو اسحاق سمیع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ زیاد کوفہ آ کر کہنے لگا: میں آپ سے ایک مطالبہ کرنا چاہتا ہوں۔ اہل کوفہ کہنے لگے: ہم حاضر ہیں، کیا چاہیے؟ کہنے لگا: تم میرا نسب معاویہ سے ملا دو۔ کہنے لگے: جھوٹی گواہی سے تو نہیں ملا سکتے، زیاد بصرہ آیا، تو ایک بندے نے گواہی دی۔“

(تاریخ الطبری: ۲۱۵/۵)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔



عمر بن بشیر ہمدانی ضعیف ہے۔ اسے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ضعیف کہا

①

ہے۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ وَجَابِرُ الْجُعْفِيِّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ .  
 ”قوی نہیں ہے، حدیث لکھ لی جائے گی۔ اس سے تو جابر جعفی (کذاب) مجھے  
 زیادہ محبوب ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۰۰/۶)

یہ تضعیف نسبی ہے۔

② ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ مختلط ہیں۔ عمر بن بشیر ہمدانی کے متعلق معلوم نہ ہو سکا  
 کہ یہ قبل از اختلاف روایت کرتا ہے یا بعد از اختلاف۔

✽ بالفرض روایت کو صحیح مان لیں، تب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کا استلحاق مذکورہ شرائط  
 سے صحیح ہے۔

① استلحاق معاویہ سے قبل زیاد کا نسب مجہول تھا، اس کی ماں کا نام سمیہ ہے،  
 باپ کا نام معلوم نہ تھا۔ اسی لیے اسے زیاد بن ابیہ بھی کہا جاتا تھا۔ زیاد بن عبید ثقفی کہنا صحیح تو  
 کجا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں، لہذا (بشرط صحت روایت) معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کا  
 اپنے والد ابوسفیان سے استلحاق صحیح ہے۔

② زیاد اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نسب محتمل الثبوت ہے، کیوں کہ دونوں کی عمر میں  
 وہ تناسب موجود ہے، جو ایک باپ بیٹے میں ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس عمر  
 میں نہ خصی تھے اور نہ کوئی عارضہ لاحق تھا، نیز کوئی اور استلحاق کا مدعی بھی نہ تھا۔

③ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہہ دیا گیا کہ زیاد ان کا ولد زنی تھا، تو  
 مستلحق نہ یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اعتراف کی ضرورت نہیں۔

③ استحقاق معاویہ (بشرط صحت روایت) میں مقصود مستلحق زیاد کا نسب بدلنا مقصود نہیں ہے، کیوں کہ نہ تو اس سے قبل وہ معروف النسب ہے اور نہ کوئی اور مدعی ہے، نیز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ولد زنی بھی کہا جاتا ہے۔  
اولاً تو ایسا کچھ ثابت نہیں، لیکن اگر ثابت سمجھا جائے، تو بھی مذکورہ شرائط کی رو سے استحقاق معاویہ درست ہوگا۔ واللہ الحمد

تنبیہ:

شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۲۸۹) میں ہے:  
مِنْ أَيْنَ تَرَى أَخَذَهَا الْحِمَارُ.  
”اس گدھے نے یہ کہاں سے سیکھ لیا۔“

تبصرہ:

یہ شاذ (ضعیف) ہے۔

① صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہے۔

② عبد الوہاب بن عطاء خفاف (حسن الحدیث) نے عثمان بن عمر جیسے ثقات و اوثق کی مخالفت کی ہے، عبد الوہاب کے علاوہ کسی نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے۔

③ یہ بات سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شان سے بعید ہے۔

④ ایک وتر نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین کی جماعت سے ثابت ہے۔

⑤ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشا کے بعد

ایک وتر پڑھا، ان کے پاس سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام بھی موجود تھے، غلام نے



آکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:  
دَعُهُ، فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.  
”درست! وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں۔“

(صحیح البخاری: ۳۷۶۴)

صحیح البخاری (۳۷۶۵) میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:  
إِنَّهُ فَقِيهٌ.

”معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ ہیں۔“

امام عطاء بن ابورباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:  
إِنَّ مُعَاوِيَةَ أَوْ تَرَ بَرَكْعَةً، فَأُنْكَرَ ذَلِكَ عَلَيْهِ، فَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ،  
فَقَالَ: أَصَابَ السُّنَّةَ.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا، تو ان پر اعتراض ہوا، سیدنا عبداللہ بن  
عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو فرمایا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت پر عمل کیا ہے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۲/۲۹۱، وسنده صحيح)

ثابت ہوا کہ ایک وتر سنت ہے، نیز فقیہ ہونے کی نشانی بھی۔ سیدنا معاویہ اور سیدنا  
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی ایک رکعت وتر کے قائل و فاعل تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر قنوت؟

عبدالرحمن بن معقل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، قَالَ: فَقَنْتَ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ:

اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِمُعَاوِيَةَ وَأَشْيَاعِهِ، وَعَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ  
وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي السُّلَمِيِّ وَأَشْيَاعِهِ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ  
وَأَشْيَاعِهِ.

”میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آپ نے قنوت پڑھی اور فرمایا  
: اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر دے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور  
ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر دے، ابوسلمی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر اور  
عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر دے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ١٠٨/٢، ح: ٧٠٥٠، وسندّه صحيح)

تبصرہ:

- ① یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تھی، بتقاضائے بشریت ایسا ہو جاتا ہے،  
خصوصاً جنگ کی صورت میں ایسا ہو جانا عین ممکن ہے۔
- ② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ جمل اور سیدنا  
معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین واقع ہوئی، قنوت کرنا جنگ سے بڑا  
اقدام نہیں ہے۔
- ③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہ طور خاص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف قنوت نہیں کی،  
بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں بہت سے صحابہ شامل ہیں، تو صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے  
میں ہرزہ سرائی چہ معنی؟

جب کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو زبان نبوت سے مومن کہا گیا (مسند احمد: ۲/۲۰۳،

وسندہ حسن)، آپ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بے شمار صحابہ شامل ہیں۔

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مشاجرات صحابہ میں سے ہے اور مشاجرات کے معاملے میں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ زبان بندی چاہیے اور صحابہ کے حق میں دعائے مغفرت۔

جو لوگ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں گم راہ ہیں، وہ صحابہ کے خلاف روافض، خوارج اور نواصب کے لئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ مشاجرات صحابہ میں اہل سنت کے مسلک و مذہب سیانحراف کرنے والا درحقیقت صحابہ کا دشمن ہے، بھلے وہ محبت کے لاکھوں دعوے ہی کیوں نہ کرے۔

⑤ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے معاف کر دیا ہے، دشمنان صحابہ لاکھ کوشش کریں ان سے یہ اعزاز چھین نہیں سکتے، ائمہ اہل سنت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے واقف تھے، اس کے باوجود طرف دار نہیں ہوئے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا مانتے تھے۔

⑥ ائمہ اہل سنت نے اس بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون نہیں کیا، بلکہ ان کے حق میں ترحم اور استغفار کرتے ہیں، البتہ روافض، خوارج اور معتزلہ اس کی آڑ میں کئی برائیوں کے مرتکب ہیں۔

**قصاص عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ**

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ وَنَسَوَاتُهَا تَنْطَفُ، قُلْتُ : قَدْ كَانَ مِنْ  
 أَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَيْنَ، فَلَمْ يُجْعَلْ لِي مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ، فَقَالَتْ :  
 الْحَقُّ فَإِنَّهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، وَأَخْشَى أَنْ يَكُونَ فِي احْتِبَاسِكَ  
 عَنْهُمْ فُرْقَةٌ، فَلَمْ تَدْعُهُ حَتَّى ذَهَبَ، فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ خَطَبَ  
 مُعَاوِيَةُ قَالَ : مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي هَذَا الْأَمْرِ فَلْيُطْلِعْ لَنَا  
 قَرْنَهُ، فَلَنَحْنُ أَحَقُّ بِهِ مِنْهُ وَمِنْ أَبِيهِ، قَالَ حَبِيبُ بْنُ مَسْلَمَةَ :  
 فَهَلَّا أَجَبْتَهُ؟ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَحَلَلْتُ حُبُوتِي، وَهَمَمْتُ أَنْ  
 أَقُولَ : أَحَقُّ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْكَ مَنْ قَاتَلَكَ وَأَبَاكَ عَلَى الْإِسْلَامِ،  
 فَخَشِيتُ أَنْ أَقُولَ كَلِمَةً تُفَرِّقُ بَيْنَ الْجَمْعِ، وَتَسْفِكُ الدَّمَ،  
 وَيَحْمِلُ عَنِّي غَيْرَ ذَلِكَ، فَذَكَرْتُ مَا أَعَدَّ اللَّهُ فِي الْجَنَانِ .

”میں اپنی بہن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کی مینڈھیوں  
 سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ دیکھ رہی ہیں کہ  
 لوگ کیا کر رہے ہیں، مجھے کوئی اختیار نہیں دیا گیا! کہنے لگیں: جائیے، آپ کا  
 انتظار ہو رہا ہوگا۔ اندیشہ ہے کہ آپ کے نہ جانے سے اختلاف بڑھ سکتا ہے۔  
 یہ کہنے کی دیر تھی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چلے گئے، جب لوگوں نے (قصاص  
 عثمان میں) اختلاف کیا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اس مسئلہ  
 میں جو اظہار رائے کرنا چاہتا ہے، سامنے آئے، جب کہ ہم قصاص عثمان رضی اللہ عنہ

کے علی رضی اللہ عنہ اور اس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ  
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: تو پھر آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب کیوں نہ  
دیا؟ عبداللہ کہنے لگے، میں نے اپنا جبوہ کھولا اور کہا کہ قصاص عثمان کا زیادہ حق  
دار وہ ہے، جس نے اسلام پر آپ سے اور آپ کے باپ سے قتال کیا تھا  
(یعنی علی رضی اللہ عنہ)، لیکن پھر میں ڈر گیا کہ کہیں کوئی ایسا کلمہ نہ کہہ بیٹھوں، جو لوگوں  
میں اختلاف اور خون ریزی کا موجب بنے اور میرے متعلق وہ کچھ کہا جائے،  
جس کا میں نے ارادہ بھی نہ کیا ہو۔ مجھے اللہ کی تیار کردہ جنت کی نعمتیں یاد آ  
گئیں۔“

(صحیح البخاری: ۴۱۰۸)

یہ واقعہ قصاص عثمان سے متعلق ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کہ انہوں نے  
خلافت کی تمنا کی ہو یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننے کا ارادہ کیا ہو، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ تو سیدنا  
علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کے کسی فرد نے بھی کبھی  
اظہار نہیں کیا کہ یہ لوگ ہم سے خلافت چھیننا چاہتے ہیں۔

در اصل واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا  
علی رضی اللہ عنہ سے قاتلین عثمان کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جواب پر  
انہیں اطمینان نہ ہوا، اختلاف واقع ہو گیا، جو بعد میں لڑائی کی صورت اختیار کر گیا۔ اس  
جنگ کو جنگ جمل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے ایک سال بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ  
یہی مطالبہ لے کر میدان میں اترے۔ آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قرابت دار تھے، اس

بنیاد پر سیدنا عثمان کے قصاص کا مطالبہ کیا، تو خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جوابات کہی، اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے، اختلاف واقع ہو گیا۔ اس روایت میں اسی اختلاف کی طرف اشارہ ہے، یہی اختلاف جنگ صفین کا باعث بنا۔ جو سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین لڑی گئی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات پر نالاں تھے کہ اس اختلاف کے حل میں مجھ سے کوئی رائے نہیں لی گئی۔ مجھے کسی معاملہ کا مختار نہیں بنایا گیا۔ تب ہی تو آپ رضی اللہ عنہما کی بہن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں کہ آپ جائیں، اپنا کردار ادا کریں، ورنہ اختلاف زور پکڑ سکتا ہے۔ جب معاملہ طے پانے کے بجائے اختلاف کی طرف چلا گیا، تو اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا کہ کوئی اظہار رائے کرنا چاہتا ہے، تو سامنے آئے۔ میں قرابت کی بنا پر قصاص عثمان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ سے زیادہ حق دار ہوں۔ یہ بات بہ طور محاورہ فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے تھے، مصلحت کے پیش نظر رک گئے۔ کہنا یہ چاہتے تھے کہ قصاص عثمان کے حق دار تو علی رضی اللہ عنہ ہیں، جو اسلام پر آپ اور آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف خندق وغیرہ میں قتال کرتے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ بعد میں مسلمان ہوئے ہو، جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ میرا مومنین بھی ہیں اور ان کی سبقت اسلام اور خدمت اسلام جیسی حسنات بھی ہیں۔

سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَفَدَّ الْمِقْدَامُ بْنُ مَعْدِي كَرَبَ، وَعَمَرُو بْنُ الْأَسْوَدِ، وَرَجُلٌ

مِنْ بَنِي أَسَدٍ مِنْ أَهْلِ قِنَسَرِينَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ،  
فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لِلْمِقْدَامِ: أَعْلِمْتَ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ تُوْفِّي؟  
فَرَجَعَ الْمِقْدَامُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَتَرَاهَا مُصِيبَةً؟ قَالَ لَهُ: وَلَمْ لَا  
أَرَاهَا مُصِيبَةً، وَقَدْ وَضَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فِي حِجْرِهِ فَقَالَ: هَذَا مِنِّي وَحُسَيْنٌ مِّنْ عَلِيٍّ؟ فَقَالَ  
الْأَسَدِيُّ: جَمْرَةٌ أَطْفَأَهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: فَقَالَ الْمِقْدَامُ:  
أَمَّا أَنَا فَلَا أَبْرَحُ الْيَوْمَ حَتَّى أُغِيْظَكَ، وَأُسْمِعَكَ مَا تَكْرَهُ، ثُمَّ  
قَالَ: يَا مُعَاوِيَةُ إِنَّ أَنَا صَدَقْتُ فَصَدِّقْنِي، وَإِن أَنَا كَذَبْتُ  
فَكُذِّبْنِي، قَالَ: أَفَعَلُ، قَالَ: فَانْشُدْكَ بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ رَسُولَ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ؟ قَالَ:  
نَعَمْ، قَالَ: فَانْشُدْكَ بِاللَّهِ، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَانْشُدْكَ  
بِاللَّهِ، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى  
عَنْ لُبْسِ جُلُودِ السَّبَاعِ وَالرُّكُوبِ عَلَيْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ:  
فَوَاللَّهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ هَذَا كُلَّهُ فِي بَيْتِكَ يَا مُعَاوِيَةُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ:  
قَدْ عَلِمْتُ أَنِّي لَنْ أَنْجُو مِنْكَ يَا مِقْدَامُ، قَالَ خَالِدٌ: فَأَمَرَ لَهُ  
مُعَاوِيَةُ بِمَا لَمْ يَأْمُرْ لِصَاحِبِيهِ وَفَرَضَ لِابْنِهِ فِي الْمِائَتَيْنِ،  
فَفَرَّقَهَا الْمِقْدَامُ فِي أَصْحَابِهِ، قَالَ: وَلَمْ يُعْطِ الْأَسَدِيُّ أَحَدًا

شَيْئًا مِّمَّا أَخَذَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ : أَمَّا الْمِقْدَامُ فَرَجُلٌ  
كَرِيمٌ بَسَطَ يَدَهُ، وَأَمَّا الْأَسَدِيُّ فَرَجُلٌ حَسَنُ الْإِمْسَاكِ لِشَيْئِهِ .

”سیدنا مقدم بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور قبیلہ بنو اسد کا ایک آدمی سیدنا  
معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مقدم  
بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے کہا: معلوم ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے ہیں؟  
سیدنا مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ایک بندہ  
بول اٹھا: آپ اسے مصیبت سمجھتے ہیں؟ فرمایا: میں اسے مصیبت کیوں نہ  
سمجھوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں بٹھا کر فرمایا کرتے تھے: یہ  
مجھ سے ہے اور حسین علی سے ہے۔ اسدی کہنے لگا: یہ تو ایک انگارہ تھا، جسے اللہ  
عز وجل نے بچھا دیا۔ سیدنا مقدم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں تو آج تجھے تیش دلاتا  
رہوں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا، جنہیں سننے کو تیرا من نہیں کرتا۔ پھر سیدنا  
معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میں سچ کہوں، تو تائید کیجئے گا اور غلطی کھاؤں، تو  
ٹوک دیجئے گا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جی ضرور۔ مقدم رضی اللہ عنہ نے اللہ کا  
واسطہ دے کر پوچھا، کیا آپ کے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مردوں  
کو) سونا استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، فرمایا: جی، فرمایا: آپ کو اللہ کا واسطہ  
دے کر پوچھتا ہوں، کیا معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مردوں کو) ریشم  
پہننے سے منع فرمایا ہے، فرمایا: جی ہاں۔ فرمایا: اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، آیا آپ  
جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کا چمڑا پہننے اور (ان کے چمڑے



سے بنی ہوئی زین) پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے، فرمایا: جی۔ مقدم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: معاویہ! یہ سب کچھ میں نے آپ کے گھر میں دیکھا ہے! معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مقدم! میں جانتا تھا کہ مجھے آپ سے خلاصی کہاں؟ (راوی) خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقدم رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت دوسرے دوستاچیوں کے زیادہ مال دیا اور ان کے بیٹے کے لیے بھی بیت المال سے دوسو درہم مقرر کر دیے۔ سیدنا مقدم رضی اللہ عنہ نے تو مال ساتھیوں میں تقسیم کر دیا، لیکن اسدی نے کسی کو کچھ نہ دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی، تو فرمایا: مقدم رضی اللہ عنہ سخی دل آدمی ہیں اور اسدی سنبھال سنبھال کر رکھنے میں بڑا ماہر ہے۔“

(سنن أبي داود: ٤١٣١، المعجم الكبير للطبراني: ٢٠/٢٦٩، ح: ٦٣٦)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔

① بقیہ بن ولید تدریس تسویہ کا مرتکب ہے، سماع بالمسلسل درکار ہے!

جس روایت میں سماع کی تصریح موجود ہے، وہاں جَمْرَةٌ اُطْفَاها اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

کے الفاظ نہیں ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ بقیہ بن ولید کی بحیر بن سعد سے روایت صحیح ہے، کیوں کہ ان کے پاس

بحیر کا نسخہ موجود تھا۔ یہ روایت بھی بقیہ عن بحیر سے ہے، لہذا صحیح ہے۔

عرض ہے کہ یہ ثابت نہیں کہ بقیہ کے پاس بحیر بن سعد کی کوئی کتاب تھی۔

اکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: (۲/۲۶۴) کے حوالے سے کہنا کہ بقیہ کے پاس بحیر بن سعد کی کتاب تھی، صحیح نہیں، کیوں کہ اس کی سند میں امام ابن عدی کے استاذ فضل بن عبد اللہ بن سلیمان مجہول ہیں، کسی سے توثیق ثابت نہیں۔

اسی بنیاد پر ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا بقیہ کی بحیر بن سعد سے روایت سماع پر محمول ہے۔ جس بنیاد پر یہ کہا گیا، وہ ہی ضعیف ہے۔

لہذا یہ ثابت نہیں کہ بقیہ بن ولید کے پاس بحیر کی کوئی کتاب تھی۔

بقیہ کے پاس بحیر کی کتاب نہ ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے، اگر روایت کتاب سے ہو، تو الفاظ میں اختلاف نہیں ہوتا۔ فافہم وتدبر!

② یہ کہنا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو برا کہا گیا اور انہوں نے کوئی روک ٹوک نہیں کی، تو عرض ہے کہ وہاں سیدنا مقدم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے کیوں نہ روکا؟ ما ہو جوابکم فیہ، فہو جوابنا فیہ!

③ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل تھے۔

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما خود بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْصُ لِسَانَهُ أَوْ شَفَتَهُ، يَعْنِي الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَإِنَّهُ لَنْ يُعَذَّبَ لِسَانٌ أَوْ شَفَتَانِ مَصَّهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”میں عینی شاہد ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زبان یا ہونٹ چوس

رہے تھے اور جس زبان یا ہونٹوں کو رسول اللہ ﷺ چوس لیں، انہیں کبھی عذاب نہیں چھوئے گا۔“

(مسند الإمام أحمد: ۹۳/۴، وسندہ صحیح)

لہذا کہنا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے تھے، باطل ہے۔

## خلافتِ یزید

یوسف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اسْتَعْمَلَهُ مُعَاوِيَةُ فَخَطَبَ، فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ لِكَيْ يُبَايِعَ لَهُ بَعْدَ أَبِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ شَيْئًا، فَقَالَ: خُذُوهُ، فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوا، فَقَالَ مَرْوَانُ: إِنَّ هَذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ، ﴿وَالَّذِي قَالَ لِيَا أَوْلَدَيْهِ أَفْ لَكُمْ أَنْتَعِدَانِي﴾ (الأحقاف: ۱۷)، فَقَالَتْ عَائِشَةُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ: مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيْنَا شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ عَذْرِي.

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو حجاز کی گورنری سونپی۔ مروان نے خطبہ دیا اور یزید بن معاویہ کے محاسن بیان کرنے لگا تا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی بیعت کی جائے۔ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے انہیں کچھ کہا، تو مروان نے کہا: اسے پکڑو، آپ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہو گئے، یوں ان کا بس نہ

چلا۔ مروان کہنے لگا: ایسوں کے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي﴾ (الأحقاف: ۱۷) جس نے اپنے والدین سے کہا: اف ہوتم پر مجھے ڈراتے ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سوائے میرے عذر کے ہمارے متعلق کچھ نازل نہیں کیا۔“

(صحیح البخاری: ۴۸۲۷)

محمد بن زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا بَايَعَ مُعَاوِيَةَ لِابْنِهِ، قَالَ مَرْوَانُ: سُنَّةُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: سُنَّةُ هِرْقَلٍ وَقَيْصَرَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: هَذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا﴾ (الأحقاف: ۱۷) الْآيَةَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ: كَذَبَ وَاللَّهِ، مَا هُوَ بِهِ، وَإِنْ شِئْتُ أَنْ أُسَمِّيَ الَّذِي أَنْزَلَتْ فِيهِ لَسَمَّيْتُهُ، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ أَبَا مَرْوَانَ، وَمَرْوَانُ فِي صُلْبِهِ، فَمَرْوَانُ فَضَضُ مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ.

”جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لے رہے تھے، تو مروان کہنے لگا: یہ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے، سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ مروان کہنے لگا: ایسوں کے

بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي﴾ (الأحقاف: ۱۷) ”جس نے اپنے والدین سے کہا: اف ہو تم پر، مجھے ڈراتے ہو۔“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر ملی، تو فرمایا: اللہ کی قسم! مروان غلطی پر ہے، اس سے عبد الرحمن مراد نہیں، میں چاہوں تو اس کا نام بتا سکتی ہوں۔ ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر لعنت کی تھی، جب کہ مروان ابھی اپنے باپ کی صلب میں تھا، لہذا مروان اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ٹکڑا ہے۔“

(السّنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۲۷)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ محمد بن زیاد کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع و لقا نہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

فِيهِ انْقِطَاعٌ . (تلخیص المستدرک: ۵۲۸/۴)  
لہذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے ”بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح“ کہنا صحیح نہیں۔  
عبد اللہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنِّي لَفِي الْمَسْجِدِ حِينَ خَطَبَ مَرْوَانُ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ أَرَى  
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي يَزِيدَ رَأْيًا حَسَنًا، وَإِنْ يَسْتَخْلِفَهُ فَقَدْ  
اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ:  
أَهْرَقْلِيَّةٌ؟ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَاللَّهِ مَا جَعَلَهَا فِي أَحَدٍ مِّنْ وَلَدِهِ، وَلَا

أَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَلَا جَعَلَهَا مُعَاوِيَةَ فِي وَلَدِهِ إِلَّا رَحْمَةً  
وَّكَرَامَةً لِّوَلَدِهِ، فَقَالَ مَرْوَانُ : أَلَسْتَ الَّذِي قَالَ لِيَوَالِدِيهِ : أَفَّ  
لَكُمْ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ : أَلَسْتُ ابْنُ اللَّعِينِ الَّذِي لَعَنَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاكَ، قَالَ : وَسَمِعْتُهُمَا  
عَائِشَةُ فَقَالَتْ : يَا مَرْوَانُ، أَنْتَ الْقَائِلُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ كَذَا  
وَكَذَا؟ كَذَبْتَ، مَا فِيهِ نَزَلَتْ، وَلَكِنْ نَزَلَتْ فِي فُلَانِ بْنِ  
فُلَانٍ، ثُمَّ انْتَحَبَ مَرْوَانُ، ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ حَتَّى أَتَى بَابَ  
حُجْرَتِهَا فَجَعَلَ يُكَلِّمُهَا حَتَّى انْصَرَفَ .

”مروان خطبہ دے رہا تھا، میں بھی مسجد میں تھا : اللہ نے امیر المومنین  
(معاویہ) کو زید کے متعلق اچھا فیصلہ کرنے کی توفیق دی ہے۔ اگر انہوں نے  
اسے خلیفہ بنا دیا، تو سمجھو کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ بنایا۔ سیدنا عبد الرحمن بن ابی  
بکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : کیا یہ ہر قلی عادت نہیں؟ اللہ کی قسم! سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے  
اپنے کسی بیٹے یا کسی گھر والے کو خلیفہ نہیں بنایا، جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے  
بیٹے کو شفقت اور عزت افزائی کے لیے خلیفہ بنایا ہے۔ مروان بولا : تو وہی  
نہیں، جس نے اپنے والدین سے کہا تھا : تمہارا برا ہو؟ سیدنا عبد الرحمن بن ابی  
بکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : تو ملعون کا بیٹا نہیں؟ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
تیرے باپ پر لعنت کی ہے۔ یہ ساری کاروائی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں،

فرمانے لگیں: مروان! آپ عبد الرحمن کو یہ یہ کہتے ہیں؟ آپ نے غلط کہا، یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی، پھر مروان سسکیاں بھرنے لگا، منبر سے نیچے اتر، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آیا اور کچھ گفت و شنید کے بعد چلا گیا۔“

(مسند البزار: ۲۲۷۳، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۲۹۵/۱۰، تفسیر ابن کثیر: ۱۵۹/۴)

## تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ عبد اللہ بنہی کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں، جیسا کہ امام احمد بن حنبل، امام عبد الرحمن بن مہدی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ عبد اللہ بنہی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان عروہ کا واسطہ ہے، امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَنَفْسُ الْبَهِيِّ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ، وَهُوَ مُضْطَرَبُ الْحَدِيثِ .

”عبد اللہ بنہی کی حدیث کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ اس کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔“

(علل الحديث لابن أبي حاتم: ۴۸/۲)

## فائدہ نمبر: ①

سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَذَبَتْ وَاللَّهِ يَا مَرْوَانُ، وَكَذَبَ مُعَاوِيَةُ مَعَكَ .

”اللہ کی قسم! مروان! آپ غلط کہہ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی غلط کہا ہے۔“

(مجالس ثعلب، ص ۸۹)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ جویرہ بن اسماء تبع تابعی ہیں۔ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ثابت نہیں ہے، لہذا روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ نمبر: ②

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے یزید سے فرمایا:  
وَإِنِّي لَا أَتَخَوَّفُ أَنْ يُنَازِعَكَ هَذَا الْأَمْرَ الَّذِي اسْتَبَّ لَكَ إِلَّا  
أَرْبَعَةً نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ : الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ  
عُمَرَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ .  
”جو خلافت میں نے آپ کو سوینی ہے، اس سے متعلق آپ سے صرف چار  
قریشی ہی جھگڑا کر سکتے ہیں۔ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور  
عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم“ (تاریخ الطبری: ۳۲۲/۵)

تبصرہ:

جھوٹ کا پلندہ ہے۔

- ① ہشام بن محمد بن سائب کلبی متروک و کذاب ہے۔
- ② ابو مخنف لوط بن یحییٰ باتفاق محدثین ضعیف ہے۔
- ③ عبدالملک بن نوفل کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔



## نیت

نیت کے لغوی معنی قصد و ارادہ کے ہیں۔

### اصطلاحی تعریف:

علامہ بیضاوی (۲۸۵ھ) لکھتے ہیں:

وَالشَّرْعُ خَصَّصَهَا بِالْإِرَادَةِ الْمُتَوَجَّهَةِ نَحْوَ الْفِعْلِ ابْتِغَاءً  
لِّوَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى وَامْتِنَالًا لِحُكْمِهِ .

”شریعت میں نیت کسی فعل کے ارادے کا نام ہے، جس میں اللہ کی رضا اور  
اس کے حکم کی بجا آوری مقصود ہو۔“

(تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة: ۲۰/۱)

علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

فَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ، فَنِيَّةُ الصَّلَاةِ هِيَ إِرَادَةُ الصَّلَاةِ لِلَّهِ تَعَالَى  
عَلَى الْخُلُوصِ، وَالْإِرَادَةُ عَمَلُ الْقَلْبِ .

”نیت ارادے کا نام ہے، لہذا نماز کی نیت یہ ہے کہ اللہ کے لیے خلوص دل  
سے نماز کا قصد کریں، نیز ارادہ دل کا عمل ہے۔“

(بدائع الصنائع: ۱۲۷/۱)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البينة: ۵)۔

”انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خاص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کریں۔“

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ .

”اعمال کا اعتبار نیتوں پر موقوف ہے اور ہر ایک کے لیے وہی معتبر ہے، جو اس نے نیت کی۔“

(صحیح البخاری: ۱، صحیح مسلم: ۱۹۰۷)

شرع کے ساتھ عمل و نیت کا تعلق چھ اعتبار سے ہے۔

① عمل و نیت دونوں شرع کے موافق ہوں، تو یہ ثواب کا موجب ہے۔

② دونوں خلاف شرع ہوں، تو موجب عذاب ہے۔

③ عمل موافق شرع ہو اور اس موافقت کا علم بھی ہو، نیت مخالف شرع ہو، تو

ثواب نہیں ملے گا، جیسا کہ دکھلاوے کی نماز۔

④ عمل موافق شرع، مگر علم نہیں اور نیت مخالف شرع، تو نیت پر گناہ ہوگا، عمل

پر نہیں۔ جیسے اجنبی عورت سمجھ کر اپنی بیوی سے جماع کرے۔

⑤ عمل مخالف شرع ہو، علم بھی ہے، لیکن نیت موافق شرع ہے، تو گناہ گار

ہے، ثواب نہیں ملے گا۔ جیسے بدعت۔

⑥ عمل مخالف شرع، علم نہیں، لیکن نیت موافق شرع ہے، تو گناہ نہیں ہوگا۔

جیسے اپنی بیوی سمجھ کر اجنبی عورت سے جماع کرنا۔

عبادات میں نیت ہر ایک کے نزدیک ضروری ہے۔

نیز نیت اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں۔ ارادہ میں غرض کا ذکر نہیں ہوتا، ذکر نہ ہونے سے عدم لازم نہیں آتا۔

## زبان سے نیت:

زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْحَفَاطِ: لَمْ يَثْبُتْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيقٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْإِفْتِتَاحِ: أَصَلِّي كَذَا، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، بَلِ الْمَنْقُولُ: أَنَّهُ كَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَهَذِهِ بَدْعَةٌ.

”بعض حفاظ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف سند سے ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت فرمایا ہو: میں فلاں نماز پڑھتا ہوں۔ نہ ہی کسی صحابی یا تابعی سے ثابت ہے، بلکہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو اللہ اکبر کہتے، لہذا یہ (زبان سے نیت کرنا) بدعت ہے۔“

(فتح القدیر: ۱/۲۶۶-۲۶۷)

علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَوْ نَوَى بِقَلْبِهِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فَإِنَّهُ  
يَجُوزُ كَمَا حَكَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ فَمَا فِي الْخَانِيَّةِ .

”تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر نمازی دل سے نیت کرے اور زبان سے نہ  
کرے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، جیسا کہ کئی ایک سے ثابت ہے، نیز  
’خانیہ‘ میں بھی یہی لکھا ہے۔“

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۲۹۲)

شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ وَإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحَابَةَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ  
بِالتَّكْبِيرِ، وَلَمْ يَنْقُلْ مُسْلِمٌ لَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ قَدْ تَلَفَّظَ قَبْلَ التَّكْبِيرِ  
بِلَفْظِ النِّيَّةِ لَا سِرًّا وَلَا جَهْرًا وَلَا أَنَّهُ أَمَرَ بِذَلِكَ . وَمِنْ  
الْمَعْلُومِ أَنَّ الْهِمَمَ وَالِدَّوَاعِيَ مُتَوَفِّرَةٌ عَلَى نَقْلِ ذَلِكَ لَوْ كَانَ  
ذَلِكَ وَأَنَّهُ يَمْتَنِعُ عَلَى أَهْلِ التَّوَاتُرِ عَادَةً وَشَرْعًا كِتْمَانُ نَقْلِ  
ذَلِكَ فَإِذَا لَمْ يَنْقُلْهُ أَحَدٌ عِلْمَ قَطْعًا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ .

”متواتر روایات اور امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اکبر کے ساتھ نماز شروع کرتے تھے۔ تکبیر سے قبل سری

وجہی طور پر نیت کے الفاظ ادا کرنا کسی مسلمان سے ثابت نہیں، خود نبی کریم ﷺ سے یا کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی ایسا کیا ہو یا اس کا حکم دیا ہو۔ یہ تو معلوم ہے کہ زبانی نیت کی کوئی حیثیت ہوتی تو اسے نقل کرنے پر بہت زیادہ اہتمام اور داعیہ ہوتا۔ اہل تو اتر کو نہ شریعت نے اجازت دی ہے اور نہ ہی ایسا کوئی واقعہ ثابت آیا ہے کہ کسی متواتر کے نقل کو چھپالیں، جب اسے کسی نے بھی نقل نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۲۳۶/۲۲: ۲۳۷)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

النِّيَّةُ هِيَ الْقَصْدُ وَالْعَزْمُ عَلَىٰ فِعْلِ الشَّيْءِ، وَمَحَلُّهَا الْقَلْبُ، لَا تَعْلُقُ لَهَا بِاللِّسَانِ أَصْلًا وَلِلذَلِكَ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنْ أَصْحَابِهِ فِي النِّيَّةِ لَفْظٌ بِحَالٍ، وَلَا سَمِعْنَا عَنْهُمْ ذِكْرَ ذَلِكَ. وَهَذِهِ الْعِبَارَاتُ الَّتِي أَحَدَّثَتْ عِنْدَ افْتِتَاحِ الطَّهَارَةِ وَالصَّلَاةِ قَدْ جَعَلَهَا الشَّيْطَانُ مُعْتَرِكًا لِأَهْلِ الْوَسْوَاسِ، يَحْبِسُهُمْ عِنْدَهَا وَيُعَذِّبُهُمْ فِيهَا، وَيُوقِعُهُمْ فِي طَلَبِ تَصْحِيحِهَا فَتَرَىٰ أَحَدَهُمْ يُكْرِرُهَا وَيَجْهَدُ نَفْسَهُ فِي التَّلَفُّظِ بِهَا، وَلَيْسَتْ مِنَ الصَّلَاةِ فِي شَيْءٍ، وَإِنَّمَا النِّيَّةُ قَصْدٌ فِعْلِ الشَّيْءِ، فَكُلُّ عَازِمٍ عَلَىٰ فِعْلٍ فَهُوَ نَاوِيهِ، لَا يُتَصَوَّرُ انْفِكَاكُ ذَلِكَ عَنِ النِّيَّةِ فَإِنَّهُ حَقِيقَتُهَا، فَلَا يُمَكِّنُ

عَدْمُهَا فِي حَالِ وُجُودِهَا، وَمَنْ قَعَدَ لِيَتَوَضَّأَ فَقَدْ نَوَى  
 الْوُضُوءَ، وَمَنْ قَامَ لِيُصَلِّيَ فَقَدْ نَوَى الصَّلَاةَ، وَلَا يَكَادُ  
 الْعَاقِلُ يَفْعَلُ شَيْئًا مِّنَ الْعِبَادَاتِ وَلَا غَيْرَهَا بِغَيْرِ نِيَّةٍ، فَالْنِيَّةُ  
 أَمْرٌ لَا زِمَ لِلْأَفْعَالِ الْإِنْسَانِ الْمَقْصُودَةِ، لَا يَحْتَاجُ إِلَى تَعَبٍ وَلَا  
 تَحْصِيلٍ . وَلَوْ أَرَادَ إِخْلَاءَ أَفْعَالِهِ الْإِخْتِيَارِيَّةِ عَنْ نِيَّتِهِ لَعَجَزَ  
 عَنْ ذَلِكَ . وَلَوْ كَلَّفَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ بِغَيْرِ  
 نِيَّةٍ لَّكَلَّفَهُ مَا لَا يُطِيقُ، وَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ وَسْعِهِ . وَمَا كَانَ  
 هَكَذَا فَمَا وَجْهُ التَّعَبِ فِي تَحْصِيلِهِ؟ وَإِنْ شَكَّ فِي حُصُولِ  
 نِيَّتِهِ فَهُوَ نَوْعُ جُنُونٍ . فَإِنَّ عِلْمَ الْإِنْسَانِ بِحَالِ نَفْسِهِ أَمْرٌ  
 يَقِينِيٌّ . فَكَيْفَ يَشْكُ فِيهِ عَاقِلٌ مِّنْ نَفْسِهِ؟ وَمَنْ قَامَ لِيُصَلِّيَ  
 صَلَاةَ الظُّهْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ فَكَيْفَ يَشْكُ فِي ذَلِكَ؟ وَلَوْ دَعَاهُ  
 دَاعٍ إِلَى شُغْلٍ فِي تِلْكَ الْحَالِ لَقَالَ : إِنِّي مُشْتَغَلٌ أُرِيدُ صَلَاةَ  
 الظُّهْرِ، وَلَوْ قَالَ لَهُ قَائِلٌ فِي وَقْتِ خُرُوجِهِ إِلَى الصَّلَاةِ : أَيْنَ  
 تُمْضِي؟ لَقَالَ : أُرِيدُ صَلَاةَ الظُّهْرِ مَعَ الْإِمَامِ، فَكَيْفَ يَشْكُ  
 عَاقِلٌ فِي هَذَا مِنْ نَفْسِهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ يَقِينًا؟ .

”نیت کسی کام کے کرنے پر پختہ عزم کا نام ہے اور اس کا محل دل ہے۔ زبان  
 سے اس کا تعلق نہیں۔ تب ہی تو نبی کریم ﷺ سے یا آپ کے صحابہ سے کسی بھی

کام میں الفاظ سے نیت کرنا ثابت نہیں، بلکہ ہم آج تک اس کا ذکر ہی نہیں سنا۔ وضو اور نماز کے شروع میں جو الفاظ گھڑ لئے گئے ہیں، شیطان نے انہیں وسوسے کا شکار لوگوں کے لیے میدان کارزار بنایا ہے۔ انہیں ثواب کی امید دلاتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اسے صحیح طور پر ادا کرنے کی طلب ڈال دیتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ان وسوسات کا شکار آدمی ان الفاظ کو بار بار دہراتا ہے اور خود پر سختی کرتا ہے۔ جب کہ یہ نماز کا حصہ نہیں ہے۔ نیت کسی کام کے ارادے کو کہتے ہیں، کسی کام کا پختہ ارادہ کرنے والے کو نواوی (نیت کرنے والا) بھی کہتے ہیں۔ ارادے کو نیت سے جدا نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ارادہ نیت کی حقیقت میں داخل ہے۔ جو وضو کے لیے بیٹھے، اس نے وضو کی نیت کی اور جو نماز کے لیے کھڑا ہوا، اس نے نماز کی نیت کی۔ کوئی عاقل آدمی کسی کام کو، چاہے وہ عبادات ہوں یا کوئی اور کام، بغیر نیت کے نہیں کر سکتا، لہذا نیت انسان کے مقصود افعال کے ساتھ لازم ہے۔ اس کے لیے کسی قسم کی مشقت یا حصول کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی اپنے اختیاری افعال میں نیت کو ختم کرنا بھی چاہے، تو نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے نماز اور وضو بغیر نیت کے ادا کرنے کا مکلف بناتا، تو یہ تکلیف مالا یطاق کی قبیل سے ہوتا، جو اس کے بس کی بات نہیں۔ اگر معاملہ ایسے ہے، تو حصول نیت کے لیے مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت؟ اگر نیت کے ہونے میں شک گزرے، تو یہ جنون (پاگل پن) کی قسم ہے، کیوں کہ انسان کا اپنی حالت کو جاننا یقینی امر ہے۔ ایک عقل مند اپنے آپ کو شک میں کیسے ڈال سکتا ہے؟ مثلاً اگر کوئی امام کی اقتدا میں ظہر ادا کرنے لگے، تو وہ اس

میں کیسے شک کر سکتا ہے؟ اس حالت میں اگر اسے کوئی کسی اور کام کے لیے بلائے، تو وہ کہے گا کہ میں مصروف ہوں اور نماز ظہر پڑھنے لگا ہوں۔ اگر کوئی اسے نماز کی طرف جاتے ہوئے پوچھے، کہاں جا رہے ہو؟ تو کہے گا کہ میں باجماعت نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ جانتے بوجھتے ایک عقل مند خود کو شک میں کیسے ڈال سکتا ہے؟“

(إِغَاثَةُ اللَّهْفَانِ فِي مَصَائِدِ الشَّيْطَانِ: ۱/۱۳۶-۱۳۷)

نیز فرماتے ہیں:

كَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ: «اللَّهُ أَكْبَرُ» وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا قَبْلَهَا، وَلَا تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ الْبَتَّةَ، وَلَا قَالَ: أَصَلِّي لِلَّهِ صَلَاةَ كَذَا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ إِمَامًا أَوْ مَأْمُومًا، وَلَا قَالَ أَدَاءً وَلَا قَضَاءً وَلَا فَرَضَ الْوَقْتِ، وَهَذِهِ عَشْرُ بَدَعٍ لَمْ يَنْقُلْ عَنْهُ أَحَدٌ قَطُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ، وَلَا مُسْنَدٍ وَلَا مُرْسَلٍ لَفْظَةً وَاحِدَةً مِنْهَا الْبَتَّةَ، بَلْ وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَلَا اسْتَحْسَنَهُ أَحَدٌ مِنَ التَّابِعِينَ وَلَا الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَإِنَّمَا غَرَّ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الصَّلَاةِ: إِنَّهَا لَيْسَتْ كَالصِّيَامِ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا بِذِكْرٍ، فَظَنَّ أَنَّ الذِّكْرَ تَلَفُّظُ الْمُصَلِّيِ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا أَرَادَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِالذِّكْرِ تَكْبِيرَةَ الْإِحْرَامِ



لَيْسَ إِلَّا، وَكَيْفَ يَسْتَحِبُّ الشَّافِعِيُّ أَمْرًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ، وَلَا أَحَدٌ مِّنْ خُلَفَائِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَهَذَا هَدْيُهُمْ وَسِيرَتُهُمْ، فَإِنْ أَوْجَدْنَا أَحَدًا حَرَفًا وَاحِدًا عَنْهُمْ فِي ذَلِكَ قَبْلَنَاهُ وَقَابَلْنَاهُ بِالتَّسْلِيمِ وَالْقَبُولِ، وَلَا هَدْيَ أَكْمَلُ مِنْ هَدْيِهِمْ، وَلَا سُنَّةَ إِلَّا مَا تَلَقَّوْهُ عَنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”نبی کریم ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، تو اللہ اکبر کہا۔ اس سے قبل کچھ نہیں کہا، نہ کبھی الفاظ سے نیت کی۔ نہ ہی یہ کہا کہ میں اللہ کے لیے چار رکعات نماز فلاں، رو بقبلہ ہو کر بہ طور امام یا مقتدی ادا یا قضاء، فلاں وقت ادا کرتا ہوں۔ یہ دس بدعات ہیں۔ ان میں ایک لفظ بھی کسی نے صحیح، ضعیف، متصل یا مرسل سند کے ساتھ نقل نہیں کیا، بلکہ کسی محدث سے بھی ایسا ثابت نہیں ہے۔ کسی تابعی نے اسے مستحسن سمجھا، نہ ائمہ اربعہ نے۔ بعض متاخرین سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کو سمجھنے میں خطا ہوئی کہ انہوں نے نماز کی بابت فرمایا: ”یہ روزے کی طرح نہیں ہے، ہر کوئی اس میں ذکر کے ساتھ ہی داخل ہوتا ہے۔“ اس نے سمجھ لیا کہ ذکر سے مراد تلفظ کے ساتھ نیت کرنا ہے، حالاں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد تو تکبیر تحریمہ ہے۔ بھلا امام شافعی رحمہ اللہ اس کام کو مستحب کیوں کر کہہ سکتے ہیں، جسے نبی کریم ﷺ، کسی خلیفہ راشد یا صحابی نے کسی ایک نماز میں بھی نہ کیا ہو۔ ان کی ہدایات اور سوانح حیات موجود ہے، اگر کوئی ہمیں

اس سلسلہ سے ایک حرف بھی ثابت کر دے، ہم اسے قبول کریں گے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں گے، کیوں کہ ان کی ہدایت سے کامل کوئی ہدایت نہیں ہو سکتی اور سنت وہی ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صاحب شریعت محمد رسول اللہ ﷺ سے نقل کریں۔“

(زاد المعاد في هدي خير العباد: ۱/۱۹۴)

علامہ شرنبلالی (۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں:

فَمَنْ قَالَ مِنْ مَشَائِخِنَا: إِنَّ التَّلَفُظَ بِالنِّيَّةِ سُنَّةٌ لَمْ يُرَدْ بِهِ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَلْ سُنَّةُ بَعْضِ الْمَشَائِخِ لِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاعِلِ عَلَى الْقُلُوبِ فِيمَا بَعْدَ زَمَنِ التَّابِعِينَ .

”ہمارے مشائخ میں سے جنہوں نے کہا ہے کہ الفاظ سے نیت کرنا سنت ہے، ان کی مراد سنت نبوی نہیں، بلکہ بعض مشائخ کا طریقہ مراد ہے، جو انہوں نے تابعین کے دور کے بعد زمانہ مختلف ہو جانے اور دل پر مشغولیت بڑھ جانے کی وجہ سے جاری کر دیا تھا۔“

(مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص ۸۴)

ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نقل کرتے ہیں:

وَأَعْرَبَ ابْنُ حَجَرٍ، وَقَالَ: إِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، نَطَقَ بِالنِّيَّةِ فِي الْحَجِّ فَقَسْنَا عَلَيْهِ سَائِرَ الْعِبَادَاتِ . قُلْنَا لَهُ : ..... فَإِنَّهُ مَا وَرَدَ نَوَيْتُ الْحَجِّ، وَإِنَّمَا وَرَدَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ

إِلْحٌ، وَهُوَ دُعَاءٌ، وَإِخْبَارٌ لَا يَقُومُ مَقَامَ النِّيَّةِ إِلَّا بِجَعْلِهِ إِنْشَاءً، وَهُوَ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعَقْدِ، وَالْقَصْدُ الْإِنْشَائِيُّ غَيْرُ مَعْلُومٍ، فَمَعَ الْإِحْتِمَالِ لَا يَصِحُّ الْإِسْتِدْلَالُ، مَعَ عَدَمِ صِحَّتِهِ جَعْلُهُ مَقِيسًا عَلَيْهِ مُحَالٌ، ثُمَّ قَالَ: وَعَدَمُ وُرُودِهِ لَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ وُقُوعِهِ، قُلْنَا: هَذَا مَرْدُودٌ بِأَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ وُقُوعِهِ حَتَّى يُوجَدَ دَلِيلُ وُرُودِهِ، وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبَّرَ فَلَوْ نَطَقَ بِشَيْءٍ آخَرَ لَنَقَلُوهُ، وَوَرَدَ فِي حَدِيثِ الْمُسَيِّءِ صَلَاتَهُ أَنَّهُ قَالَ لَهُ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ»، فَدَلَّ عَلَى عَدَمِ وُجُودِ التَّلَفُّظِ، وَذَكَرَ أَبُو دَاوُدَ أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِلْبُخَارِيِّ: هَلْ تَقُولُ شَيْئًا قَبْلَ التَّكْبِيرِ فَقَالَ: لَا.

”ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی نیت الفاظ سے کی، لہذا ہم نے اسے تمام عبادات پر قیاس کر لیا۔

ہم کہتے ہیں کہ..... کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں حج کی نیت کرتا ہوں، بلکہ یہ آیا ہے کہ اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں۔ یہ تو دعا ہے۔ خبر نیت کے قائم مقام تب ہوگی، جب اسے انشا بنایا جائے، جو کہ عقد (لین دین) میں ہوتا ہے، نیز عقد انشائی غیر معلوم چیز ہے۔ اس احتمال کے باوجود بھی استدلال درست نہیں اور اسے مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں، بلکہ محال ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ الفاظ سے نیت کے عدم ورود سے اس کا عدم لازم نہیں آتا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے، جب تک ورود (ثبوت) نہ ہو، تب تک عدم وقوع ہی لازم آئے گا۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو اللہ اکبر کہتے تھے، اگر آپ کوئی اور الفاظ بولتے، تو صحابہ کرام اسے نقل کر دیتے، نیز مسیء الصلوٰۃ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: جب آپ نماز پڑھنے لگیں، تو اللہ اکبر کہیں..... یہ دلیل ہے کہ نیت کے الفاظ کی کوئی حیثیت نہیں۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا: آپ تکبیر تحریمہ سے پہلے کچھ پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں۔“

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۴۲/۱)

علامہ عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:

هٰهٰنَا ثَلَاثُ صُورٍ، أَحَدُهَا: الْإِكْتِفَاءُ بِنِيَّةِ الْقَلْبِ، هُوَ مُجْزِيٌّ  
إِتِّفَاقًا، وَهُوَ الطَّرِيقَةُ الْمَشْرُوعَةُ الْمَأْثُورَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْحَابِهِ، فَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ  
التَّكْلُمُ بِنَوَيْتٍ أَوْ أَنْوِي صَلَاةَ كَذَا فِي وَقْتٍ كَذَا وَنَحْوِ ذَلِكَ  
كَمَا حَقَّقَهُ ابْنُ الْهَمَامِ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ، وَابْنُ الْقَيِّمِ فِي زَادِ  
الْمَعَادِ.....

وَتَانِيهِمَا: الْإِكْتِفَاءُ بِالتَّلْفِظِ مِنْ دُونِ قَصْدِ الْقَلْبِ، وَهُوَ غَيْرُ  
مُجْزِيٍّ. وَتَالِثُهَا: الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ سُنَّةٌ عَلَى مَا فِي

تُحْفَةِ الْمُلُوكِ، وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَمُسْتَحَبٌّ عَلَى مَا فِي  
الْمَنِيَّةِ أَيِّ بِمَعْنَى مَا فَعَلَهُ الْعُلَمَاءُ، وَاسْتَحْبُّهُ لَا بِمَعْنَى مَا  
فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ رَغَبَ إِلَيْهِ، فَإِنَّهُ  
لَمْ يَثْبُتْ ذَلِكَ، وَعَلَّلُوا اسْتِحْبَابَهُ وَحُسْنَهُ بِأَنَّهُ فِيهِ مُوَافَقَةٌ  
بَيْنَ الْقَلْبِ وَاللِّسَانِ، وَجَمْعًا لِلْعَزِيمَةِ.

”یہاں تین صورتیں بنتی ہیں:

① صرف دل کی نیت پر اکتفا کر لینا، اتفاق ہے کہ یہ کافی ہے۔ رسول  
اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی طریقہ مروی ہے۔ نیز ان میں کسی سے بھی یہ  
کہنا ثابت نہیں کہ میں نے فلاں نماز کی فلاں وقت میں نیت کی یا نیت کرتا  
ہوں، وغیرہ۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد  
میں یہ بات واضح کر دی ہے۔

② صرف الفاظ سے نیت کرنا، دل کا ارادہ و قصد نہ ہو، یہ بالاتفاق نا کافی ہے۔  
③ دونوں کو جمع کرنا، تحفۃ الملوک کے مطابق یہ سنت ہے، جو کہ درست نہیں اور  
’المنیۃ‘ کے مطابق یہ مستحب ہے، یعنی علما کا فعل ہے اور انہوں نے اسے مستحب  
کہا ہے، ایسا نہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا یا آپ نے اس کی ترغیب  
دلائی تھی، کیوں کہ یہ بالکل ثابت نہیں۔ احناف نے اسے مستحب اور مستحسن  
کہنے کی علت یہ بتائی ہے کہ اس سے دل و زبان کی موافقت اور ایک فرض کے  
لیے اہتمام ہو جاتا ہے۔“

تنبیہ:

علامہ علی بن ابوبکر مرغینانی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّي،  
أَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ وَيَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ  
عَزِيمَتِهِ .

”نیت قصد اور ارادے کا نام ہے، شرط یہ ہے کہ دل کو معلوم ہو کہ وہ فلاں نماز  
پڑھ رہا ہے، رہا زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا، تو اس کی کوئی حیثیت نہیں،  
ہاں قصد و ارادے کو جمع کرنے کے لیے (زبان سے نیت کرنا) مستحب ہے۔“

(الهداية: ۹۵/۱)

علامہ ابن ابی العزیز رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ : (يَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ) يَعْنِي يَحْسُنُ ذِكْرُ  
نِيَّةِ الصَّلَاةِ بِلِسَانِهِ، وَفِيهِ نَظَرٌ .

قَالَ فِي «الْمُفِيدِ»: كَرِهَ بَعْضُ مَشَايخِنَا النُّطْقَ بِاللِّسَانِ، لِأَنَّ  
النِّيَّةَ عِلْمَ الْقَلْبِ، وَاللَّهُ تَعَالَى مُطَّلِعٌ عَلَى مَا فِي الضَّمَائِرِ،  
فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِفْصَاحِ بِاللِّسَانِ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، فَإِنَّ  
قَوْلَ الْقَائِلِ : نَوَيْتُ صَلَاةَ كَذَا وَكَذَا مِنْ نَوْعِ الْعَبَثِ مِنْ  
وُجُوهِ:

أَحَدَهَا : أَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ . الثَّانِي : أَنَّهُ إِمَّا أَنْ يُرِيدَ الْإِنْشَاءَ أَوْ الْإِخْبَارَ ، وَكُلُّ مِّنْهُمَا بَاطِلٌ . أَمَّا الْإِنْشَاءُ فَلِأَنَّ الصَّلَاةَ لَيْسَتْ مِنْ بَابِ الْعُقُودِ الَّتِي يَثْبُتُ حُكْمُهَا بِالْإِنْشَاءِ .  
وَأَمَّا الْإِخْبَارُ فَكَذَلِكَ أَيْضًا ، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يُرِيدَ إِخْبَارَ نَفْسِهِ ، أَوْ رَبِّهِ ، أَوِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ ، وَكُلُّ مِّنْهَا لَا يَصِحُّ .

”(يَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ) کا معنی یہ ہے کہ نماز کی نیت زبان سے کرنا مستحسن ہے، جب کہ یہ بات محل نظر ہے۔ ’المفید‘ میں لکھا ہے: ہمارے بعض مشائخ نے زبان سے نیت کو مکروہ جانا ہے، کیوں کہ نیت دل کی معرفت کا نام ہے، اللہ تعالیٰ مافی الضمیر پر مطلع ہے، لہذا زبان سے وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہی بات درست ہے، کیوں کہ یہ کہنا: میں فلاں فلاں نماز کی نیت کرتا ہوں، کئی لحاظ سے فضول ہے:

① منقول و ماثر نہیں۔ ② الفاظ سے نیت کرنے والا یا تو انشا کا ارادہ کرتا ہے، یا خبر کا، ہر دو لحاظ سے باطل ہے۔ انشا سے اس لیے کہ نماز ان عقود میں سے نہیں ہے، جو انشا سے ثابت ہوتے ہیں اور خبر سے اس لیے نہیں، کیوں کہ یا تو وہ خود کو خبر دے گا، یا اللہ کو یا کراما کاتین کو۔ ان میں سے کوئی بھی صورت درست نہیں۔“

(التنبيهات على مشكلات الهداية: ١/٥٠٩-٥١٠)

تنبیہ:

ربیع بن سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ الشَّافِعِيُّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ،  
مُوجِّهًا لِبَيْتِ اللَّهِ مُؤَدِّيًا لِفَرَضِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ اللَّهُ أَكْبَرُ.

”امام شافعی رضی اللہ عنہ نماز میں داخل ہونے لگتے، تو کہتے: بِسْمِ اللَّهِ، مُوجِّهًا  
لِبَيْتِ اللَّهِ مُؤَدِّيًا لِفَرَضِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ اللَّهُ أَكْبَرُ.

”بسم اللہ، منہ طرف کعبہ شریف، فرض واسطے اللہ تعالیٰ کے، اللہ اکبر۔“

(معجم ابن المقرئ: ۳۱۷، وسندہ صحیح)

یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے، جس پر قرآن و سنت، صحابہ، تابعین اور خیر القرون  
کے مسلمانوں کے عمل سے کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ اجتہاد خطا پر مبنی اور شاذ ہے۔ ہر ایک کی  
بات قرآن و سنت اور قرون ثلاثہ کے مسلمانوں پر پیش کی جائے گی، موافق ہو، تو قبول،  
ورنہ رد کر دی جائے گی۔ امام سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمِيزَانُ الْأَكْبَرُ،  
فَعَلَيْهِ تُعْرَضُ الْأَشْيَاءُ، عَلَى خُلُقِهِ وَسِيرَتِهِ وَهَدْيِهِ، فَمَا  
وَأَفْقَهَا فَهُوَ الْحَقُّ، وَمَا خَالَفَهَا فَهُوَ الْبَاطِلُ.

”رسول اللہ ﷺ میزان اکبر ہیں، ہر قول و فعل آپ کی سنت، سیرت اور  
ہدایت پر پیش کیا جائے گا، جو موافق ہو، وہ تو حق ہے اور جو مخالف ہو، باطل  
ہے۔“

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب: ۷۹/۱، وسندہ صحیح)

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ (۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:



فَتَوَزَنُ الْقَوَالُ وَالْأَعْمَالُ بِأَقْوَالِهِ وَأَعْمَالِهِ، فَمَا وَافَقَ ذَلِكَ قَبْلَ، وَمَا خَالَفَهُ فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلَى قَائِلِهِ وَفَاعِلِهِ، كَائِنًا مَا كَانَ .  
 ”تمام اقوال و اعمال نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال پر پیش کئے جائیں گے، جو موافق ہوں، لے لئے جائیں گے اور جو مخالف ہوں، انہیں رد کر دیا جائے، خواہ ان کا قائل و فاعل کوئی بھی ہو۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۹۰/۶، ت سلامہ)

فائدہ:

بعض لوگ روزے کی نیت کرتے وقت یہ الفاظ کہتے ہیں:  
 وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ .  
 ”میں کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔“

تبصرہ:

یہ الفاظ معنی کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔ جس دن کا روزہ رکھا جا رہا ہے، اس کی نیت میں یہ کہنا کہ میں کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں، مضحکہ خیز ہے۔  
 ملا علی قاری صاحب نے ان الفاظ کو بے اصل قرار دیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۳۸۷/۴)

الحاصل:

نیت دل کے قصد و ارادے کا نام ہے، زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔



## مرد کے لئے سونے کا استعمال

مسلمان ہونے کو لازم ہے کہ آپ شریعت اسلام کے پابند ہوں، اس کی حدود و قیود، ممنوعات و محکومات کا خیال رہے، خود سپردگی کی منزلوں میں اتر جائیں اور ذہن نشین کر لیں کہ اسلام نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، وہ میرے فائدے کو منع کیا ہے، جن چیزوں کا حکم کیا ہے وہاں میرا نفع ملحوظ رکھا ہے، مالک کریم ہمارا مہربان ہے اور وہ جو حکم دیتا ہے، اسے مان لینے کا نام ہی اسلام ہے، اللہ نے مردوں کے لئے کچھ چیزیں حرام قرار دی ہیں، ان میں سے ایک سونا بھی ہے، دلائل ملاحظہ ہوں:

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتِمًا مِّنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ، وَقَالَ: يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ، فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ خَاتِمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا، وَاللَّهِ، لَا آخِذَهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، تو اتار کر پھینک دی اور فرمایا: آپ انگارا ہاتھ میں لے لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے اس صحابی سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لیجئے اور اس سے فائدہ حاصل کیجئے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ نے اسے پھینکا ہے، کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔“

(صحیح مسلم: ۲۰۹۰)

غور کیجئے! نبی کریم ﷺ نے صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھ کر اسے اتا دیتے ہیں اور صحابی اسے اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے، گو کہ کسی اور ذریعے سے اسے استعمال میں لایا جاسکتا تھا، مگر رضائے رسول سے سرمو انحراف کا یا را نہیں، ایک ہم ہیں، جو ذرا سی فراوانی دیکھ کر تمام احکام شریعت پس پشت ڈال دیتے ہیں اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں جمانے لگتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہ ہماری زینت ہے۔ کیا ہم نبی مکرم ﷺ سے بڑھ کر زینت کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں، سونا صرف عورت کے لئے زینت ہے، مرد کے لئے نہیں مرد کی زینت چاندی ہے اور بس۔

② سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسُ حَرِيرًا وَلَا ذَهَبًا .

”اللہ اور روز آخرت پر جو ایمان رکھتا ہے، ریشم اور سونا نہ پہنے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۲۶۱/۵، وسندہ حسن)

③ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنْ نَجْرَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ ذَهَبٍ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: إِنَّكَ جِئْتَنِي وَفِي يَدِكَ جَمْرَةٌ مِّنْ نَّارٍ.

”نجران سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے چہرہ پھیر لیا اور فرمایا: آئے میرے پاس ہیں اور آپ کے ہاتھ میں انگارا ہے۔“

(سنن النسائي: ۵۱۸۸، مسند الإمام أحمد: ۱۴/۳، وسنده حسن)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۴۸۹) نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَنَبَذَهُ فَقَالَ: لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

”رسول اللہ ﷺ سونے کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے، آپ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: میں آئندہ کبھی سونے کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا، تو صحابہ نے بھی انگوٹھیاں پھینک دیں۔“

(صحيح البخاري: ۵۸۶۷)

معلوم ہوا کہ مرد کے لئے سونا پہلے درست تھا، بعد میں منسوخ و ممنوع ہو گیا۔

⑤ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں سے منع کیا تھا، ان میں سے ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۳)

## فائدہ نمبر: ①

ابو سفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلَى الْبَرَاءِ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ .

”میں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۲۵۱۵۷، شرح معاني الآثار: ۴/۲۵۹، وسندہ صحیح)

اشکال ہے کہ راوی حدیث نے خود سونے کی انگوٹھی پہنی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ اپنے لئے سونے کی یہ انگوٹھی پہننا خاص سمجھتے تھے، صحیح حدیث ملاحظہ ہو:

محمد بن مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ نے سونے کی انگوٹھی کیوں پہن رکھی ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو اس میں سے سونے کی انگوٹھی بچ رہی، آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف نظر اٹھائی اور جھکالی، دوسری بار اٹھائی، تو پھر جھکالی، تیسری دفعہ اٹھائی، تو مجھے بلایا۔ میں نبی کریم ﷺ کے پاس جا بیٹھا، آپ ﷺ نے انگوٹھی لی اور میری گئی سے پکڑ کر فرمایا:

خُذِ الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ .

”انگوٹھی پکڑ کر پہن لیجئے، یہ آپ کو اللہ اور اس کے رسول نے پہنائی ہے۔“

سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے کہ آپ مجھے وہ انگٹھی اتارنے کا کیسے کہہ سکتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پہنائی ہو؟“

(مسند الإمام أحمد: ۲۹۴/۴، مسند أبي يعلى: ۱۷۰۸، شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲۵۹/۴، وسنده حسن)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ انگٹھی کی اپنے لئے تخصیص سمجھتے تھے، یوں نہیں کہ اس سے ممانعت و حرمت ختم ہو گئی ہو۔

## فائدہ نمبر: ②

جن صحابہ سے سونے کی انگٹھی پہننا ثابت ہے، ممکن ہے ان تک سونے کی منسوخیت، حرمت اور ممانعت نہ پہنچی ہو۔

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُحَلِّقَ حَبِيبَهُ حَلَقَةً مِّنْ نَّارٍ فَلْيَحْلِقْهُ حَلَقَةً مِّنْ ذَهَبٍ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَوِّقَ حَبِيبَهُ طَوْقًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِّنْ ذَهَبٍ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَوِّرَ حَبِيبَهُ سِوَارًا مِّنْ نَّارٍ، فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِّنْ ذَهَبٍ، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوا بِهَا.

”جو اپنے دوست کو آگ کا کڑا پہنانا چاہے، وہ اسے سونے کا کڑا پہنادے، جو اسے آگ کی زنجیر پہنانا چاہے، تو سونے کی زنجیر پہنادے، جو اسے آگ کا کنگن پہنانا چاہے، سونے کا کنگن پہنادے، ہاں چاندی آپ کے لئے ہے،

اس سے کھیلے۔“

(سنن أبي داود: ٤٢٣٦، وسنده حسن)

حافظ منذری نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

(الترغيب والترهيب: ٢٧٣/١)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔

④ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ حَرِيرًا فَجَعَلَهُ فِي يَمِينِهِ، وَأَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهُ فِي شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي.

”نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا پکڑا اور فرمایا: یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔“

(سنن أبي داود: ٤٠٥٧، سنن النسائي: ٥١٤٤، سنن ابن ماجه: ٣٥٩٥، وسنده حسن)

سنن ترمذی وغیرہ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

⑤ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو

فرماتے ہوئے سنا:

الْحَرِيرُ وَالذَّهَبُ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي، وَحَلَالٌ لِّإِنَاثِهِمْ.

”ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال ہے۔“

(المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب بن سفيان الفسوي : ٥٠٦/٢، السنن الكبرى للبيهقي : ٢٧٥-٢٧٦، شرح معاني الآثار للطحاوي : ٢٥١/٤، التمهيد لابن عبد البر : ٣٣٧/٢٤، وسنده حسن)

## فائدہ نمبر: ①

بعض اضطراری حالتوں میں مرد کے لئے سونے کا استعمال جائز ہے، مثلاً:  
سونے کا ناک لگوانا، دانت یا داڑھ میں سونا بھرنا، دانتوں کو سونے کے تار سے جوڑنا،  
عبدالرحمن بن عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ جَدَّه عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ، قُطِعَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكَلَابِ، فَاتَّخَذَ  
أَنْفًا مِّنْ وَرَقٍ، فَأَتْنَنَ عَلَيْهِ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِّنْ ذَهَبٍ.

”جنگ کلاب میں ان کے دادا عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی ناک کٹ گئی، انہوں  
نے چاندی کی ناک لگوائی، لیکن وہ بدبودار بنے گی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک لگوائی۔“

(سنن أبي داود : ٤٢٣٢، سنن الترمذي : ١٧٧٠، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن“ اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (٥٣٦٢) نے  
”صحیح“ کہا ہے۔

## فائدہ:

بعض لوگ شوقیہ طور پر دانت پر سونے کا خول چڑھا لیتے ہیں، یہ قطعاً جائز نہیں۔



## جلسہ استراحت

پہلی اور تیسری رکعت میں سجدوں کے بعد بیٹھنا، جلسہ استراحت کہلاتا ہے۔  
جلسہ استراحت سنت ہے۔

① سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ  
رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، فَإِذَا كَانَ فِي وَتْرٍ  
مِّنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا.  
”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا، جب آپ طاق رکعت میں  
ہوتے، تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے، جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہ  
جاتے۔“

(صحیح البخاری: ۸۲۳)

② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو، جو نماز صحیح طرح نہیں پڑھ رہا تھا، نماز کا  
طریقہ بتلایا اور اسے فرمایا:

ثُمَّ أَرْفَعَ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا.

”پھر (دوسرے سجدے سے) سر اٹھائیں، اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔“

(صحیح البخاری: ۶۲۵)

تنبیہ:

صحیح البخاری (۶۶۶۷) میں ہے:

ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا .

”پھر سر اٹھائیں، اور کھڑے ہو جائیں۔“

ان الفاظ کی وضاحت اوپر والے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔ ان سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہو رہی، بلکہ جلسہ استراحت کے بعد والے عمل کا بیان ہے۔

③ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ، فَصَلَّى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هَذَا، فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، وَلَكِنْ أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، قَالَ أَيُّوبُ: فَقُلْتُ لِأَبِي قَلَابَةَ: وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ؟ قَالَ: مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هَذَا - يَعْنِي عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ - قَالَ أَيُّوبُ: وَكَانَ ذَلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ قَامَ.

”سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہمیں اس مسجد میں نماز پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز پڑھانے کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ صرف دکھانا چاہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز کیا تھا؟ ایوب سختیابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے استاذ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی تھی؟ فرمایا: ہمارے اس شیخ یعنی عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی

طرح۔ ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ شیخ تکبیر کو مکمل کہا کرتے تھے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے، تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے، پھر کھڑے ہو جاتے۔“

(صحیح البخاری: ۸۲۴)

## فائدہ:

ایوب سختیانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَّمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّلَاثَةِ وَالرَّابِعَةِ .

”سیدنا عمرو بن سلمہ رحمہ اللہ ایک ایسا عمل کرتے تھے، جو میں نے عام لوگوں کو کرتے نہیں دیکھا، آپ رحمہ اللہ تیسری اور چوتھی رکعت میں (دو سجدوں کے درمیان) بیٹھتے تھے۔“

(صحیح البخاری: ۸۱۸)

## تبصرہ:

اس سے مراد دو سجدوں کے درمیان والا قعدہ ہے، نہ کہ دو سجدوں کے بعد (جلسہ استراحت) والا۔

مطلب یہ کہ آپ رحمہ اللہ صرف یہی قعدہ کرتے ہوں گے، جب کہ دیگر صحابہ اور تابعین تمام رکعات میں دو سجدوں کے درمیان قعدہ کرتے تھے۔

اسے جلسہ استراحت کی نفی پر دلیل بنانا سراسر غلط ہے، کیوں کہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ ”دو سجدوں کے درمیان

ٹھہراؤ کا بیان، کے تحت ذکر کیا ہے۔

③ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی، تو سب نے یک زبان ہو کر کہا:

صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”آپ نے سچ کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی نماز ادا کرتے تھے۔“

اسی حدیث میں ہے:

ثُمَّ قَالَ : اللَّهُ أَكْبَرُ ، ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ وَقَعَدَ وَاعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ ، ثُمَّ نَهَضَ .

”پھر اللہ اکبر کہا اور ایک پاؤں کھڑا کر لیا اور اس قدر اعتدال کے ساتھ بیٹھ گئے کہ ہر ہڈی اپنے فطری مقام پر پہنچ گئی، پھر کھڑے ہو گئے۔“

(مسند الإمام أحمد : ۴۲۴/۵، سنن أبي داود : ۷۳۰، سنن الترمذي : ۳۰۴، سنن ابن

ماجه : ۱۰۶۲۰۸۶۲، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حسن صحیح“، امام ابن الجارود رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲)، امام ابن خزمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۷)، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۵)، حافظ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (معالم السنن : ۱/۱۹۴)، حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (خلاصة الأحكام : ۱/۳۵۳) اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (تہذیب السنن : ۲/۴۱۶) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

علامہ شوق نیوی نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(آثار السنن : ۴۴۴)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ سَمِعَ هَذَا الْحَدِيثَ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ- يَعْنِي إِذَا رَكَعَ -  
وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَصَلَاتُهُ نَاقِصَةٌ.

”یہ حدیث سن لینے کے بعد جس نے رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے  
ہوئے رفع الیدین نہیں کیا، اس کی نماز نامکمل ہے۔“

(صحیح ابن خزيمة: ۱/۲۹۸، وسندهُ صحیح)

⑤ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا  
عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو نماز تسبیح کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا:  
ثُمَّ تَرَفَّعْ رَأْسَكَ، فَتَقُولُهَا عَشْرًا.  
”پھر سر اٹھائیں اور دس مرتبہ دعا پڑھیں۔“

(سنن أبي داود: ۱۲۹۷، سنن ابن ماجه: ۱۳۸۷، وسندهُ حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزيمة رحمہ اللہ (۱۲۱۶) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

مذکورہ حدیث میں دو سجدوں کے بعد دس بار تسبیحات پڑھنے کا حکم ہے، جو کہ لازماً  
جلسہ استراحت میں ہی ممکن ہے۔ اگر جلسہ استراحت مشروع نہیں، تو دس بار تسبیحات کس  
حالت میں پڑھی جائیں؟

علامہ سندھی (۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا نَصٌّ فِي شَرْعِ جِلْسَةِ الْإِسْتِرَاحَةِ فِي هَذِهِ الصَّلَاةِ فَلَا  
وَجَهَ لِلْإِحْتِرَازِ عَنْهُ.

”یہ حدیث تسبیح نماز میں جلسہ استراحت کے مشروع ہونے پر نص ہے، اس  
سے چھٹکارا ممکن نہیں۔“

(حاشیہ السنہ علی سنن ابن ماجہ: ۴۲۰/۱)

علامہ عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:

وَالشَّافِعِيَّةُ وَالْمُحَدِّثُونَ أَكْثَرُهُمْ اخْتَارُوا الْكَيْفِيَّةَ الْمُشْتَمِلَةَ  
عَلَى جَلْسَةِ الْإِسْتِرَاحَةِ وَقَدْ عَلِمَ مِمَّا أَسْلَفْنَا أَنَّ الْأَصَحَّ ثُبُوتًا  
هُوَ هَذِهِ الْكَيْفِيَّةُ فَلْيَأْخُذْ بِهَا مَنْ يُصَلِّيْهَا حَنْفِيًّا كَانَ أَوْ  
شَافِعِيًّا .

”شافعیہ اور محدثین کی اکثریت نے (نماز تسبیح میں) جلسہ استراحت والی  
کیفیت اختیار کی ہے۔ ہماری سابقہ بحث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت کے  
اعتبار سے صحیح ترین یہی کیفیت ہے، لہذا حنفی ہو یا شافعی، جو بھی نماز تسبیح پڑھنا  
چاہتا ہے، وہ اسی کیفیت کو اختیار کرے۔“

(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ص ۱۴۱)

تورک نہ کرنے پر قائم کئے جانے والے دلائل:

① سیدنا عباس یا عیاش بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک

بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ .

”پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں  
کیا۔“

(سنن أبي داود: ۷۳۳، ۹۶۶، وسنده حسن)

تبصرہ:

① تورک کی نفی سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی، تورک کی مانند لمبا جلسہ استراحت نہیں کیا۔

② اس روایت میں رفع الیدین اور ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھانے کا بھی ثبوت ہے، صحیح ابن حبان (۱۸۶۶) کے الفاظ ہیں:

فَبَدَأَ يُكَبِّرُ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ الْمَنْكِبَيْنِ، ثُمَّ كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ،  
فَرَفَعَ يَدَيْهِ أَيْضًا.

”آپ نے ابتدا میں اللہ اکبر کہا اور کندھوں تک رفع الیدین کیا، پھر رکوع کے لیے اللہ اکبر کہا اور اس بار بھی رفع الیدین کیا۔“

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى  
صُدُورِ قَدَمَيْهِ.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔“

(سنن الترمذی: ۲۸۸)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔

① خالد بن ایاس جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ .

”محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔“

② صالح مولیٰ التَّوْمَ ”مُخْلَطٌ“ ہیں۔ خالدان میں سے نہیں، جنہوں نے آپ سے قبل از اختلاط سماع کیا ہے۔

تنبیہ:

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

وَقَوْلُ التِّرْمِذِيِّ «الْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ» يَقْتَضِي قُوَّةَ أَصْلِهِ وَإِنْ ضَعُفَ خُصُوصُ هَذَا الطَّرِيقِ وَهُوَ كَذَلِكَ .

”اگرچہ یہ سند ضعیف ہے، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے، اس کے متن کے قوی ہونے کا متقاضی ہے۔“

(فتح القدیر: ۳۰۸/۱)

لوگوں کے عمل سے ”ضعیف“ روایات کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔ اس ضعیف سند کے علاوہ دنیا میں اس کی دوسری کوئی سند نہیں۔

③ سیدنا ابو مالک اشعری رحمہ اللہ نے اپنے قوم سے کہا کہ میں آپ کو نبی

کریم ﷺ کی نماز پڑھ کے دکھاتا ہوں، آپ نے نماز پڑھی:

..... ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا .....

”..... پھر اللہ اکبر کہا اور (جلسہ استراحت کرنے کے بعد) کھڑے ہو گئے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳۴۳/۵، وسندہ حسن)



تبصرہ:

عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

④ عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ، فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُّ، فَقَالَ: ثَكَلْتُكَ أُمُّكَ، سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”میں نے مکہ میں ایک شیخ (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے بائیس تکبیرات کہیں۔ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ وہ تو بے سمجھ ہیں، تو فرمانے لگے: تیری ماں تجھے گم پائے، یہ تو ابو القاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے۔“

(صحیح البخاری: ۷۸۸)

بعض اسے جلسہ استراحت کی نفی پر دلیل بناتے ہیں کہ حدیث میں بائیس تکبیرات کا ذکر ہے، اگر جلسہ استراحت ہوتا، تو تکبیرات کی تعداد چوبیس ہوتی۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے، بیٹھتے تکبیر کہتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ جلسہ استراحت لمحہ بھر کے لیے ہوتا ہے، جو تکبیر دو سجدوں کے بعد کہی جاتی ہے، جلسہ استراحت کرنے کے بعد وہی قیام کے لیے کافی ہے۔

دوسرے یہ کہ احادیث تو محدثین کی ہیں، کسی ثقہ محدث سے جلسہ استراحت کی نفی ثابت نہیں۔

⑤ امام شعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ، وَعَلِيًّا، وَأَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ.  
”سیدنا عمر، سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحاب رسول ﷺ نماز میں پنچوں کے بل اٹھتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ٣٩٤/١)

تبصرہ:

سند سخت ”ضعیف“ ہے۔

① عیسیٰ بن میسرہ حناط ”متروک“ ہے۔

② ابو خالد سلیمان بن حیان احمر ”مذلس“ ہیں۔

③ امام شعی رحمہ اللہ کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع و لقا نہیں ہے۔

⑥ عطیہ بن سعد عوفی بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، وَابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَبَا سَعِيدٍ  
الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَقُومُونَ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ فِي  
الصَّلَاةِ.

”میں نے عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کو نماز میں پنچوں کے بل اٹھتے دیکھا۔“

(السّنن الكبرى للبيهقي: ١٢٥/٢)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ عطیہ عوفی جمہور محدثین کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

④ نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ .

”میں نے کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا، وہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے، تو اسی حالت میں کھڑے ہو جاتے، بیٹھے نہیں تھے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۳۹۵/۱)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ ابو خالد احمر اور محمد بن عجلان دونوں ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح

نہیں کی۔

⑤ وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ، إِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الثَّانِيَةَ قَامَ كَمَا هُوَ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ .

”میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے، تو اسی حالت میں پنچوں کے بل کھڑے ہو جاتے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۳۹۴/۱، سندہ صحیح)

تبصرہ:

اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ دو سجدوں کے بعد پاؤں کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھ کر جلسہ استراحت کرتے اور اتفاقاً کی حالت میں ہی کھڑے ہو جاتے۔

⑨ نافع رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ .  
 ”آپ رضی اللہ عنہما نماز میں پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٣٩٤/١، وسنده حسن)

تبصرہ:

اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ دو سجدوں کے بعد پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھ کر جلسہ استراحت کرتے اور اسی اتفاقاً کی حالت میں کھڑے ہو جاتے۔

⑩ عبید بن ابی جعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ عَلَيَّ ، يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ .  
 ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نماز میں پنچوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٣٩٤/١)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ عبید بن ابی جعد کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کیا جائے! ویسے بھی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو سجدوں کے بعد پاؤں کے پنچوں پر بیٹھتے

اور یوں ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے۔

⑪ عبد الرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَمَقْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَرَأَيْتُهُ يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ، وَلَا يَجْلِسُ إِذَا صَلَّى فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ حِينَ يَقْضِي السُّجُودَ.

”میں نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بغور دیکھا، آپ پنجوں کے بل کھڑے ہوتے اور پہلی رکعت میں سجدوں کے بعد بیٹھتے نہیں تھے۔“

(السَّنَنُ الْكَبْرَىٰ لِلْبَيْهَقِيِّ: ۱۲۵/۲، المعجم الكبير للطبراني: ۲۶۶/۹)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔ البتہ سنن کبریٰ بیہقی (۱۲۵/۲) میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے «يَقُومُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ فِي الصَّلَاةِ» کے الفاظ با سند صحیح ثابت ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو سجدوں کے بعد پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھتے اور یوں ہی کھڑے ہو جاتے۔ اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔

⑫ امام زہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَشْيَاخُنَا لَا يُمَاطِلُونَ، يَعْنِي إِذَا رَفَعَ أَحَدُهُمْ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ يَنْهَضُ كَمَا هُوَ، وَلَمْ يَجْلِسْ.

”ہمارے مشائخ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے اور

اسی حالت میں بچوں کے بل کھڑا ہو جاتے، بیٹھتے نہیں تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۳۹۴/۱، وسندہ حسن)

**تبصرہ:**

اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔ مفہوم یہ ہے کہ پاؤں کی جو حالت سجدوں میں ہوتی، اسی حالت پر ہلکا سا بیٹھتے اور پھر ویسے ہی ایڑیوں کے بل کھڑے ہو جاتے۔  
وَلَمْ يَجْلِسْ ”نہ بیٹھتے“ کا معنی یہ ہے کہ زیادہ دیر نہ بیٹھتے۔ یوں تمام دلائل میں تطبیق و توفیق ہو جاتی ہے۔

⑬ ابو عون محمد بن عبد اللہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى، يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ.  
”امام عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نماز میں بچوں کے بل اٹھتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۳۹۴/۱)

**تبصرہ:**

سند ”ضعیف“ ہے۔ حفص بن غیاث اور اعمش دونوں ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

⑭ ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ يُسْرِعُ فِي الْقِيَامِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ.  
”آپ رحمۃ اللہ علیہ پہلی رکعت میں دوسرے سجدہ سے (فارغ ہو کر) جلدی کھڑے ہو جاتے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱/۳۹۵)

تبصرہ:

”سند“ ضعیف“ ہے، سفیان ثوری رحمہ اللہ ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔  
نیز قیام میں جلدی کرنے سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔

حدیث مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بعض احباب:

① علامہ انور شاہ کشمیری صاحب (۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں:

وَمَا أَجَابَ بِهِ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ كَانَ لِلْعُذْرِ لَيْسَ  
بِسَدِيدٍ عِنْدِي .

”علامہ طحاوی رحمہ اللہ کا یہ جواب دینا کہ یہ عذر کی بنا پر تھا، میرے نزدیک  
درست نہیں ہے۔“ (فیض الباری: ۲/۲۶۴)

② ابوالحسن، علی بن ابی بکر مرغینانی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ .

”جلسہ استراحت کے ثبوت میں مروی روایات بڑھاپے پر محمول ہیں۔“

(الهداية: ۱/۱۱۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: «وَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ» تَأْوِيلٌ يَحْتَاجُ إِلَى  
دَلِيلٍ، فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَالِكِ بْنِ  
الْحُوَيْرِثِ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يُفَارِقَهُ: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أَصَلِّي،

وَلَمْ يُفْصَلْ لَهُ فَالْحَدِيثُ حُجَّةٌ فِي الْإِقْتِدَاءِ بِهِ فِي ذَلِكَ .  
 ”یہ کہنا کہ (حدیث مالک بن حویرث) بڑھاپے پر محمول ہے، محتاج دلیل  
 تاویل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے  
 ہوئے فرمایا تھا: ”میرے طریقے کے مطابق نماز پڑھنا۔ کوئی استثنائی بات  
 نہیں کی، لہذا حدیث اس فعل میں آپ ﷺ کی پیروی پر واضح دلیل ہے۔“

(الدرایة: ۱/۱۱۰)

علامہ ابن نجیم (۹۷۰) لکھتے ہیں:

أَمَّا مَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا كَانَ فِي وَتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ  
 حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا، فَمَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ كَمَا فِي  
 الْهِدَايَةِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ أَنَّ هَذَا الْحَمْلَ يَحْتَاجُ إِلَى دَلِيلٍ، وَقَدْ قَالَ  
 عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ لَمَّا أَرَادَ أَنْ  
 يَفَارِقَهُ : صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي وَلَمْ يُفْصَلْ فَكَانَ  
 الْحَدِيثُ حُجَّةً لِلشَّافِعِيِّ فَأَلَاوَلَى أَنْ يُحْمَلَ عَلَى تَعْلِيمِ  
 الْجَوَازِ فَلِذَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ قَالَ فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ قَالَ شَمْسُ  
 النَّائِمَةِ الْحُلَوَانِيُّ : إِنَّ الْخِلَافَ إِنَّمَا هُوَ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ حَتَّى  
 لَوْ فَعَلَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَنَا .



”رہی صحیح بخاری کی وہ روایت کہ جس میں ہے: ’سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب طاق رکعت میں ہوتے، تو (دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر) جب تک سیدھا نہ بیٹھ جاتے، کھڑے نہ ہوتے۔‘ یہ بڑھاپے پر محمول ہے، جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اس کا رد یہ ہے کہ اسے بڑھاپے پر محمول کرنے کیا دلیل ہے؟ جب کہ نبی کریم ﷺ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے ہوئے فرمایا تھا: ’میرے طریقے کے مطابق نماز پڑھنا۔‘ کوئی استثناء نہیں فرمائی۔ یوں یہ حدیث امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل بنتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے جواز پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم شاید اسی لیے ’فتاویٰ ظہیریہ‘ میں ہے کہ ثَمَسُ الْأَمَّةِ حُلُوَانِي نے فرمایا: اختلافِ افضلیت میں ہے، لہذا مذہب شافعی کی طرح اگر کوئی ایسے کر بھی لیتا ہے، تو حرج نہیں۔“

(البحر الرائق بشرح كنز الدقائق: ۱/۳۴۰)

شارح ہدایہ، علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وَفِيهِ تَأْمُلٌ، لِأَنَّ نِهَايَةَ عُمَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثَلَاثٌ وَسِتُّونَ سَنَةً، وَفِي هَذَا الْقَدْرِ لَا يَعْجِزُ الرَّجُلُ عَنِ النَّهُوضِ، اللَّهُمَّ إِذَا كَانَ لِعُدْرِ مَرَضٍ أَوْ جَرَا حَةٍ أَوْ نَحْوِهَا .

”یہ تاویل قبول نہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی عمر (تقریباً) تریسٹھ سال ہے اور اس عمر میں بیماری یا زخم وغیرہ کا عارضہ لاحق نہ ہو، تو کوئی بھی سیدھا اٹھنے سے قاصر نہیں رہتا۔“

(البنية شرح الهداية : ٢٥٢/٢)

③ مولانا سرفراز صدر خاں صدر صاحب حدیث مالک بن حویرث کے متعلق

کہتے ہیں:

”وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے اس کو نماز کا ایک فعل سمجھ بیٹھے اور اسی پر وہ عمل پیرا تھے، جب کہ آپ ﷺ کی خدمت میں دائما رہنے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کاروائی کو آپ کے ضعف اور کمزوری پر محمول کرتے رہے، والحق معہم۔“ (خزائن السنن، ص ۳۶۴)

تبصرہ:

نبی کریم ﷺ نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ وغیرہ جو بیس دن تک آپ کی ضیافت میں رہے، کو فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي ”میرے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں۔“ اگر وہ نبوی طریقہ نماز سمجھنے سے قاصر تھے، تو آپ نے انہیں ایسا کیوں فرمایا؟ کیا یہ صحابہ کے بارے میں بدگمانی نہیں؟ کسی صحابی سے جلسہ استراحت کا ترک ثابت نہیں۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کا یہ فعل نقل کرتے ہیں۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ تو اس کے فاعل تھے۔ انہوں نے جلسہ استراحت کہاں سے سیکھا تھا؟

④ نیز لکھتے ہیں:

”اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کاروائی کو آپ کے ضعف پر محمول کرتے رہے اور حضرت مالک بن الحویرث صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کے عموم لفظ سے

جلسہ استراحت کو بھی نماز کا ایک فعل سمجھتے رہے، حالاں کہ جلسہ استراحت نماز کا فعل نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے مسیء الصلوٰۃ کو دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ کا قول امت کے لیے قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔“

(خزائن السنن، ص ۶۴-۶۵)

تبصرہ:

کسی صحابی نے جلسہ استراحت کو ضعف پر محمول نہیں کیا۔ البتہ چھٹی صدی ہجری میں جب صاحب ہدایہ نے اس حدیث کو بڑھا پے پر محمول کیا، تو اہل علم بشمول احناف نے ان کی خوب خبر لی، جسے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ سنت رسول ﷺ کو ”کاروائی“ قرار دینا بہر حال ایک خطرناک عمل ہے۔

باقی رہی مسیء الصلوٰۃ والی حدیث، تو یہ مجمل ہے۔ اس میں نماز کے کئی دوسرے افعال بھی مذکور نہیں۔ قاعدہ ہے کہ ایک چیز کے ذکر نہ ہونے سے اس کا نہ ہونا ضروری نہیں۔ نیز کسی ثقہ امام نے اس حدیث کو جلسہ استراحت کی نفی پر دلیل نہیں بنایا، محدثین اپنی احادیث بعد الووں سے بہتر جانتے ہیں۔

نیز حدیث مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ مفصل ہے اور اس باب میں نص ہے۔

⑤ مفتی تقی عثمانی صاحب کہتے ہیں:

”جہاں تک حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت باب کا تعلق ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے، یہ

ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری عمر میں متبدل ہو گئے تھے، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہو، وگرنہ اگر یہ سنت صلوٰۃ ہوتی، تو ہرگز صحابہ اسے نہ چھوڑتے۔“ (درس ترمذی: ۵۷/۲)

### تبصرہ:

کسی صحابی سے صراحتاً جلسہ استراحت کا ترک ثابت نہیں! صحابہ کے حوالے سے جو روایات آتی ہیں، ان کے بارے میں تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اصول محدثین کے مطابق ان میں سے کوئی بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں نماز پڑھی اس میں جلسہ استراحت کیا اور اسے نبی کریم ﷺ کی نماز قرار دیا۔ دس صحابہ کرام، جن میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز یہی تھا۔ لہذا یہ تاویل درست نہیں۔

### ⑥ ایک صاحب لکھتے ہیں:

”ملاحظہ فرمائیے، جو عمل نہ تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول ہے، نہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی وہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام کا معمول ہے اور نہ ہی وہ خیر القرون میں رواج پذیر ہے، ایسا عمل غیر مقلدین کے نزدیک سنت ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین کو اس سنت کا علم نہ ہو سکا اور اس سنت سے محروم رہے۔ العیاذ باللہ!“

(حدیث اور اہل حدیث، ص ۴۴۹-۴۵۰)

تبصرہ:

صحیح بخاری میں جلسہ استراحت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا عمل اور حکم دونوں ثابت ہیں، کسی صحابی یا تابعی سے اس کا ترک ثابت نہیں۔ خیر القرون میں اس کا رواج تھا۔ صحابہ اس کے قائل و فاعل تھے۔ تابعین نے اسے بیان کیا ہے۔ اس لیے ہم اسے سنت کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے باسند صحیح جلسہ استراحت کی نفی یا ترک ثابت نہیں۔

جناب خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

”یہ اختلاف محض افضلیت اور اولویت کا ہے، اگر کر لیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، کسی اور کا نہیں۔“ (قاموس الفقہ، جلد سوئم، ص ۱۱۰)

علامہ انور شاہ کاشمیری (۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں:

وَمَعَ ذَلِكَ ثَبَتَتْ فِي الرِّوَايَاتِ، وَصَرَّحَ الْحُلَوَانِيُّ بِجَوَازِهَا،  
وَمَنْ صَرَّحَ مِنْهَا بِالْكَرَاهَةِ، فَلْيَحْمِلْهَا عَلَى تَطْوِيلِهَا عَلَى  
الْقَدْرِ الْمُعْتَادِ، وَإِلَّا فَهُوَ مُخَالِفٌ لِلْحَدِيثِ .

”اس کے باوجود جلسہ استراحت کا ثبوت روایات میں موجود ہے، شمس الائمہ

حلوانی نے صراحتاً جواز کا کہا ہے۔ مکروہ کہنے والوں کی بات زیادہ دیر جلسہ

استراحت کرنے پر محمول کرنی چاہیے، ورنہ وہ مخالف حدیث ٹھہرے گا۔“

(فیض الباری: ۲/۳۸۹)



## قرآن کریم کی قسم

قرآن کریم کی قسم اٹھانا جائز ہے، کیوں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کا کلام ہے، مخلوق نہیں، امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

فَالَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ فِي هَذَا الْبَابِ هُوَ أَنَّهُ مَنْ حَلَفَ بِاللَّهِ أَوْ بِاسْمِ مَنْ أَسْمَاءَ اللَّهِ أَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِهِ أَوْ بِالْقُرْآنِ أَوْ بِشَيْءٍ مِّنْهُ فَحَنَثَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ عَلَى مَا وَصَفَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ مِنْ حُكْمِ الْكَفَّارَةِ وَهَذَا مَا لَا خِلَافَ فِيهِ عِنْدَ أَهْلِ الْفُرُوعِ وَلَيْسُوا فِي هَذَا الْبَابِ بِخِلَافٍ وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ تَصْرِيحَ الْيَمِينِ بِاللَّهِ هُوَ قَوْلُ الْحَالِفِ بِاللَّهِ أَوْ وَاللَّهِ أَوْ تَاللَّهِ.

”اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ، اللہ کے کسی نام، اس کی کسی صفت، قرآن کریم یا اس کے کسی حصے کی قسم اٹھائی اور نبھانہ سکا، تو اس پر قسم کا وہ کفارہ واجب ہے، جو اللہ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے، اہل فرع کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ کی قسم کی تصریح ان الفاظ میں ہے: باللہ، تاللہ، واللہ۔“

(التمهيد لما في المؤطاء من المعاني والأسانيد ۱۴/۳۶۹)

امام ابو جعفر احمد بن سنان واسطی رحمہ اللہ (۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ زَعَمَ أَنَّ الْقُرْآنَ شَيْئَيْنِ أَوْ أَنَّ الْقُرْآنَ حِكَايَةٌ فَهُوَ وَاللَّهُ  
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ زَنْدِيقٌ كَافِرٌ بِاللَّهِ هَذَا الْقُرْآنُ هُوَ الْقُرْآنُ  
الَّذِي أَنْزَلَهُ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ جِبْرِيلَ عَلَى مُحَمَّدٍ لَا يُعَيَّرُ وَلَا  
يُبَدَّلُ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ  
حَكِيمٍ حَمِيدٍ كَمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ  
الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ  
بِمِثْلِهِ﴾ (الْإِسْرَاءُ: ۸۸)، وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا حَلَفَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ الْيَوْمَ  
ثُمَّ قَرَأَ الْقُرْآنَ أَوْ صَلَّى وَقَرَأَ الْقُرْآنَ أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ لَمْ  
يَحْنُثْ لَا يُقَاسُ بِكَلَامِ اللَّهِ شَيْءٌ، الْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ مِنْهُ بَدَأَ  
وَالِإِلَهِ يَعُودُ لَيْسَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ مَّخْلُوقٌ وَلَا صِفَاتُهُ وَلَا  
أَسْمَاؤُهُ وَلَا عِلْمُهُ.

”جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن دو ہیں یا موجودہ قرآن حکایت ہے، تو وحدہ  
لا شریک اللہ کی قسم! وہ زندیق کافر ہے۔ یہ قرآن وہی ہے، جو اللہ نے جبریل  
کے ذریعے محمد ﷺ پر نازل کیا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کہ باطل اس  
میں نہ سامنے سے آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور تعریف کیے گئے  
(رب) کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِّئِنْ  
اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ

بِمِثْلِهِ ﴿ (الْإِسْرَاءُ : ۸۸) (کہہ دیجئے کہ جن وانس اگر اس لئے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام لے آئیں گے، تو ایسا ممکن نہیں۔) ایک شخص قسم اٹھا لے کہ آج کوئی بات نہیں کرے گا، پھر نماز پڑھ لے یا قرآن پڑھ لے یا نماز میں سلام کہہ دے، تو قسم کا کفارہ لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ قرآن کو کسی دوسرے کلام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، اسی سے ابتدا اور اسی پر انتہا ہے۔ اللہ کے اسماء کی صفات یا اس کا علم کوئی بھی مخلوق نہیں ہے۔“

(اختصاص القرآن بعودہ الرحمن الرحیم للضیاء المقدسی، ص ۳۲، وسندہ

صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ حَلَفَ بِاسْمٍ مِّنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ فَحَنِثَ، فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ؛ لِأَنَّ اسْمَ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَمَنْ حَلَفَ بِالْكَعْبَةِ أَوْ بِالصِّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ؛ لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ، وَذَاكَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ.

”جس نے اللہ کے کسی نام کی قسم کھائی اور اسے نبھانہ سکا، اس پر کفارہ ہے، کیوں کہ اللہ کے نام مخلوق نہیں ہیں۔ جس نے کعبہ یا صفا و مروہ کی قسم اٹھائی، اس پر کفارہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ مخلوق ہیں اور اللہ کا نام مخلوق نہیں ہے۔“

(آداب الشافعی ومنابعه لابن أبي حاتم، ص ۱۹۳، حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم :

۱۱۳/۹، السنن الکبریٰ للبیہقی : ۲۸/۱۰، مناقب الشافعی للبیہقی : ۴۰۵/۱، وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

وَأَسْمَاءُ اللَّهِ فِي الْقُرْآنِ، وَالْقُرْآنُ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ، فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ



الْقُرْآنَ مَخْلُوقٌ فَهُوَ كَافِرٌ، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ أَسْمَاءَ اللَّهِ مَخْلُوقَةٌ فَقَدْ كَفَرَ.

”قرآن میں اللہ کے نام ہیں اور قرآن اللہ کا علم ہے، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن مخلوق ہے، وہ کافر ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے نام مخلوق ہیں، وہ بھی کافر ہے۔“

(المحنة لأبي الفضل صالح بن أحمد بن حنبل، ص ۶۹)

صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ وَالْكَعْبَةِ ..... وَكَذَا إِذَا حَلَفَ بِالْقُرْآنِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارَفٍ.

”جو غیر اللہ کی قسم اٹھائے، اس کی قسم بے اثر ہے، مثلاً، نبی ﷺ یا کعبہ کی قسم اٹھانا..... قرآن کی قسم بھی غیر متعارف ہے اس لئے نہیں اٹھانی چاہیے۔“

(الهداية: ۳۱۸/۲)

شارح ہدایہ، ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ لَا يَخْفَى أَنَّ الْحَلْفَ بِالْقُرْآنِ الْآنَ مُتَعَارَفٌ فَيَكُونُ يَمِينًا كَمَا هُوَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ، وَتَعْلِيلُ عَدَمِ كَوْنِهِ يَمِينًا بِأَنَّهُ غَيْرُهُ تَعَالَى؛ لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ؛ لِأَنَّهُ حُرُوفٌ وَغَيْرُ الْمَخْلُوقِ هُوَ الْكَلَامُ النَّفْسِيُّ مُنْعَ بِأَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللَّهِ مُنْزَلٌ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْمُنْزَلَ فِي الْحَقِيقَةِ لَيْسَ إِلَّا الْحُرُوفُ

الْمُنْقَضِيَّةُ الْمُنْعَدِمَةُ وَمَا ثَبَتَ قَدَمُهُ اسْتِحَالَ عَدَمُهُ، غَيْرَ  
أَنَّهُمْ أَوْجَبُوا ذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْعَوَامَّ إِذَا قِيلَ لَهُمُ الْقُرْآنُ مَخْلُوقٌ  
تَعَدَّوْا إِلَى الْكَلَامِ مُطْلَقًا، وَأَمَّا الْحَلِفُ بِكَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى  
فَيَجِبُ أَنْ يَدُورَ مَعَ الْعُرْفِ .

”یہ مخفی نہیں کہ قرآن کی قسم اٹھانا اب متعارف ہو چکا ہے، اب اسے قسم تصور کیا جائے گا، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو کہا کہ قرآن کی قسم اٹھانا درست نہیں، اس کی یہ علت بیان کرنا جائز نہیں کہ قرآن اللہ کا غیر ہے، قرآن مخلوق ہے، غیر مخلوق تو کلام نفسی ہے، گو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا قرآن تو صرف وہ حروف ہیں، جن کا اپنا وجود تو عالم اسباب میں نہیں، البتہ موجودہ قرآن میں استعمال ہونے والے حروف پر دلالت کتنا ضرور ہیں، سوا اگر موجودہ حروف ہی کو کلام اللہ مان لیا جائے، تو حقیقی کلام الہیہ کو معدوم کہنا ناممکن ہو جائے گا۔ (ثابت ہوا کہ موجودہ حروف مخلوق ہی ہیں)، لیکن اگر عوام سے کہا جائے کہ قرآن مخلوق ہے، تو وہ یہی سمجھیں گے کہ مطلقاً کلام اللہ ہی کو مخلوق کہا جا رہا ہے، (اس لئے نہیں کہتے) اب رہا مسئلہ قرآن کی قسم کا تو یہ قسم اٹھاتے وقت عرف پر محمول کرنا واجب ہوگا۔“

(فتح القدیر: ۶۹/۵، البحر الرائق لابن نجیم: ۴/۳۱۱)

علامہ ابن ابی العزیز رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْحَلِفُ بِالْقُرْآنِ يَمِينًا لِأَنَّهُ قَدْ صَارَ مُتَعَارَفًا

فِي هَذَا الزَّمَانِ، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ وَغَيْرِهِمْ، وَلَا يُتَلَفَتُ إِلَى مَنْ عُلِّلَ كَوْنُهُ لَيْسَ يَمِينًا بِأَنَّهُ غَيْرُ اللَّهِ عَلَى طَرِيقَةِ الْمُعْتَزِلَةِ وَقَوْلِهِمْ بِخَلْقِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَازِمُهُ الْكُفْرُ عَلَى مَا عُرِفَ أَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللَّهِ مُنَزَّلٌ غَيْرُ مَخْلُوقٍ .

”قرآن کی قسم اٹھانا جائز ہے، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے، کیوں کہ یہ ہمارے زمانے میں متعارف ہو چکا ہے۔ اس کی بات قابل التفات نہیں، جو کہتا ہے کہ قرآن کی قسم نہیں اٹھائی جاسکتی کہ یہ مخلوق ہے، قرآن کو مخلوق کہنا معتزلہ کا مذہب ہے اور یہ کفر ہے، کیوں کہ معلوم ہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں کلام ہے۔“

(التنبیہ علی مشکلات الهدایة : ۸۶/۴-۸۷)



### ضعیف حدیث سے وجوب یا استحباب؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ : إِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ الشَّرْعُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ، وَمَنْ قَالَ هَذَا فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ .

”ائمہ دین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی عمل کو واجب یا مستحب کہنا جائز ہے۔ یہ دعویٰ کرنے والا اجماع امت کا مخالف ہے۔“

(مجموع الفتاوی: ۲۵۱/۱)



## انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے؟

انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہنی جاسکتی ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں:

### دائیں ہاتھ میں پہننے کے دلائل:

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِي يَمِينِهِ، فِيهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ. ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے، جس میں حبشی (پتھر کا) نگینہ تھا۔ نگینے کا رخ ہتھیلی کی جانب کرتے تھے۔“

(صحیح مسلم: ۶۲/۲۰۹۴)

② سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ. ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔“

(سنن أبي داود: ۴۲۲۶، سنن النسائي: ۵۲۰۳، وسنده حسن)

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ،

فَتَحْتَمَ بِهِ فِي يَمِينِهِ .

”نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور دائیں ہاتھ میں پہنی۔“

(سنن الترمذی: ۱۷۴۱، وسندہ صحیح)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

③ تابعی محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلَى الصَّلَاتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ خَاتَمًا فِي خِنْصَرِهِ الْيُمْنَى، فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ هَكَذَا، وَجَعَلَ فَصَّهُ عَلَى ظَهْرِهَا، قَالَ: وَلَا يَخَالُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِلَّا قَدْ كَانَ يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ كَذَلِكَ .

”میں نے صلت بن عبد اللہ بن نوفل بن عبد المطلب رحمہ اللہ کو دائیں چھنگلی میں انگوٹھی پہنے دیکھا، تو پوچھا: یہ کیا؟ فرمانے لگے: میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایسا کرتے دیکھا، آپ ننگینے کا رخ باہر کر رکھتے تھے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی انگوٹھی پہنتے تھے۔“

(سنن أبی داود: ۴۲۲۹، سنن الترمذی: ۱۷۴۲، وسندہ حسن)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”حسن“ کہا ہے۔

(سنن الترمذی: ۱۷۴۲)

بائیں ہاتھ میں پہننے کے دلائل

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذِهِ، وَأَشَارَ إِلَى  
الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرَى .

”نبی کریم ﷺ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔“ (صحیح مسلم: ۶۳/۲۰۹۵)

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَسَارِهِ، وَكَانَ  
فَصَّهُ فِي بَاطِنِ كَفِّهِ .

”نبی کریم ﷺ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ انگوٹھی کا ٹکینہ ہتھیلی والی

جانب ہوتا تھا۔“ (سنن أبي داود: ۴۲۲۷، وسنده حسن)

③ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِي يَدِهِ الْيُسْرَى .

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔“

(سنن أبي داود: ۴۲۲۸، وسنده صحيح)

④ امام ابو جعفر محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا .

”حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔“

(سنن الترمذی: ۱۷۴۳، وسنده صحيح)

امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ .

فائدہ: ان احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت یہ بنتی ہے کہ دائیں بائیں دونوں ہاتھوں

میں انگوٹھی پہننا جائز ہے، جیسا کہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:  
 وَذَلِكَ مَحْمُولٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْإِبَاحَةِ. ”اہل علم نے  
 دونوں طرف کی احادیث کو اباحت پر محمول کیا ہے۔“ (التَّمْهِيد: ۱۷/۱۰۹)  
 حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲-۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:  
 وَكُلُّ ذَلِكَ مُبَاحٌ، فَأَيُّهُمَا فَعَلَ لَمْ يَكُنْ بِهِ بَأْسٌ.  
 ”دونوں طرح جائز ہے، جو نسے ہاتھ میں پہن لے، کوئی حرج نہیں۔“

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع: ۱/۳۸۷)

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: أَمَّا الْحُكْمُ فِي الْمَسْأَلَةِ عِنْدَ  
 الْفُقَهَاءِ، فَاجْتَمَعُوا عَلَى جَوَازِ التَّخْتُمِ فِي الْيَمِينِ وَعَلَى  
 جَوَازِهِ فِي الْيَسَارِ وَلَا كَرَاهَةَ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا.  
 ”فقہاء کا دائیں و بائیں ہر دو ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے جواز پر اجماع ہے، کسی  
 ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی کراہت نہیں۔“ (شرح صحيح مسلم: ۱۴/۷۲-۷۳)

## فوائد:

- ① نگینہ اندر کی طرف ہو یا باہر کی طرف، دونوں طرح ثابت ہے۔
- ② مردوں کے لیے صرف چھوٹی انگلی میں پہننا درست ہے۔ باقی انگلیوں اور  
 انگوٹھے میں پہننا خلاف سنت ہے۔ آج کل کفار کی تقلید میں نوجوان انگوٹھے، انگشت  
 شہادت، درمیانی انگلی اور کن انگلی میں بھی انگوٹھیاں پہنے دکھائی دیتے ہیں۔
- ③ کتنی مقدار چاندی کی انگوٹھی ہونی چاہیے؟ جتنی جی چاہے، شریعت میں  
 کوئی مقدار نہیں۔ اس بارے میں روایت ضعیف ہے۔

## لوہے کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟

لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ اس کے بارے میں ممانعت ثابت نہیں۔ مسنون یہ ہے کہ مرد حضرات چاندی کی انگوٹھی استعمال کریں۔ شریعت نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ، فَالْعَبُوبُ بِهَا.

”چاندی سے زینت اختیار کریں۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳۷۸/۲، سنن أبي داود: ۴۲۳۶، وسنده حسن)

رہا لوہے، تانبے، پیتل اور سیسہ وغیرہ کی انگوٹھی، تو اس میں حرج نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک صحابی سے مہر کے حوالے سے فرمایا:

اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ.

”جائیں، کچھ لیں آئیں، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو۔“

(صحیح البخاری: ۵۸۷۱)

ایک روایت میں ہے:

تَزَوَّجْ، وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ.

”مہر ادا کریں، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔“ (صحیح البخاری: ۵۱۵۰)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:



فَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِهَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ .

”مذکورہ دونوں حدیثوں کی بنا پر مختار یہی ہے کہ لوہے کی انگوٹھی مکروہ نہیں۔“

(المجموع شرح المہذب: ۳۴۱/۴)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

زَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا امْرَأَةً بِخَاتَمٍ  
مِّنْ حَدِيدٍ فَضَّهَ فَضَّةً .

”نبی کریم ﷺ نے ایک جوڑے کا نکاح لوہے کی ایک انگوٹھی (مہر) کے عوض  
کیا، جس میں چاندی کا نگینہ تھا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۷۸/۲، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوہے کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

(مصنف ابن أبي شيبة: ۴۶۳/۸، سندہ صحیح)

امام ابراہیم نخعی سے لوہے کی انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔

فوائد:

① سیدنا معقوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَدِيدٍ مَّلَوِيٍّ عَلَيْهِ  
فَضَّةٌ .

”نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی، جس پر چاندی ملمع کی گئی تھی۔“

(سنن أبي داود: ۴۲۲۴، سنن النسائي: ۵۲۰۵)

تبصرہ:

سند ایاس بن حارث کی جہالت کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، سوائے ابن حبان رحمہ اللہ کے کسی نے اسے ”ثقة“ نہیں کہا، لہذا یہ ”مجہول الحال“ ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع: ۴/۴۱۵) کا اس کی سند کو ”جید“ قرار دینا درست نہ ہوا۔

② سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ شَبَهِ، فَقَالَ لَهُ: مَا لِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ فَطَرَحَهُ، ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ حَدِيدٍ، فَقَالَ: مَا لِي أَرَىٰ عَلَيْكَ حِلْيَةً أَهْلُ النَّارِ فَطَرَحَهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ؟ قَالَ: أَتَّخِذُهُ مِنْ وَرَقٍ، وَلَا تُتِمِّمَهُ مِثْقَالًا.

”نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا، اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے آپ سے بتوں کی بدبو کیوں آرہی ہے؟ اس نے انگوٹھی پھینک دی۔ پھر آیا اور لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: میں آپ کو جہنمیوں کا زیور پہنے دیکھ رہا ہوں، اس نے وہ بھی دے پھینکی اور عرض گزار ہوا: اللہ کے رسول! کون سی انگوٹھی پہنوں؟ فرمایا: چاندی کی، یاد رہے کہ انگوٹھی میں ایک مثقال (وزن) سے زائد چاندی استعمال نہیں کرنی۔“

(سنن أبي داود: ۴۲۲۳، السنن الكبرى للنسائي: ۹۴۴۲، سنن الترمذي: ۱۸۸۸)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔ عبد اللہ بن مسلم مروزی ابوطیب کا معاملہ واضح نہیں ہے۔

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، وَلَا يُحْتَجُّ بِهِ.

”اس کی حدیث لکھی جائے گی، قابل حجت نہیں ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۶۵/۵)

امام ابن حبان اسے ”الثقات“ (۴۹/۷) میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

يُخْطِئُ وَيُخَالِفُ.

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (المجموع: ۴/۴۱۵) فرماتے ہیں:

وَفِي إِسْنَادِهِ رَجُلٌ ضَعِيفٌ.

”اس کی سند میں ضعیف راوی ہے۔“

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ”منکر“ کہا ہے۔

③ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ

خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَأَلْقَاهُ وَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ

حَدِيدٍ، فَقَالَ: هَذَا شَرٌّ، هَذَا حَلِيَّةُ أَهْلِ النَّارِ، فَأَلْقَاهُ، فَاتَّخَذَ

خَاتَمًا مِّنْ وَرَقٍ، فَسَكَتَ عَنْهُ.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، آپ نے اس

سے منہ موڑ لیا، تو اس نے انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی پہن لی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو اس سے بھی بری ہے، یہ جہنمیوں کا زیور ہے، تو اس نے وہ بھی پھینک دی اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی۔ نبی کریم ﷺ نے سکوت فرمایا۔“

(مسند الإمام أحمد : ۱۶۳/۲، الأدب المفرد للبخاري : ۱۰۲۱، شرح معاني الآثار

للطحاوي : ۲۶۱/۴)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ محمد بن عجلان ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

③ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ لَيْسَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَأَنَّهُ كَرِهَهُ، فَطَرَحَهُ، ثُمَّ لَيْسَ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ، فَقَالَ: هَذَا أَخْبَثُ وَأَخْبَثُ، فَطَرَحَهُ، ثُمَّ لَيْسَ خَاتَمًا مِّنْ وَرَقٍ، فَسَكَتَ عَنْهُ.

”میں نے سونے کی انگوٹھی پہنی، نبی کریم ﷺ کی نظر پڑ گئی، یوں لگا، جیسے ناپسند فرما رہے ہیں، میں نے اتار پھینکی۔ پھر لوہے کی انگوٹھی پہن لی، فرمایا: یہ تو پہلے سے بھی زیادہ بری ہے، میں نے وہ بھی پھینک دی، پھر چاندی کی انگوٹھی پہن لی، آپ نے سکوت فرما کر تصدیق کر دی۔“

(مسند الإمام أحمد : ۲۱۱/۲)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن مؤمل ”ضعیف“ ہے۔

⑤ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو لوہے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، تو اسے ناپسند کیا۔

(مصنف ابن أبي شيبة: ٤٦٣/٨)

تبصرہ:

سند سفیان ثوری کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جن علمائے لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کو مکروہ کہا ہے، وہ کراہت تنزیہی ہے۔

علامہ مرداوی رحمہ اللہ (۸۱۷-۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

فَالصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكَرَاهَةِ هُنَا كَرَاهَةُ تَنْزِيهِ .

”درست موقف یہی ہے کہ یہاں کراہت تنزیہی ہے۔“

(الإنصاف في معرفة الرَّاجِحِ من الخلاف: ١٤٦/٣)

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (۷۳۶-۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

وَالصَّحِيحُ عَدَمُ التَّحْرِيمِ، فَإِنَّ الْأَحَادِيثَ فِيهِ لَا تَخْلُو عَنْ

مَقَالٍ، وَقَدْ عَارَضَهَا مَا هُوَ أَقْوَى مِنْهَا كَالْحَدِيثِ الَّذِي فِي

الصَّحِيحِينَ .

”درست یہی ہے کہ لوہے کی انگوٹھی حرام نہیں، کیوں کہ حرمت میں مروی

احادیث پر کلام ہے، نیز ان کے معارض کئی اقویٰ روایات موجود ہیں، جن میں

ایک روایت بخاری و مسلم کی بھی ہے۔“ (أحكام الخواتم، ص ۹۰)



## ان شاء اللہ کہنے سے قسم بے اثر!

قسم کے متصل بعد ان شاء اللہ کہنے سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے، اگر وہ کام کر دے، تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸) لکھتے ہیں:

اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ مَنْ حَلَفَ بِاللَّهِ لِيَقْضِيَنَّ دِينَ غَرِيمِهِ  
غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَوْ لِيَرُدَّنَّ وَدِيعَتَهُ أَوْ غَضَبَهُ، أَوْ لِيُصَلِّيَنَّ  
الظُّهْرَ أَوْ الْعَصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، أَوْ لِيُصُومَنَّ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ  
اللَّهُ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِمَّا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَفْعَلِ  
الْمَحْلُوفَ عَلَيْهِ لَا يَحْنُثُ مَعَ أَنَّ اللَّهَ أَمَرَهُ بِهِ لِقَوْلِهِ: إِنْ شَاءَ  
اللَّهُ، فَعَلِمَ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَشَأْ مَعَ أَمْرِهِ بِهِ.

”اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص یوں قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ کل میں قرضہ یا دیت ادا کئے دوں گا یا غصب شدہ چیز لوٹا دوں گا یا ظہر یا عصر پڑھوں گا یا رمضان کے روزے رکھوں گا وغیرہ، اگر وہ اس قسم کو پورا نہیں کر سکا تو کفارہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے ان شاء اللہ کہہ دیا تھا کہ اللہ چاہے گا، تو کروں گا اور اللہ نے نہیں چاہا کہ وہ ایسا کرے۔“

(مجموعۃ الرسائل والمسائل: ۱۵۱/۵)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ حَلَفَ عَلَى شَيْءٍ ثُمَّ قَالَ مَوْصُولًا بِكَلَامِهِ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، أَوْ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ، أَوْ إِلَّا أَنْ لَا يَشَاءَ اللَّهُ ، أَوْ نَحْوَ هَذَا ، أَوْ إِلَّا أَنْ أَشَاءَ ، أَوْ إِلَّا أَنْ لَا أَشَاءَ ، أَوْ إِلَّا إِنْ بَدَّلَ اللَّهُ مَا فِي قَلْبِي ، أَوْ إِلَّا أَنْ يَبْدُوَ إِلَيَّ ، أَوْ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ فُلَانٌ ، أَوْ إِنْ شَاءَ فُلَانٌ ، فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ صَحِيحٌ وَقَدْ سَقَطَ الْيَمِينُ عَنْهُ بِذَلِكَ ، وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ إِنْ خَالَفَ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ .

”کسی کام پر قسم اٹھانے کے بعد اگر کہے کہ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کام کروں گا یا ایسے کہے کہ اگر اللہ نے چاہا، تو یہ کام کروں گا، یا کہے: اگر اللہ نے نہ چاہا تو نہیں کروں گا۔ ایسے الفاظ کا استعمال بھی درست ہے کہ اگر میں چاہوں گا کروں گا نہ چاہا، تو نہیں کروں گا یا یوں کہے کہ کام کروں گا، اگر اللہ نے میرا ارادہ نہ بدلایا مجھے کوئی اور کام نہ کرنا پڑا تو، اسی طرح قسم کو کسی ذات کے ساتھ معلق کر دینا کہ اگر فلاں نے چاہا تو کروں گا ورنہ نہیں، تو یہ سبھی صورتیں قسم کو بے اثر کر دیتی ہیں۔ اب اگر یہ قسم توڑ بھی دے، تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔“

(المُحَلَّى بِالْآثَارِ: ۳۰۱/۶)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ : سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ نَبِيُّ اللَّهِ : لَأُطَوِّفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ

امراً، كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِغُلَامٍ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ أَوِ الْمَلِكُ : قُلْ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ، فَلَمْ تَأْتِ وَاحِدَةٌ مِّنْ نِّسَائِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ غُلَامٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَلَوْ قَالَ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَمْ يَحْنُثْ، وَكَانَ دَرَكًا لَهُ فِي حَاجَتِهِ .

”اللہ کے نبی سیدنا سلیمان بن داود علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ آج رات ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا، سبھی بیٹا جنم دیں گی اور وہ سب بیٹے اللہ کے رستے میں قتال کریں گے۔ ساتھی یا فرشتے نے کہا: ان شاء اللہ کہہ لیجئے، سیدنا سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے، تو ایک ہی عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور وہ بھی معذور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے، تو ان کی قسم بھی نہ ٹوٹی اور حاجت برآوری بھی ہو جاتی۔“

(صحیح مسلم : ۱۶۵۴)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، فَقَالَ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَقَدْ اسْتَشْنَى . ”ان شاء اللہ کہہ کر اٹھائی جانے والی قسم پر کفارہ نہیں ہوتا۔“

(مسند الإمام أحمد : ۱۰/۲، سنن أبي داود : ۳۲۶۱، سنن النسائي : ۳۸۶۰، سنن

الترمذي : ۱۵۳۱، سنن ابن ماجه : ۲۱۰۵، وسنده صحيح)

مسند جمیدی (۷۰۷) میں سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے، ان کے بہت سارے متابع بھی ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن“، امام ابن الجارود



(۹۲۸)، امام ابو عوانہ (۵۹۹۱) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۳۳۹) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

مَنْ حَلَفَ فَاسْتَشْنَى، فَإِنْ شَاءَ رَجَعَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ غَيْرَ حَنْثٍ .  
 ”ان شاء اللہ کہہ کر قسم اٹھائی، اب چاہو، تو کام کرو، چاہو تو چھوڑ دو، کفارہ نہیں  
 ہوگا۔“ (سنن أبي داود: ۳۲۶۲، وسنده صحيح)

امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ إِذَا كَانَ مَوْصُولًا  
 بِالْيَمِينِ فَلَا حَنْثَ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ،  
 وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ،  
 وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ .

”اس حدیث پر اکثر اہل علم صحابہ کا عمل ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ کر قسم اٹھائی  
 جائے، تو اس قسم پر کفارہ نہیں ہوگا۔ یہ سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس،  
 عبد اللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث: ۱۵۳۱)

راوی حدیث سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ : وَاللَّهِ! ثُمَّ قَالَ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ لَمْ يَفْعَلِ الَّذِي  
 حَلَفَ عَلَيْهِ، لَمْ يَحْنَثْ .

”جس نے یوں قسم اٹھائی کہ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں یہ کام کروں گا۔ پھر وہ کام نہیں کیا، کفارہ نہیں ہوگا۔“

(مؤطاً الإمام مالك: ۴۷۷/۲، وسنده صحيح)

نیز فرماتے ہیں:

كُلُّ اسْتِثْنَاءٍ مَوْصُولٌ، فَلَا حَنْتَ عَلَى صَاحِبِهِ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مَوْصُولٍ، فَهُوَ حَانِثٌ.

”ان شاء اللہ قسم کے ساتھ ہی کہہ دے، تو کفارہ نہیں، لیکن قسم کے ساتھ نہ کہے، تو کفارہ ہوگا۔“ (السّنن الکبریٰ للبیہقی: ۴۷/۱۰، وسنده حسن)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ إِنْ كَانَ فِي نَسَقِ الْكَلَامِ دُونَ انْقِطَاعِ بَيْنٍ فِي الْيَمِينِ بِاللَّهِ أَنَّهُ جَائِزٌ.

”اس پر اجماع ہے کہ اگر ان شاء اللہ کلام کے فوراً بعد کہا جائے، اس طرح کہ کلام اور ان شاء اللہ میں واضح انقطاع نہ ہو، تو یہ طریقہ جائز ہے۔“

(التمهيد لما في المؤطأ من المعاني والأسانيد: ۳۷۴/۱۴)

امام ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُ لِأُمَّةٍ عَلَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَكَمَ بِأَنَّ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَوْ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ عَلَى أَيْ شَيْءٍ حَلَفَ فَإِنَّهُ إِنْ فَعَلَ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَفْعَلَهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَلَا

كَفَّارَةً تَلْزِمُهُ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَوْ شَاءَ لَأَنْفَذَهُ وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ :  
﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِّشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ .

”امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے: جو ان شاء اللہ کہہ کر کسی بھی کام پر قسم اٹھالے، تو اختیار ہے کہ چاہے تو کرے، چاہے تو نہ کرے، اس پر کفارہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ کام ہو جاتا، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِّشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ (ان شاء اللہ کہے بغیر کبھی نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کروں گا۔)“ (الفصل فی الملل: ۸۶/۳)

## قسم میں استثنا کی شرائط:

- ① قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کا مقصد یہ ہو کہ میں اللہ کی مشیت پر چھوڑ رہا ہوں، قسم فقط تبرک کے لئے نہ ہو۔
- ② قسم جس وقت اٹھائی جائے، ان شاء اللہ بھی اسی وقت کہا جائے، بعد میں کہنے کا فائدہ نہیں۔
- ③ صرف دل میں ان شاء اللہ کہنا کافی نہیں، بلکہ زبان سے بھی کہنا ہوگا۔

فائدہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

إِذَا حَلَفَ الرَّجُلُ عَلَى يَمِينٍ فَلَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَّ وَلَوْ إِلَى سَنَةٍ .  
”اگر کوئی قسم اٹھالے، تو سال بعد بھی ان شاء اللہ کہہ کر استثنا کر سکتا ہے۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۴/۳۳۶، ح: 7833)

سند ضعیف ہے، اعمش ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

## کیا جنات میں کوئی نبی تھا؟

جنوں میں سے کسی کے نبی ہونے پر قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہیں، نبی اور رسول فقط انسانوں میں آئے تھے۔ جنوں نے کہا تھا:

﴿إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى﴾ . (سورة الأحقاف: ۳۰)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہونے والی ایک کتاب کی تلاوت سنی۔“  
اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جنوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔  
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ . (سورة الفرقان: ۲۰)

”آپ سے قبل تمام رسول کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔“  
نیز فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى﴾ . (سورة يوسف: ۱۰۹)

”آپ سے قبل بھی ہم نے سب رسول جنسِ مرد ہی سے بھیجے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔ نیز وہ اپنی قوم کے ہی فرد تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی آئے، سب آپ کی اولاد میں سے تھے۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ . (سورة العنكبوت: ۲۷)

”ہم نے نبوت اور کتابوں کا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں رکھ دیا۔“  
بعض لوگ فرمان باری تعالیٰ:

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾ . (الأنعام: ۱۳۰)

”انسانوں اور جنوں کی جماعت! کیا آپ ہی میں سے آپ کے پاس رسول نہیں آئے۔“

بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جنوں میں بھی رسول مبعوث ہوئے تھے، لیکن یہ استدلال درست نہیں، کیوں کہ سلف صالحین میں سے کسی نے اس آیت سے جنوں سے رسول مبعوث ہونے پر استدلال نہیں کیا۔ سلف صالحین سب سے بڑھ کر قرآنی نصوص کی مراد و معنی سمجھنے والے تھے۔ صحیح معنی یہ کہ آپ کے مجموعہ سے رسول مبعوث کیے۔

مشہور مفسر، امام ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰-۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وَفِي الْإِسْتِدْلَالِ بِهَا عَلَى ذَلِكَ نَظَرٌ، لِأَنَّهَا مُحْتَمِلَةٌ وَلَيْسَتْ بِصَرِيحَةٍ .

”اس آیت سے جنوں میں سے نبی ہونے پر استدلال کرنا محل نظر ہے، کیوں کہ یہ اس دعویٰ پر واضح نہیں ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۴۰، ت سلامة)

دوسرے یہ کہ ”مجموعہ“ کا اطلاق ”بعض“ پر بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا﴾ . (نوح :

(۱۶)

”اللہ نے چاند کو آسمانوں میں نور اور سورج کو چراغ بنایا۔“

حالاں کہ چاند کی روشنی تو صرف ایک آسمان پر ہوتی ہے، سب کا ذکر کر کے مراد ایک

لیا ہے۔ اسی طرح فرمایا:

﴿فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا﴾ . (الشمس : ۱۴)

”شمود نے سیدنا صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔“

یہاں بھی تمام سے بعض مراد ہیں، کیوں کہ کونچیں صرف ایک نے کاٹی تھیں۔ قرآن

نے دوسری مقام پر بیان کیا ہے:

﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ﴾ . (القمر : ۲۹)

”شمود نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور اس سرکش نے اونٹنی کے پانچے کاٹ

دیے۔“

### تنبیہ نمبر: ①

سورت انعام (آیت نمبر ۱۳۰) کی تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

هُمُ الْجِنَّ لَقُوا قَوْمَهُمْ، وَهُمْ رُسُلٌ إِلَى قَوْمِهِمْ .

”ان جنوں سے مراد وہ ہیں، جو اپنی قوم میں بہ طور اپیل گئے تھے۔“

(تفسیر الطبري : ۱۲۲/۱۲)

## تبصرہ

یہ اثر دو وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

① امام طبری کے استاذ قاسم بن حسن کون ہیں؟ معلوم نہیں!

② ابن جریر رحمہ اللہ ”مدلس“ ہیں، ان کا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع

نہیں ہے، لہذا یہ روایت ”مدلس“ اور ”منقطع“ ہے۔

## تنبیہ نمبر: ②

ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا جنوں میں کوئی نبی مبعوث ہوا؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(تفسیر الطبری: ۱۲/۱۲)

## تبصرہ:

قول ”ضعیف“ ہے۔ محمد بن حمید رازی ”ضعیف“ ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: ۵۸۳۴)

## الحاصل:

قرآن وحدیث میں جنوں میں سے نبی یا رسول کے مبعوث ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کوئی جنوں میں نبی یا رسول کی بعثت کا قائل تھا۔ یاد رہے کہ دین وہی ہے، جو سلف نے سمجھا ہے۔



## نماز میں نظر کا مقام

نماز میں نظر سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہیے، البتہ حالت تشہد میں انگلی کے اشارے پر ہونی چاہیے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كَانُوا يَقُولُونَ: لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ مُصَلَّاهُ، فَإِنْ كَانَ قَدْ اسْتَعَادَ النَّظَرَ فَلْيَغْمِضْ.

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے: کسی کی نظر مقام سجدہ سے تجاوز نہ کرے، اگر نظر دوبارہ دوسری طرف جائے، تو آنکھیں بند کر لے۔“

(تعظیم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزي: ۱۴۳، وسندہ صحیح)

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِهِ.

”صحابہ رضی اللہ عنہم مستحب سمجھتے تھے کہ نمازی اپنی نظر مقام سجدہ پر رکھے۔“

(تعظیم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزي: ۱۴۵، وسندہ حسن)

مسلم بن یسار رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نمازی اپنی نظر کہاں رکھے تو فرمایا:

مَوْضِعُ السُّجُودِ حَسَنٌ.



”مقام سجدہ بہتر ہے۔“

(الزّهد لعبد اللّٰہ بن المبارک: ۱۰۸۱، وسندہ صحیح)

حافظ ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالنَّظَرُ إِلَى مَوْضِعِ السُّجُودِ أَسْلَمٌ وَأَحْرَى أَنْ لَا يَلْهُوَ الْمُصَلِّي بِالنَّظَرِ إِلَى مَا يَشْغَلُهُ عَنْ صَلَاتِهِ، وَهَذَا قَوْلُ عَوَامِّ أَهْلِ الْعِلْمِ.

”مقام سجدہ پر نظر رکھنے میں زیادہ بہتری، سلامتی اور احتیاط ہے۔ نمازی اپنی نظر ایسی چیز کی طرف مرکوز نہ کرے، جو اسے نماز سے غافل کر دے۔ اکثر اہل علم کا یہی فتویٰ ہے۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ۲۷۳/۳)

تنبیہ:

بوقت ضرورت نمازی اپنے سامنے دیکھ سکتا ہے۔ جس طرح بوقت ضرورت التفات کر سکتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عِلْمِهَا، وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي.

”نماز میں میری نظر اس دھاری دار چادر پر پڑ جاتی ہے، خدشہ رہتا ہے کہ یہ نماز سے مشغول نہ کر دے۔“

(صحیح البخاری: ۳۷۳، صحیح مسلم: ۵۵۶)

نیز بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فَرَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحِطُّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ .

”جب آپ نے مجھے مصلے سے پیچھے ہٹتے دیکھا، اس وقت میں نے جہنم دیکھی تھی، اس کا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا تھا۔“

(صحیح البخاری: ۱۱۵۴، صحیح مسلم: ۹۰۱)

ابو عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ ظہر و عصر میں

قرأت کرتے تھے۔ فرمایا: جی ہاں، پوچھا: آپ کو کیسے پتہ چلتا تھا؟ فرمایا:

بِاضْطِرَابٍ لِحَيْتِهِ .

”آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے سے۔“

(صحیح البخاری: ۷۴۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ .

”کعبۃ اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے، جو نمازی کو مشغول کر دے۔“

(مسند الحمیدی: ۵۶۵، سنن أبی داود: ۲۰۳۰، سندہ صحیح)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

يُمْكِنُ أَنْ يَفْرَقَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فَيَسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ النَّظْرُ

إِلَى مَوْضِعِ السُّجُودِ وَكَذَا لِلْمَأْمُومِ إِلَّا حَيْثُ يَحْتَاجُ إِلَى

مُرَاقَبَةِ إِمَامِهِ، وَأَمَّا الْمُنْفَرِدُ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْإِمَامِ .

”امام اور مقتدی میں فرق یوں کیا جاسکتا ہے کہ دونوں کے لیے مقام سجدہ پر نگاہ رکھنا مستحب ہے، البتہ مقتدی بہ وقت ضرورت امام کو دیکھ سکتا ہے۔ اکیلے نمازی کا وہی حکم ہے، جو امام کا ہے۔“

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۲/۲۳۲)

ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الْمَنْقُولُ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ أَنْ يَكُونَ مُنْتَهَى بَصَرِهِ فِي صَلَاتِهِ إِلَى مَحَلِّ سُجُودِهِ .

”ظاہر الروایۃ میں منقول ہے کہ نمازی کی نظر محل سجدہ پر ہونی چاہیے۔“

(رد المحتار علی الدر المختار المعروف بہ فتاویٰ شامی: ۱/۳۲۱)

محمد بن علی بن محمد بن علی حصکفی (۱۰۸۸ھ) کہتے ہیں:

نَظَرَهُ إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِهِ حَالَ قِيَامِهِ، وَإِلَى ظَهْرِ قَدَمَيْهِ حَالَ رُكُوعِهِ وَإِلَى أَرْبَعَةِ أَصْفِهِ حَالَ سُجُودِهِ، وَإِلَى حِجْرِهِ حَالَ قُعُودِهِ، وَإِلَى مَنْكِبِهِ الْأَيْمَنِ وَالْأَيْسَرِ عِنْدَ التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ لِتَحْصِيلِ الْخُشُوعِ .

”حصول خشوع کے لیے نمازی اپنی نظر قیام میں مقام سجدہ پر، رکوع میں پاؤں کے درمیان، سجدے میں نگوڑی پر، تشہد میں گود پر اور سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں کندھے پر رکھے۔“

(الدر المختار شرح تنویر الأبصار، ص ۶۶، باب صفة الصلوة)

اس خود ساختہ خشوع پر کوئی دلیل نہیں، اہل علم نے صدیوں پہلے اس کا رد کر دیا ہے۔

امام اندلس، امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا كُلُّهُ تَحْدِيدٌ لَّمْ يَثْبُتْ بِهِ أَثَرٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ فِي النَّظَرِ  
وَمَنْ نَظَرَ إِلَى مَوْضِعٍ سُجُودِهِ كَانَ أَسْلَمَ لَهُ وَأَبْعَدَ مِنَ  
الْإِشْتَغَالِ بِغَيْرِ صَلَاتِهِ .

”اس ساری تقسیم کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں، نہ نگاہ رکھنے کے متعلق کوئی  
وجوب ہے۔ نمازی کا اپنی نظر مقام سجدہ پر رکھنا اس کے لیے سلامتی اور  
مشغولیت سے بچنا ہے۔“

(التَّمْهِيدُ لِمَا فِي الْمُؤَطَّأِ مِنَ الْمَعَانِي وَالْأَسَانِيدِ: ۳۹۳/۱۷)

علامہ العز بن عبد السلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لَيْسَ هَذَا قَوْلًا صَحِيحًا، وَلَا حُجَّةً لِقَائِلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا  
سُنَّةٍ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

”یہ قول درست نہیں، کتاب و سنت کے دلائل سے خالی ہے۔ واللہ اعلم!“

(فتاویٰ العز بن عبد السلام، ص ۶۸)

فائدہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

عَجَبًا لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا دَخَلَ الْكُعْبَةَ حَتَّى يَرْفَعَ بَصَرَهُ قَبْلَ

السَّقْفِ يَدْعُ ذَالِكَ إِجْلَالًا لِلَّهِ وَإِعْظَامًا، دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ مَا خَلْفَ بَصَرِهِ مَوْضِعَ سُجُودِهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْهَا.

”ایسے مسلمان پر تعجب ہے، جو کعبہ میں داخل ہو کر دورانِ نماز چھت کی طرف نظر رکھتا ہے اور وہ ایسا تعظیمِ خداوندی میں کرتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ تو کعبہ میں داخل ہوئے، آپ نے دورانِ نماز اپنی نظر سجدے والی جگہ پر رکھی، تاکہ نماز سے فارغ ہو گئے۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱/۴۷۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۱۲)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔

زہیر بن محمد کی سے اہل شام روایت کریں، تو حدیث ”ضعیف“ ہوتی ہے۔ عمرو بن ابو سلمہ تنسیسی بھی شامی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَرِوَايَةُ أَهْلِ الشَّامِ عَنْهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمَةٍ.

”ان سے اہل شام کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔“

(تقریب التہذیب: ۲۰۴۹)



## قارئین کے سوالات

(سوال): نماز میں خلاف ترتیب قرأت کرنا کیسا ہے؟

(جواب): نماز میں سورتوں کی ترتیب ضروری نہیں ہے۔ تقدیم و تاخیر جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ترتیب ملحوظ خاطر رکھی جائے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَافْتَتَحَ الْبَقْرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النَّسَاءَ، فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأَهَا.....

”میں نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں تہجد پڑھی، آپ نے سورت بقرہ شروع کر دی، میں نے سوچا: سو آیات پڑھ کر رکوع کر دیں گے، لیکن آپ نے قراءت جاری رکھی، میں نے دل میں کہا: پوری سورت پڑھ کر رکوع کر دیں گے، لیکن آپ نے قراءت جاری رکھتے ہوئے سورت نساء شروع کر دی، وہ بھی پوری پڑھ دی، پھر سورت آل عمران شروع کی اور پوری پڑھ دی.....“

(صحیح مسلم: ۱۰۷۷۲/۲۶۴ درسی نسخہ)

سورت آل عمران ترتیب میں سورت نساء سے پہلے ہے، لہذا ثابت ہوا کہ نماز میں

سورتوں کی ترتیب ضروری نہیں۔

(سوال): شادی کے بعد عورت میکے میں قصر کرے گی یا پوری پڑھے گی؟

(جواب): شادی کے بعد عورت ماں باپ کے گھر میں قصر کرے گی، کیوں کہ اب وہ اس کا اصل گھر نہیں رہا، بلکہ اصل وہی ہے، جہاں وہ سکونت پذیر ہے۔

(سوال): اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیسا ہے؟

(جواب): جائز نہیں۔ خاص اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے ثابت نہیں۔ عمومی دلائل سے تب استدلال ہو سکتا ہے، جب سلف ہمنوا ہوں۔

وضو کے بعد دعا، مسجد میں داخل اور خارج ہوتے وقت دعا اور بیت الخلا میں دخول و خروج کے وقت دعا میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی بھی قائل نہیں، یہی مسئلہ اذان کے بعد دعا کا ہے۔

(سوال): حاملہ کا انتقال ہو گیا، بچہ بھی زندہ نہیں، کیا دونوں پر ایک ہی جنازہ پڑھا جائے گا؟

(جواب): دونوں پر ایک ہی جنازہ پڑھا جائے گا، جب متعدد میتوں پر ایک جنازہ کفایت کر سکتا ہے، تو اس بچے پر بالاولیٰ کفایت کرے گا، کہ یہ ماں کے وجود کا حصہ ہے۔

ماں فوت ہو گئی اور بچہ پیٹ میں زندہ ہے، تو نکال لینا چاہیے۔ اگر بچہ بھی فوت ہو گیا، تو پھر نہیں نکال سکتے، ماں کو بچے سمیت دفن کر دیا جائے گا۔

(سوال): احتیاطی ظہر کا حکم ہے؟

(جواب): جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا بدعت اور منکر ہے۔ قرآن وحدیث، اجماع امت اور سلف میں اس کا ثبوت نہیں۔ یہ دین میں دخل اندازی اور شریعت کی مخالفت ہے۔ جمعہ

کے صحیح ہونے کے لیے من گھڑت اور خانہ ساز شرائط عائد کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

(سوال) سجدہ تلاوت رہ جانے پر فدیہ دینا کیسا ہے؟

(جواب) غیر شرعی اور بے ثبوت ہے۔ خود کو تکلف میں ڈالنا، اہل کتاب کے مشابہ عمل ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

”سجدہ تلاوت رہ گئے ہوں، تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدے کے بدلے

میں پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے، واللہ اعلم!“

(جواہر الفقہ: ۱/۳۹۳)

اس پر انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی۔

(سوال) امام اور مقتدی تعوذ کیسے پڑھیں گے؟

(جواب) امام اور مقتدی تعوذ آہستہ پڑھیں گے۔ نبی کریم ﷺ سے اونچی آواز میں تعوذ

پڑھنا ثابت نہیں۔ صحابہ بھی آہستہ ہی پڑھتے تھے۔

رَوَى سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ فِي سُنَنِهِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حُصَيْنٍ  
عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ : كَانُوا يُسِرُّونَ الْبَسْمَلَةَ وَالتَّعَوُّدَ فِي  
الصَّلَاةِ .

”ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں تعوذ اور تسمیہ

آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔“

(نصب الرأیة للزیلعی: ۱/۳۵۸، الدراریۃ لابن حجر: ۱/۱۳۵، وسندہ صحیح)

نماز میں اصل خاموشی ہے، البتہ جہاں امام اور مقتدی کے لیے آواز بلند کرنے کی

دلیل موجود ہے، وہاں آواز بلند کریں گے۔ جہاں دلیل موجود نہیں وہاں آہستہ پڑھیں



گے۔ بسم اللہ اونچی آواز میں بھی پڑھنا ثابت ہے۔

(سوال): انس کیٹ کلر کے ذریعہ مجھروں کا خاتمہ کرنا کیسا ہے؟

(جواب): انس کیٹ کلر کے ذریعہ مجھروں کا خاتمہ کرنا ممنوع و حرام ہے، کیوں کہ مجھرا اس کے ساتھ چٹ کر جل جاتا ہے، کسی ذی روح کو جلانا جائز نہیں ہے۔

① سیدنا حمزہؓ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّهُ لَا يُعَذَّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ .

”آگ کا عذاب صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔“

(سنن سعید بن منصور: ۲۶۴۳، مسند الإمام أحمد: ۴۹۴/۳، سنن أبي داود :

۲۶۷۳، وسنده حسن)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(فتح الباری: ۱۴۹/۶)

② سیدنا ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ النَّارَ لَا يُعَذَّبُ بِهَا إِلَّا اللَّهُ .

”آگ کا عذاب اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔“

(صحیح البخاری: ۳۰۱۶)

③ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُعَذَّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ .

”کسی کو آگ میں مت جلائیں۔“

(صحیح البخاری: ۳۰۱۷)

ثابت ہوا مچھروں، مکھیوں اور حشرات الارض وغیرہ کا خاتمہ جلا کر کرنا جائز نہیں، ممنوع و حرام ہے۔

(سوال) بعض احباب رمضان کی ستائیسویں شب کو تکمیل قرآن مستحب سمجھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(جواب) استحباب دلیل شرعی سے ثابت ہوتا ہے۔ تکمیل قرآن کو ستائیسویں رمضان کے ساتھ خاص کرنا بے دلیل ہے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے:

مِنْهُمْ مَنِ اسْتَحَبَّ الْخَتَمَ لَيْلَةَ السَّابِعِ وَالْعَشْرِينَ رَجَاءً أَنْ يَنَالُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ .

”بعض فقہا ستائیسویں شب کو تکمیل قرآن مستحب قرار دیتے ہیں کہ شاید لیلۃ القدر نصیب ہو جائے۔“

(المبسوط للسرخسي: ۲/۱۴۶، فتح القدیر لابن الہمام: ۱/۴۶۹، واللفظ لہ، رد

المحتار لابن عابدین: ۲/۴۶، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۱۸)

استحباب پر کوئی دلیل نہیں، لیلۃ القدر کی نیت سے تکمیل قرآن کو کسی رات سے خاص کرنا بے اصل ہے۔ لیلۃ القدر آخری پانچ طاق راتوں میں تلاش کرنی چاہیے، نہ کہ صرف ستائیسویں کو۔ لہذا ستائیسویں شب کو خصوصی عبادت بجالانا بدعت ہے۔ سلف سے ایسا ہر گز ثابت نہیں۔

علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ (۵۹۹-۶۶۵ھ) کہتے ہیں:

وَلَا يَنْبَغِي تَخْصِيصُ الْعِبَادَاتِ بِأَوْقَاتٍ لَّمْ يُخَصِّصْهَا بِهَا

الشَّرْعُ بَلْ يَكُونُ جَمِيعُ أَفْعَالِ الْبِرِّ مُرْسَلَةً فِي جَمِيعِ الْأَزْمَانِ  
لَيْسَ لِبَعْضِهَا عَلَى بَعْضٍ فَضْلٌ إِلَّا مَا فَضَّلَهُ الشَّرْعُ وَخَصَّهُ  
بِنَوْعٍ مِنَ الْعِبَادَةِ.

”عبادات کو ان اوقات سے خاص کرنا جائز نہیں، جن کے ساتھ انہیں شریعت  
نے خاص نہیں کیا، بلکہ نیکی کے کام تمام اوقات میں ایک جیسے ہیں الا کہ  
شریعت کسی عمل کو کسی مخصوص وقت میں ادا کرنے پر فضیلت بیان کر دے۔“

(الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص ۱۶۵)

(سوال): عیدین کے کتنے خطبے ہیں؟

(جواب): عید کا خطبہ مسنون ہے، دوسرے خطبے کے بارے میں صراحت سے نبی کریم ﷺ  
اور صحابہ سے کچھ ثابت نہیں۔ البتہ خطبہ جمعہ کی طرح عیدین میں دو خطبے دیے جاسکتے ہیں۔  
اس مسئلہ میں جتنی روایات ہیں، سب ضعیف ہیں، مثلاً:

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

السُّنَّةُ أَنَّ يَخْطُبَ الْإِمَامُ فِي الْعِيدَيْنِ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا  
بِجُلُوسٍ.

”نبوی طریقہ ہے کہ امام عیدین میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان کچھ  
دیر بیٹھے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲۹۹/۳)

تبصرہ

سند سخت ”ضعیف“ ہے۔

① ابراہیم بن محمد بن ابویکی اسلمی مدنی جمہور محدثین کے ”ضعیف“ ہے۔

② مرسل ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ضَعِيفٌ، غَيْرُ مُتَّصِلٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي تَقْرِيرِ ذَلِكَ شَيْءٌ،  
وَالْمُعْتَمَدُ فِيهِ قِيَاسٌ عَلَى الْجُمُعَةِ.

”یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ بھی ثابت نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ پر قیاس کر کے دو خطبے دیے جائیں۔“

(خلاصة الأحكام: ۲/۸۳۸)

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ عیدین کے دو خطبے ہیں، لہذا جمعہ کی طرح عیدین کے دو خطبے درست و جائز ہیں۔

(سوال) قریب المرگ کے سرہانے قرآن پاک رکھنا کیسا ہے؟

(جواب) بدعت ہے۔ بے اصل عمل ہے، اسلاف امت اس سے ناواقف تھے۔

(سوال) رمضان المبارک میں تکمیل قرآن کے موقع پر لائٹیں لگانا کیسا ہے؟

(جواب) رمضان المبارک میں تکمیل قرآن کریم کے موقع پر مسجد میں لائٹنگ کرنا بدعت اور

منکر ہے۔ خیر القرون میں اس کا وجود نہیں ملتا، بعد کی ایجاد ہے۔ وقت اور مال کا ضیاع ہے، مجوسیوں سے مشابہت ہے۔

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۰۸-۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَارُوا يُوقِدُونَ النَّيْرَانَ الْكَثِيرَةَ لِخْتِمَةِ فَيَجْمَعُونَ بَيْنَ

تَضْيِيعِ الْمَالِ وَالتَّشْبِهِ بِالْمَجُوسِ وَالتَّسَبُّبِ إِلَى اجْتِمَاعِ  
النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ بِاللَّيْلِ لِلْفَسَادِ وَيُرِيهِمْ إِبْلِيسُ أَنَّ فِي هَذَا  
إِعْزَازًا لِلْإِسْلَامِ وَهَذَا تَلْيِيسٌ عَظِيمٌ لِأَنَّ إِعْزَازَ الشَّرْعِ  
بِاسْتِعْمَالِ الْمَشْرُوعِ .

”تکمیل قرآن کے موقع پر چکا چوندروشنیوں کا اہتمام کرتے ہیں اور مال کا  
ضیاع، مجوس سے مشابہت اور رات میں مرد و زن کے اختلاط جیسے کئی فسادات  
کا موجب بنتے ہیں۔ شیطان یہ چکمہ دیتا ہے کہ یہ عمل اسلام کی سر بلندی کا  
باعث ہے۔ یہ شیطان کی ملع سازی ہے، کیوں کہ اسلام کی سر بلندی مشروع  
ذرائع سے ہی ممکن ہے۔“

(تلبیس إبلیس، ص ۱۳۸)

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ (م: ۷۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَزَادُ فِي لَيْلَةِ الْخَتْمِ شَيْءٌ زَائِدٌ عَلَى مَا فُعِلَ فِي أَوَّلِ  
الشَّهْرِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ فِعْلٍ مَنْ مَضَى بِخِلَافِ مَا أَحْدَثَهُ  
بَعْضُ النَّاسِ الْيَوْمَ مِنْ زِيَادَةِ وَقُودِ الْقَنَادِيلِ الْكَثِيرَةِ الْخَارِجَةِ  
عَنِ الْحَدِّ الْمَشْرُوعِ لِمَا فِيهَا مِنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ وَالسَّرَفِ  
وَالْخِيَلَاءِ سَيِّمًا إِذَا انْصَافَ إِلَى ذَلِكَ مَا يَفْعَلُهُ بَعْضُهُمْ مِنْ  
وُقُودِ الشَّمْعِ وَمَا يُرَكِّزُ فِيهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ شَيْءٌ مِّنَ الْفِضَّةِ أَوْ  
الذَّهَبِ فَاسْتِعْمَالُهُ مُحَرَّمٌ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَ

بَغِيرِهِمَا، فَهُوَ ابْضَاعَةٌ مَالٍ وَسَرَفٌ وَخِيْلَاءٌ .

”جو کچھ آغازِ رمضان میں کیا جاتا ہے، تکمیل قرآن کی رات اس سے زائد کچھ نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ اسلاف امت کی مخالفت ہے۔ آج کل بعض لوگوں نے اس فانوس اور روشنیوں کا انتظام شروع کر دیا ہے، جس سے شرعی حدود پر زد آتی ہے، کیوں کہ اس میں مال کا ضیاع، اسراف اور فخر و تکبر ہے۔ بعض لوگ خصوصی طور پر شمعیں وغیرہ روشن کرتے ہیں اور ان موم بتیوں میں طرح طرح کی چیزیں گاڑی جاتی ہیں، یہ اور بھی فتنہ عمل ہے۔ اگر تو سونا چاندی گاڑیں، تو یہ ممنوع اور حرام ہے اور اگر کوئی اور قیمتی چیز گاڑیں، تو مال کے ضیاع، اسراف و تبذیر اور تفاخر کا باعث ہے۔“

(المدخل: ۳۰۲/۲)

اس عمل میں مذاہب باطلہ کی پیروی ہے، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

**(سوال):** کیا جنات کا وجود ہے؟

**(جواب):** جنات کا وجود قرآن، متواتر احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تمیں کے قریب قرآنی آیات اس پر دلالت کناں ہیں، البتہ جہمیہ، معتزلہ، فلاسفہ، جمہور قدریہ اور زنادقہ و ملاحدہ جنات کی وجود کی حقیقت کے منکر ہیں۔ مختصر دلائل ملاحظہ ہوں:

① فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنَّ﴾ .

(الأنعام: ۱۱۲)

”ہم نے ہر نبی کے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین دشمن بنائے تھے۔“

② نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ﴾ . (الحجر: ۲۷)

”ہم نے انسانوں سے پہلے جنوں کو شعلے مارتی آگ سے پیدا کیا۔“

③ فرمان خداوندی ہے:

﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ﴾ . (الرحمن: ۱۵)

”اللہ نے جنوں کو شعلے مارتی آگ سے پیدا کیا۔“

④ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ،  
وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ .

”فرشتے نور سے اور جنات شعلے مارتی آگ سے پیدا ہوئے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے تخلیق مرحلہ سے تو آپ پہلے ہی آگاہ ہیں۔“

(صحیح مسلم: ۲۹۹۶)

⑤ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هُمَا مِنْ طَعَامِ الْجِنَّ، وَإِنَّهُ أَتَانِي وَفُذُّ جِنِّ نَصِيْبَيْنِ، وَنِعَمَ  
الْجِنُّ، فَسَأَلُونِي الرَّادَّ، فَدَعَوْتُ اللَّهَ لَهُمْ أَنْ لَا يَمْرُؤَ بِعَظَمٍ،  
وَلَا بِرَوْثَةٍ إِلَّا وَجَدُوا عَلَيْهَا طَعَامًا .

”ہڈی اور لید جنوں کی خوراک ہے۔ میرے پاس نصیبین (مدینے کی بستی)

کے جنوں کا وفد آیا، کیا ہی اچھے جن تھے، مجھ سے اشیائے خوردنی کا سوال

کرنے لگے، میں نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں ملنے والی ہر ہڈی پر کھانا مل جائے۔“

(صحیح البخاری: ۳۸۶۰)

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فَإِذَا جَنِّيَّ قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيَّ .

”ایک جن میرے سامنے کھڑا تھا۔“

(السَّنَنِ الْكَبْرَىٰ لِلنَّسَائِي: ۷۹۶۳، وسندهُ حسنٌ)

⑦ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

سَمِعْتُ الْجَنَّ يَبْكِينَ عَلَى حُسَيْنٍ .

”میں نے ایک جن کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر روتے سنا۔“

(فضائل الصَّحَابَةِ لِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ: ۱۳۷۳، وسندهُ صحيحٌ)

⑧ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْجِنَّ حَقٌّ وَهُمْ خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فِيهِمُ الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ؛ يَرَوْنَنَا وَلَا نَرَاهُمْ، يَأْكُلُونَ وَيَنْسِلُونَ وَيَمُوتُونَ .

”جنات کا وجود حق ہے، اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان میں مؤمن و کافر ہر دو قسم کے افراد موجود ہیں۔ وہ ہمیں دیکھتے ہیں، ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے۔ کھانا، نسل بڑھانا اور مرجانا ان کی فطرت میں شامل ہے۔“

(المَحَلِّي بِالْآثَار: ۳۳/۱)



⑨ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يُخَالَفْ أَحَدٌ مِّنْ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ فِي وُجُودِ الْجِنِّ وَلَا فِي أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، وَجُمُهورُ طَوَائِفِ الْكُفَّارِ عَلَى إِبْطَالِ الْجِنِّ أَمَّا أَهْلُ الْكِتَابِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَهُمْ مُقَرَّرُونَ بِهِمْ كإِقْرَارِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ وُجِدَ فِيهِمْ مَنْ يُنْكِرُ ذَلِكَ وَكَمَا يُوْجَدُ فِي الْمُسْلِمِينَ مَنْ يُنْكِرُ ذَلِكَ كَمَا يُوْجَدُ فِي طَوَائِفِ الْمُسْلِمِينَ الْغَالِطِينَ وَالْمُعْتَزِلَةَ مَنْ يُنْكِرُ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ جُمُهورُ الطَّائِفَةِ وَأَيْمَتُهَا مُقَرَّرِينَ بِذَلِكَ، وَهَذَا لِأَنَّ وُجُودَ الْجِنِّ تَوَاتَرَتْ بِهِ أَخْبَارُ الْأَنْبِيَاءِ تَوَاتُرًا مَّعْلُومًا بِالْإِضْطِرَارِ وَمَعْلُومًا بِالْإِضْطِرَارِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ عَقْلَاءُ فَاعِلُونَ بِالْإِرَادَةِ بَلْ مَأْمُورُونَ مِنْهُمْ لَيْسُوا صِفَاتٍ وَأَعْرَاضًا قَائِمَةً بِالْإِنْسَانِ أَوْ غَيْرِهِ كَمَا يَزْعُمُهُ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ فَلَمَّا كَانَ أَمْرُ الْجِنِّ مُتَوَاتِرًا عَنِ الْأَنْبِيَاءِ تَوَاتُرًا ظَاهِرًا تَعْرِفُهُ الْعَامَّةُ وَالْخَاصَّةُ لَمْ يُمْكِنْ لَطَائِفَةَ كَبِيرَةٍ مِّنَ الطَّوَائِفِ الْمُؤْمِنِينَ بِالرُّسُلِ أَنْ تُنْكِرَهُمْ.

”تمام فرق ہائے مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جنات کا وجود ہے اور محمد کریم ﷺ کی رسالت ان کے لیے بھی ہے۔ کفار کے اکثر گروہ بھی جنوں کی حقیقت تسلیم

کرتے ہیں، یہود و نصاریٰ بھی مسلمانوں کی طرح جنات کا وجود تسلیم کرتے ہیں، گو کچھ منکر بھی ہیں، معدودے چند منکر تو مسلمانوں میں بھی ہیں۔ کچھ غالی مسلمانوں اور معتزلہ کی جماعتوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، لیکن اکثر جماعتیں اور ان کے ائمہ جنات کا وجود مانتے ہیں، کیوں کہ جنات کے وجود سے متعلق انبیاء کے واقعات اس قدر متواتر ہیں کہ جنہیں ماننے بغیر چارہ نہیں۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ زندہ، صاحب عقل، خود مختار، بلکہ شریعت کے مکلف ہیں۔ یہ کوئی عارضہ یا وہم نہیں جو بعض انسانوں کو لاحق ہو جاتا ہے، جیسا کہ بعض ملحدوں کا خیال ہے۔ جب جنوں کا معاملہ اس قدر متواتر ہے کہ جسے ہر خاص و عام بخوبی سمجھ سکتا ہے، تو پھر رسولوں پر ایمان رکھنے والی اتنی بڑی جماعت کے لیے جنات کی حقیقت کا انکار ممکن نہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۱۰/۱۹)

⑩ ابن حجر مکی رحمہ اللہ (۹۰۹-۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْجَانُّ، فَأَهْلُ السُّنَّةِ يُؤْمِنُونَ بِوُجُودِهِمْ، وَإِنْكَارُ الْمُعْتَزِلَةِ لَوُجُودِهِمْ فِيهِ مُخَالَفَةٌ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ، بَلْ أَلْزَمُوا بِهِ كُفْرًا لِأَنَّ فِيهِ تَكْذِيبَ النُّصُوصِ الْقَطْعِيَّةِ بِوُجُودِهِمْ، وَمِنْ ثَمَّ قَالَ بَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ: الصَّوَابُ كُفْرُ مَنْ أَنْكَرَ وُجُودَهُمْ، لِأَنَّهُ جَحَدَ نَصِّ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ الْمُتَوَاتِرَةِ وَالْإِجْمَاعِ الضَّرُورِيِّ وَهُمْ مُكَلَّفُونَ قَطْعًا، وَمِنْ ثَمَّ وَعَدُوا

بِمَغْفِرَةِ الذُّنُوبِ وَالْإِجَارَةِ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ فِي الْآيَةِ الَّتِي فِي السُّؤَالِ وَتَوَعَّدُوا بِالْعِقَابِ .

”اہل سنت جنات کا وجود مانتے ہیں۔ معتزلہ انکاری ہیں، جو کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کی مخالفت ہے، بلکہ کفر ہے، اس سے جنات کے وجود پر دلالت کرنے والی قطعی نصوص کا انکار لازم آتا ہے۔ تب ہی تو بعض مالکیہ نے کہا ہے: جنات کے وجود کا منکر کافر ہے، کیوں کہ اس سے قرآنی نص، احادیث متواترہ اور اجماع کا انکار لازم آتا ہے۔ جنات کا مکلف ہونا ایک قطعی حقیقت ہے، اسی لیے تو ان سے قرآن میں گناہوں کی معافی اور الم ناک عذاب سے رہائی کا وعدہ کیا گیا ہے۔“

(الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص ۸۹)

تلك عشرة كاملة!

جنات کے وجود کا منکر کافر ہے، کیوں کہ ایسا شخص قرآن و حدیث اور اجماع امت کی تکذیب کر رہا ہے۔

**(سوال)** سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان «لَوْلَا مُعَاذُ هَلَكَ عُمَرُ» بہ لحاظ سند کیسا ہے؟

**(جواب)** پوری روایت یوں ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي غِبْتُ عَنِ امْرَأَتِي سَتَيْنِ فَجِئْتُ وَهِيَ حُبْلَى فَشَاوَرَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَاسًا فِي رَجْمِهَا، فَقَالَ

مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ كَانَ لَكَ عَلَيْهَا سَبِيلٌ فَلْيَسِّرْ لَكَ عَلَى مَا فِي بَطْنِهَا سَبِيلٌ فَاتْرُكْهَا حَتَّى تَضَعَ، فَتْرُكْهَا فَوَلَدْتُ غُلَامًا قَدْ خَرَجْتُ ثَنَائِيهِ فَعَرَفَ الرَّجُلُ الشَّبَهَ فِيهِ فَقَالَ: ابْنِي وَرَبُّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: عَجَزَتِ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ مُعَاذٍ، لَوْلَا مُعَاذٌ لَهْلَكَ عُمَرُ.

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین! میں دو سال اپنی بیوی سے دور رہا، ابھی واپس آیا ہوں، تو وہ حاملہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ آیا اسے رجم کر دیں؟ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: ماں کو تو آپ رجم کر سکتے ہیں، لیکن بچے کو رجم کرنے کا حق نہیں! لہذا وضع حمل تک اس کا معاملہ موقوف کر دیں، انہوں نے چھوڑ دیا۔ عورت نے بچہ جنم دیا، تو اس کے اگلے دانت نکل چکے تھے۔ اس آدمی نے جب بچے کی اپنے ساتھ مشابہت دیکھی، تو بول اٹھا: کعبہ کے رب کی قسم! یہ بچہ میرا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بعد تو مائیں بانجھ ہو گئیں، معاذ نہ ہوتے، تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“

(سنن سعید بن منصور: ۲۰۷۶، مصنف ابن أبي شيبة: ۵/۵۴۳، مصنف عبد الرزاق

: ۳/۷، ح: ۱۳۴۵۴، سنن الدارقطني: ۳۸۷۶، السنن الكبرى للبيهقي: ۷/۴۴۳، تاريخ

ابن عساكر: ۵۸/۴۸۸)

## تبصرہ

سخت ترین ”ضعیف“ ہے یا ”موضوع“ ہے۔

① اعمش ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② ”اشیاخ منا“ مجہول و مبہم ہیں۔

تاریخ ابن عساکر میں ”اشیاخ منا“ کا واسطہ نہیں۔ ابوسفیان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

(سوال) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کا نام کیا تھا؟

(جواب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کا نام عبد مناف بن عبد

المطلب تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ کا نام عمران تھا۔ یہ دنیا کی بے حقیقت بات ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وَأَسْمُهُ عِنْدَ الْجَمِيعِ عَبْدُ مَنْفٍ وَشَدَّ مَنْ قَالَ : عِمْرَانُ، بَلْ هُوَ قَوْلٌ بَاطِلٌ نَقَلَهُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي كِتَابِ الرَّدِّ عَلَى الرَّافِضِيِّ أَنَّ بَعْضَ الرِّوَاغِضِ زَعَمَ أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالَى : ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ﴾ (آل عمران : ۳۳)، أَنَّ آلَ عِمْرَانَ هُمْ آلُ أَبِي طَالِبٍ وَأَنَّ اسْمَ أَبِي طَالِبٍ عِمْرَانُ وَاشْتَهَرَ بِكُنْيَتِهِ .

”اہل حق کے نزدیک ابوطالب کا نام عبد مناف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ان کا نام

عمران ہے، ان کی بات شاذ بلکہ باطل ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ

نے روافض کے رد میں اپنی کتاب (منہاج السنة) میں لکھا ہے: بعض روافض کے نزدیک اللہ کے فرمان: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ﴾ (آل عمران: ۳۳) ’اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب فرمایا ہے۔‘ میں آل عمران سے مراد آل ابوطالب ہیں اور ابوطالب کا نام عمران تھا، اپنے کنیت سے مشہور ہوئے۔“

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۹۴/۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: كَانَ اسْمُهُ عِمْرَانُ، وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ: ۳۳)، وَهَذَا الَّذِي فَعَلُوهُ مَعَ مَا فِيهِ مِنَ الْإِفْتِرَاءِ وَالْبُهْتَانِ فَفِيهِ مِنَ التَّنَاقُضِ وَعَدَمِ حُصُولِ مَقْصُودِهِمْ مَا لَا يَخْفَىٰ.

”بعض روافض کہتے ہیں: ابوطالب کا نام عمران تھا۔ اللہ کے اس فرمان میں انہی کا ذکر ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ: ۳۳)، اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہان والوں سے چن لیا ہے۔ یہ اللہ پر افترا اور بہتان تو ہے ہی، اس استدلال میں بھی واضح تناقض ہے، یہ تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس من چاہی تفسیر سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔“

(منہاج السنة: ۳۵۰/۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴-۷۷۰ھ) لکھتے ہیں:

زَعَمَتِ الرَّوَافِضُ أَنَّ اسْمَ أَبِي طَالِبٍ عِمْرَانٌ وَأَنَّهُ الْمُرَادُّ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۳۳)، وَقَدْ أَخْطَأُوا فِي ذَلِكَ خَطَأً كَثِيرًا وَلَمْ يَتَأَمَّلُوا الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ يَقُولُوا هَذَا الْبُهْتَانَ مِنَ الْقَوْلِ فِي تَفْسِيرِهِمْ لَهُ عَلَى غَيْرِ مُرَادِ اللَّهِ تَعَالَى، فَإِنَّهُ قَدْ ذُكِرَ بَعْدَ هَذِهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ (آل عمران: ۳۵)، فَذَكَرَ مِيلَادَ مَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَهَذَا ظَاهِرٌ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ، وَقَدْ كَانَ أَبُو طَالِبٍ كَثِيرَ الْمَحَبَّةِ الطَّبِيعِيَّةِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِهِ إِلَى أَنْ مَاتَ عَلَى دِينِهِ كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ.

”روافض کہتے ہیں کہ ابوطالب کا نام عمران تھا اور اللہ کے اس فرمان میں انہی کا ذکر ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۳۳) اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو لوگوں سے پسند فرمایا ہے۔ یہ ان کی فحش غلطی ہے۔ یہ لوگ بے فکر ہو کر تفسیر میں اللہ پر ایسی بہتان بازیاں کرتے ہیں کہ اللہ کی مراد ہی بدل دیتے ہیں، کیا تدبر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ (آیت نمبر: ۳۳) کے بعد

یہ فرمایا ہے: ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ (آل عمران: ۳۵) جب عمران کی اہلیہ نے کہا: میرے رب! میں نذر مانتی ہوں کہ اپنے ہونے والے بیٹے کو تیرے لیے وقف کر دوں گی۔ گو ابوطالب کو نبی کریم ﷺ سے طبعی طور پر بہت لگاؤ تھا، لیکن آپ نے کلمہ نہیں پڑھا، کفر پر ہی فوت ہوئے، جیسا کہ صحیح بخاری (: ۱۳۶۰، ۲۳۷۵، ۳۸۸۴، ۴۷۷۲) میں ہے۔“

(البداية والنهاية: ۳۰/۱۱)

**سوال:** محراب میں کھڑے ہو کر امامت کرانا کیسا ہے؟

**جواب:** محراب میں کھڑے ہو کر امامت کرانا جائز اور درست ہے، خواہ کوئی دشواری نہ بھی ہو۔ محراب مسجد کا حصہ ہے، جو شرعی ضرورت کے پیش نظر بنایا گیا ہے۔ محراب کا وہی حکم ہے، جو مسجد کا ہے۔

کہا گیا ہے:

وَيُكْرَهُ قِيَامُ الْإِمَامِ وَحْدَهُ فِي الطَّاقِ وَهُوَ الْمِحْرَابُ وَلَا يُكْرَهُ سُجُودُهُ فِيهِ إِذَا كَانَ قَائِمًا خَارِجَ الْمِحْرَابِ هَكَذَا فِي التَّبَيِّنِ وَإِذَا ضَاقَ الْمَسْجِدُ بِمَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ .

”محراب میں اکیلا کھڑا ہونا امام کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ محراب میں سجدہ کرنا جائز ہے، جب نماز محراب سے باہر کھڑے ہو کر ادا کر رہا ہو۔ تبیین میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مسجد تنگ پڑ جائے، تو امام محراب میں کھڑا ہو سکتا ہے، یہ جائز ہے۔“



(فتاویٰ عالمگیری: ۱۰۸/۱)

مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں:

”امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، یعنی کراہت تنزیہی ہے۔ جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔“

(فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۶، ۵۰۴/۶)

کراہت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ ابن امیر الحاج حنفی اپنی کتاب حِلِّیَةُ الْمُحَلِّی شَرْحُ مَنِیَّةِ الْمُصَلِّی میں لکھتے ہیں:

فَأَمَّا الْمَسَاجِدُ الَّتِي بُنِيتْ، وَفِيهَا الطَّاقُ ابْتِدَاءً، فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَلَا يُكْرَهُ لِلْإِمَامِ الْوُقُوفُ فِيهِ، وَالطَّاقُ هُوَ الْمِحْرَابُ.

”جن مساجد میں ابتدا سے ہی محراب بنے ہوں، وہ مسجد کے حکم میں ہوں گے، لہذا اس میں امام بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے۔“

(الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة لعبد الحی اللکھنوی، ص ۱۷)

دلائل ملاحظہ ہوں:

① رافع بن مسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ.

”میں نے سوید بن غفلمہ رضی اللہ عنہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۵۹/۲، وسندہ حسن)

② موسیٰ بن نافع ابوشہاب حناط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ .

”میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٥٩/٢، سندہ حسن)

③ فطر بن خليفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا رَجَاءٍ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ .

”میں نے ابورجاء عطار دی رضی اللہ عنہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٥٩/٢، سندہ حسن)

اسحاق بن منصور کو سچ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قُلْتُ : تَكَرَّرَ الْمِحْرَابَ فِي الْمَسْجِدِ؟ قَالَ : مَا أَعْلَمُ فِيهِ

حَدِيثًا يَثْبُتُ، وَرَبَّ مَسْجِدٍ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ يُرْتَفَقُ بِهِ، قَالَ

إِسْحَاقُ كَمَا قَالَ .

”میں نے پوچھا: کیا آپ مسجد میں محراب مکر وہ سمجھتے ہیں؟ امام احمد بن

حنبل رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث میرے علم میں نہیں، کتنی

مساجد ہیں کہ جن میں سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے محراب کی ضرورت ہوتی

ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا۔“

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه : ١٥١/١)

تنبیہ نمبر: ①



① سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتَّقُوا هَذِهِ الْمَذَابِحَ، يَعْنِي: الْمَحَارِبَ.  
”محراب بنانے سے بچیں۔“

(المعجم الكبير للطبراني: ٥٤٠/١٣، ح: ١٤٤٣٣، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ٤٣٩/٢، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٤٣٩/٢، وسندہ صحیح)

② امام علقمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الْمَحْرَابِ وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَتْ الْكُنَائِسُ  
فَلَا تَشَبَّهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ، يَعْنِي: أَنَّهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الطَّاقِ.  
”آپ رضی اللہ عنہ محراب میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ گرجوں  
کی طرح ہیں، اہل کتاب سے مشابہت اختیار نہ کریں۔“

(مسند البزار: ١٥٧٧)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ میمون ابو حمزہ اعور ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی مدلس ہیں۔

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اتَّقُوا هَذِهِ الْمَحَارِبَ.  
”محراب بنانے سے بچیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ٥٨/٢)

تبصرہ:

سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

③ سالم بن ابی جعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ يَقُولُونَ : إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنَّ  
تَتَّخِذُ الْمَذَابِحُ فِي الْمَسَاجِدِ يَعْنِي الطَّاقَاتِ .

”صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے: قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مساجد میں  
محراب بنائے جائیں گے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٥٨/٢)

تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ عبیدہ بن معتب ضعی ”ضعیف اور مختلط“ ہے۔

(تقریب التّہذیب لابن حجر : ٤٤١٦)

⑤ سالم بن ابی جعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

لَا تَتَّخِذُوا الْمَذَابِحَ فِي الْمَسَاجِدِ .  
”مساجد میں محراب مت بنائیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ٥٨/٢، وسنده حسن)

(سوال): یزید نے کعبۃ اللہ گرایا تھا؟

(جواب): یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کو نقصان نہیں پہنچایا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(۷۷۸) لکھتے ہیں:

وَيَزِيدُ لَمْ يَهْدِمِ الْكَعْبَةَ، وَلَمْ يَقْصِدْ إِحْرَاقَهَا لَا هُوَ وَلَا نَوَابُهُ  
بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ .

”یزید نے یا اس کے نائبین میں سے کسی نے بھی کعبۃ اللہ کو منہدم کیا، نہ اسے  
جلانے کا ارادہ کیا، اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔“

(منہاج السنة: ۴/۵۷۷)

(سوال) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے تین شرائط پیش کرنا ثابت ہے؟

(جواب) ثابت نہیں۔

(سوال) موئے زیر ناف کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب) مرد وزن کی شرم گاہ اور اس کے گرداگنے والے بال زیر ناف کہلاتے ہیں، انہیں  
صاف کرنا فطرت ہے۔ طبی اعتبار سے کئی فوائد بھی ہیں، ان کی کم سے کم مدت مقرر نہیں،  
البتہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ چالیس دنوں سے تجاوز جائز نہیں، سیدنا  
انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ، وَتَنْفِ الْإِبِطِ،  
وَحَلْقِ الْعَانَةِ، أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً .

”نبی کریم ﷺ نے لیں لینے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر  
ناف بال صاف کرنے کی آخری حد چالیس دن رکھی ہے کہ اس سے زیادہ  
تاخیر نہ کی جائے۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۸)

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

الْأَفْضَلُ أَنْ يُقْلَمَ أَظْفَارُهُ وَيُحْفِيَ شَارِبَهُ وَيَحْلِقَ عَانَتَهُ  
وَيَنْظِفَ بَدَنَهُ بِالْإِغْتِسَالِ فِي كُلِّ أُسْبُوعٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ  
فَفِي كُلِّ خَمْسَةِ عَشَرَ يَوْمًا وَلَا يُعْذَرُ فِي تَرْكِهِ وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ  
..... وَلَا عُذْرَ فِيمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ وَيَسْتَحِقُّ الْوَعِيدَ .

”افضل یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ ناخن کاٹے جائیں، لبیں لی جائیں، زیر  
ناف بال صاف کئے جائیں اور غسل کیا جائے، اگر ایسا نہ کر پائے، تو پندرہ دن  
بعد کر لے، چالیس دن تک بھی اگر ایسا نہیں کرتا، تو عذر قبول نہیں، بلکہ وعید کا  
مستحق ٹھہرے گا۔“

(فتاویٰ عالمگیری: ۱/۳۵۷)

ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وَكُرِهَ تَرْكُهُ تَحْرِيمًا وَلَا عُذْرَ فِيمَا وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ وَيَسْتَحِقُّ  
الْوَعِيدَ .

”چالیس دن کے بعد بھی زیر ناف صاف نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، ایسا کرنے  
والا وعید کا مستحق ہو جاتا ہے۔“

(فتاویٰ شامی: ۶/۴۰۷)

① نِظَافَت اور سِتھرائی کے لئے بہتر ہے کہ پچھلی شرمگاہ کے ارد گرد بال بھی

صاف کئے جائیں، اگرچہ اس کے بارے میں روایت نہیں ملتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَيُسْتَحَبُّ إِمَاطَةُ الشَّعْرِ عَنِ الْقُبْلِ وَالذُّبْرِ بَلْ هُوَ مِنَ الذُّبْرِ  
أَوَّلَى خَوْفًا مِّنْ أَنْ يَعْلَقَ شَيْءٌ مِّنَ الْغَائِطِ فَلَا يُزِيلُهُ  
الْمُسْتَنْجِي إِلَّا بِالْمَاءِ وَلَا يَتِمَكَّنُ مِنْ إِزَالَتِهِ بِالسَّجْمَارِ .  
”اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں سے بال صاف کرنا مستحب ہے، بلکہ پچھلی  
شرمگاہ سے بال صاف کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ خدشہ رہتا ہے کہ ان بالوں  
کے ساتھ کچھ پاخانہ چمٹا رہ جائے اور ڈھیلا استعمال کرنے سے صاف ہی نہ ہو  
پائے اور پانی کا استعمال ضروری ہو جائے۔“

(فتح الباری: ۱۰/۳۴۳)

ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

الْعَانَةُ الشَّعْرِ الْقَرِيبِ مِنْ فَرْجِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ وَمِثْلُهَا شَعْرُ  
الذُّبْرِ بَلْ هُوَ أَوَّلَى بِالْإِزَالَةِ لِيَلَّا يَتَعَلَّقَ بِهِ شَيْءٌ مِّنَ الْخَارِجِ  
عِنْدَ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالْحَجَرِ .

”قبل اور دبر کے قریبی بال صاف کیجئے، بلکہ دبر کے بال صاف کرنا زیادہ بہتر  
ہے، تاکہ ڈھیلا استعمال کرتے وقت وہاں پاخانہ چمٹا نہ رہ جائے۔“

(فتاویٰ شامی: ۲/۴۸۱)

② لوہے کا آلہ یا کریم کا استعمال کیا جائے، ٹریٹ والوں کا پاکی ریزر، جو

خشک جلد پر استعمال ہوتا ہے، زیادہ بہتر ہے۔ مرد و عورت کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس  
میں وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوتا۔ زخم لگنے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، خصوصاً شوگر کے  
مریضوں یا بڑے پیٹ والوں کے لئے آسانی ہے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ جلد کا کلر بھی

خراب نہیں ہوتا، کریموں میں ایسے کیمیکل ہوتے ہیں، جو جلد کو داغدار کر دیتے ہیں۔  
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ، وَالْإِسْتِحْدَادُ،  
وَتَنْفُ الْإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ.

”پانچ چیزیں فطرت ہیں؛ ختنے کروانا، لوہے کا استعمال (زیر ناف کی صفائی کے لئے)، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں پست کرنا۔“

(صحیح البخاری: ۵۸۸۹، صحیح مسلم: ۲۵۷)

③ اگر بیماری یا عذر کی وجہ سے زیر ناف صاف نہیں کر سکتا، تو گناہ گار نہیں، کیوں کہ وہ مکلف نہیں۔ اپنی بیوی، بھائی یا ملازم سے یہ بال صاف نہیں کروانے چاہئیں، کیوں کہ اس میں ان کے لئے خفت اور پریشانی ہے، ضابطہ یہ ہے:

الضَّرَرُ الْأَشَدُّ يَزَالُ بِالضَّرَرِ الْأَخْفِ.

”کم تر نقصان کو گوارا کرتے ہوئے بڑے نقصان سے بچا جائے گا۔“

زیر ناف بال صاف کروانا بڑی پریشانی ہے، بال صاف نہ کرنے سے۔

④ زندگی کی امید باقی نہ رہے تو، جسم کے بال صاف کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، آپ کفار کی قید میں تھے، انہیں بتایا گیا کہ آپ کو سولی چڑھا دیا جائے گا:

اسْتَعَارَ مُوسَى مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ لِيَسْتَحِدَّ بِهَا  
فَاعَارَتْهُ.

”تو انہوں نے حارث بن عامر کی ایک بیٹی سے استرا مستعار لیا تاکہ زیر ناف



صاف کر لیں۔“

(صحیح البخاری: ۴۰۸۶)

بعضے غافل بالوں کے شرعی احکام سے واقف نہیں ہوتے، جن بالوں کو صاف کرنا حرام اور باعث لعنت ہے، انہیں صاف کر لیتے ہیں اور جن بالوں کو صاف کرنا ضروری ہے، انہیں صاف نہیں کرتے۔ کتنے ہی لوگ کہ اس حالت میں انہیں موت آ جاتی ہے، بعد میں لواحقین ان کے بال صاف کرتے ہیں، حالاں کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ وہ دارالتکلیف سے نکل چکا ہے، اسے فائدہ نہیں اور ان کے لئے خواخوہ کی پریشانی ہے۔

⑤ خصیتین کے بال بھی تلف کرنے چاہئیں۔

⑥ بعض لوگ ناف سے لے کر گھٹنوں تک بال اتار لیتے ہیں، یہ محض تکلف

ہے۔

④ غیر ضروری بال بائیں ہاتھ سے صاف کرنے چاہئیں، مجبوری کی صورت میں دایاں ہاتھ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

⑧ زیر ناف بال اتارنے کے بعد غسل اختیاری ہے، مشروع نہیں۔

⑨ عوام میں یہ نظریہ بھی پایا جاتا ہے کہ بال اتارنے کی شرعی حد گزر جائے تو

کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں۔ البتہ حد گزر جائے، تو گناہ گار ضرور ہوگا۔

⑩ بامر مجبوری زیر ناف بال کاٹے بھی جاسکتے ہیں، مونڈنا مسنون ہے۔

(سوال) اذان اور اقامت قبلہ رخ ہو کر کہنے کی کیا دلیل ہے؟

(جواب) اذان اور اقامت قبلہ رخ ہو کر کہنا مستحب ہے، یہ مسلمانوں کا موروثی عمل ہے۔

اس کے بارے میں دو احادیث آتی ہیں، لیکن دونوں ضعیف ہیں۔ امام ابن الممنذ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تُسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةُ بِالْأَذَانِ .  
 ”اجماع ہے کہ اذان قبلہ رو ہو کر کہنا سنت ہے۔“

(الإجماع، ص ۳۸)

حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع: ۳/۱۰۳) اور علامہ عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ (المغنی: ۱/۳۰۹)

نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ سلف کی ایک بڑی جماعت سے ثابت ہے کہ وہ رو بہ قبلہ ہو کر اذان کہنے کے قائل و فاعل تھے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک شخص نے رو بہ قبلہ ہو کر اذان کہی۔

(مسند السراج: ۶۱، وسندہ صحیح)

تنبیہ:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ تَرَكَ الْإِسْتِقْبَالَ جَازَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَيُكْرَهُ لِمُخَالَفَتِهِ  
 السُّنَّةَ .

”اگر قبلہ رو نہ ہو، تب بھی اذان جائز ہے، کیوں کہ مقصود حاصل ہے، البتہ مخالف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے۔“

(الهداية: ۱/۸۶)

صاحب ہدایہ کی یہ بات اجماع کی مخالفت کی بنا پر درست نہیں۔ جس مسئلہ میں سلف خاموش ہوں ہمیں بھی خاموش رہنا چاہیے، بلا وجہ اذان میں سمت قبلہ کو ترک کرنا جائز نہیں۔

(سوال): کیا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نیچے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا بستر اٹھالیا تھا؟

(جواب): ثابت نہیں ہے، یہ روایت (طبقات ابن سعد: ۹۹/۸، مغازی واقدی: ۷۹۲/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۳۹۲/۲، تاریخ ابن عساکر: ۱۵۰/۵۹) میں آتی ہے۔

① محمد بن عمرو واقدی متروک اور کذاب ہے، لہذا روایت جھوٹی ہے۔

② یہ امام زہری رحمہ اللہ کی مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں ہوتی۔

## ایک جھوٹ!

سیدہ سفینہ مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَمَرَّ أَبُو سُفْيَانَ عَلَى بَعِيرٍ وَمَعَهُ مُعَاوِيَةُ وَأَخٌ لَهُ، أَحَدُهُمَا يَقُودُ الْبَعِيرَ وَالْآخَرُ يَسُوقُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَنَ اللَّهُ الْحَامِلَ وَالْمَحْمُولَ وَالْقَائِدَ وَالسَّائِقَ.

”نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے کہ اونٹ پر سوار سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی (یزید) بھی ہم راہ تھے۔ ایک بھائی نے اونٹ آگے سے پکڑا ہوا تھا اور دوسرا پیچھے سے ہانک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوار، سواری، قائد اور ہانکنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔“

(أنساب الأشراف للبلاذري: ۱۲۹/۵، ح: ۳۷۲)

تبصرہ:

انساب الأشراف بے سند اور بے بنیاد کتاب ہے۔ اس میں منقول روایات ناقابل

اعتبار ہیں۔

سیدنا عازد بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ، أَتَى عَلَى سَلْمَانَ، وَصُهَيْبٍ، وَبِلَالٍ فِي نَفَرٍ،  
فَقَالُوا : وَاللَّهِ مَا أَخَذْتُ سَيْوْفُ اللَّهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللَّهِ  
مَأْخِذَهَا، قَالَ : فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَتَقُولُونَ هَذَا لِشَيْخٍ قُرَيْشٍ  
وَسَيِّدِهِمْ؟، فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ :  
يَا أَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ أَغْضَبْتَهُمْ، لَئِنْ كُنْتُ أَغْضَبْتَهُمْ، لَقَدْ  
أَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاتَاهُمْ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ : يَا إِخْوَتَاهُ أَغْضَبْتُكُمْ؟  
قَالُوا : لَا، يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا أَخِي .

”ابوسفیان رضی اللہ عنہ (قبول اسلام سے قبل) سیدنا سلمان، سیدنا صہیب اور سیدنا  
بلال رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے، تینوں کہنے لگے: اللہ کی قسم! اللہ کی تلواروں  
نے دشمن کی گردنیں کما حقہ نہیں ماری۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریش کے  
بزرگ اور سید کو ایسی بات کہتے ہو؟ بعد میں خود نبی کریم ﷺ کے پاس آئے  
اور ساری بات بتائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! کہیں انہیں رنجیدہ تو نہیں  
کردیا۔ اگر ایسا کر دیا، تو سمجھو کہ اللہ کو ناراض کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان صحابہ  
کے پاس آئے اور کہا: کیا میں نے آپ کو ناراض کر دیا ہے؟ کہنے لگے: نہیں،  
بھائی جان! اللہ آپ کو معاف کرے۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۰۴)

تبصرہ:

یہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ شرح حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل کا واقعہ ہے۔

(سوال) رشوت کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

(جواب) رشوت کی تعریف یہ ہے:

مَا يُعْطَى لِإِبْطَالِ حَقٍّ، أَوْ لِإِحْقَاقِ بَاطِلٍ .

”جو چیز حق چھیننے یا باطل کے حصول کے لیے دی جائے، رشوت کہلاتی ہے۔“

(التعريفات للجرجاني، ص ۱۱۱)

## رشوت کا حکم:

رشوت دینا لینا حرام ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

(النساء: ۲۹)

”اہل ایمان! باطل طریقہ سے ایک دوسرے کے مال نہ کھائیں۔“

نیز فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدة: ۲)

”نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کیجئے، گناہ اور سرکشی پر نہ کیجئے۔ اللہ

سے ڈرجائیے، اللہ سخت پکڑ کرنے والا ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللَّهُ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ .

”اللہ نے رشوت دینے اور لینے والے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳۸۷/۲، سنن الترمذي: ۱۳۳۶، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۵۸۵) اور امام

ابن حبان رحمہ اللہ (۵۰۷۶) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ .

”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۱۶۴/۲، ۱۹۰، ۱۹۴، سنن أبي داود: ۳۵۸۰، سنن الترمذي: ۱۳۳۷،

سنن ابن ماجه: ۲۳۱۳، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۵۸۶) نے

”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (۱۰۲/۴-۱۰۳) نے ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ

نے ”صحیح“ کہا ہے۔

مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: مَا السُّحْتُ؟ قَالَ

: الرَّشَا، فَقَالَ: فِي الْحُكْمِ؟ قَالَ: ذَاكَ الْكُفْرُ، ثُمَّ قرَأَ: ﴿وَمَنْ

لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ . (المائدة: ۴۴)

”میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص نے کہا، حرام کیا ہے؟ فرمایا:

رشوت، عرض کیا: حکم؟ فرمایا: کفر ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

”جو وحی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، یہ لوگ کافر ہیں۔“

(مسند أبي يعلى: ۵۲۶۶، وسنده صحيح)

اپنے حق کے حصول کے لئے یا اپنے آپ سے ظلم و زیادتی کو دور کرنے کے لئے کسی کو کچھ دینا رشوت کی تعریف سے خارج ہے، البتہ لینے والے کے لئے حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے، کیوں کہ ظلم کی کوئی صورت جائز نہیں۔ جو لوگوں کا مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے حاصل کرتے ہیں، انہیں اللہ کی پکڑ سے ڈر جانا چاہیے۔ یاد رہے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی، اس سے دلوں کا اطمینان سلب ہو جاتا ہے، یوم حساب کی جواب دہی بھی سخت ہے۔

رشوت کسی کی حق تلفی کے لئے کچھ دینے کو کہتے ہیں، رشوت دینے والا راشی اور جسے رشوت دی جائے مرثی اور ان دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے والا راءش کہلاتا ہے۔

**(سوال):** کیا سگریٹ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

**(جواب):** سگریٹ نوشی حرام ہے، اسے ترک کرنا واجب ہے۔ صحت کے لیے انتہائی مضر ہے۔ مہلک بیماریوں کا سبب ہے۔ مال کا ضیاع ہے۔ تمباکو سے فرشتوں اور انسانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ ایسا شخص جب مسجد کو آئے، تو منہ صاف کر لے، البتہ وضو نہیں ٹوٹتا۔

**(سوال):** بعض علاقوں میں ہر جمعرات شام کو کھانے پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو ایصال کیا جاتا ہے اور کھانا فقیر کو کھلا دیا جاتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(جواب) : بے اصل اور بدعت ہے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ اور ائمہ دین سے قطعاً ثابت نہیں۔ دین نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ اعمال کا نام ہے۔ جس عمل سے خیر القرون کے مسلمان نا واقف ہوں، وہ فتیج بدعت ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (۱۳۳۲-۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وَمِمَّا سَبَقَ تَعْلَمُ أَنَّ قَوْلَ النَّاسِ الْيَوْمَ فِي بَعْضِ الْبِلَادِ  
«الْفَاتِحَةُ عَلَى رُوحِ فُلَانٍ» مُخَالِفٌ لِلْسُّنَّةِ الْمَذْكُورَةِ، فَهُوَ  
بِدْعَةٌ بِلَا شَكٍّ، لَا سِيَّمَا وَالْقِرَاءَةُ لَا تَصِلُ إِلَى الْمَوْتِ عَلَى  
الْقَوْلِ الصَّحِيحِ كَمَا سَيَأْتِي تَفْصِيلُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

”سابقہ بحث سے سیکھ لیں کہ بعض علاقوں میں کسی روح پر فاتحہ پڑھنے کا عمل مذکورہ سنت کی مخالفت ہے۔ یہ بدعت ہے۔ خاص کر صحیح قول کے مطابق میت تک قراءت نہیں پہنچتی، جیسا کہ آئندہ تفصیلی بات ہوگی۔ ان شاء اللہ!“

(أحكام الجنائز، ص ۳۳)

(سوال) : برسی منانا کیسا ہے؟

(جواب) : برسی منانا بدعت اور فتیج فعل ہے۔ برسی کے موقع پر بے شمار بدعات و خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ نیز یہ عمل شرعاً بے اصل ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِّي بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ . (الشورى: ۲۱)



”کیا ان کے ایسے شریک ہیں، جو انہیں شریعت گھڑ کر دیتے ہیں، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ فیصلہ کی بات نہ ہوتی، تو ان کا کام تمام کر دیا جاتا، نیز ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہ لوگوں کا گھڑا ہوا دین ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.

”ایسا عمل جس پر مہربانی نہیں ہے، وہ مردود و باطل ہے۔“

(صحیح مسلم: ۱۷۱۸)

صحابہ کرام اور اسلاف امت اس عمل سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اِقْتَدِهٖ﴾ . (الأنعام: ۹۰)

”اللہ کے ہدایت یافتہ بندے یہی ہیں، لہذا انہی کی اقتدا کریں۔“

(سوال): نماز عید کے بعد قبرستان کی زیارت کرنا کیسا ہے؟

(جواب): قبرستان کی زیارت مشروع اور جائز ہے، لیکن اسے کسی دن کے ساتھ خاص کرنا، جیسا کہ عید کے دن قبرستان جا کر دعا کرنا اور قبر پر پھول نچھاور کرنا وغیرہ فبیح بدعت اور فعل بد ہے۔ خیر القرون کے مسلمان اس سے ناواقف تھے۔ وہ سب سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ محبت کرنے والے اور محبت رسول کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔ دین کا وسیع علم ہونے کے باوجود انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو یہ دین کیسے بن گیا۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۹۳-۱۷۹ھ) کیا خوب فرماتے ہیں:

مَنْ أَحْدَثَ فِي هَذِهِ الْأَمَّةِ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ سَلَفُهَا  
فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ  
لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ  
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾، فَمَا لَمْ يَكُنْ  
يَوْمَئِذٍ دِينًا لَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا.

”جس نے آج کوئی ایسی چیز جاری کی، جس پر اسلاف امت کا عمل نہیں تھا، وہ  
زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابلاغِ رسالت میں خیانت  
کی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ  
نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا،  
اتمامِ نعمت کیا اور اسلام دین آپ کے لئے پسند فرمایا۔“ لہذا جو چیز اس دن  
دین نہ تھی، وہ آج دین نہیں ہو سکتی۔“

(الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم: ٥٨/٦، وسنده حسن)

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ (٤٣٤ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنْ عَادَتِهِ الدِّمِيمَةِ أَنَّهُ لَا يَأْمُرُ بِتَرْكِ سُنَّةٍ حَتَّى يُعَوِّضَ لَهُمْ  
عَنْهَا شَيْئًا يُخَيِّلُ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ قُرْبَةٌ، عَوِّضَ لَهُمْ عَنْ سُرْعَةِ  
الْأَوْبَةِ زِيَارَةَ الْقُبُورِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى أَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْعِيدِ  
وَزَيْنَ لَهُمْ ذَلِكَ وَارَاهُمْ أَنَّ زِيَارَةَ الْأَقَارِبِ مِنَ الْمَوْتَى فِي  
ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنْ بَابِ الْبِرِّ وَزِيَادَةِ الْوُدِّ لَهُمْ وَأَنَّهُ مِنْ قُوَّةِ

التَّفْجَعِ عَلَيْهِمْ، إِذْ فَقَدَهُمْ فِي مِثْلِ هَذَا الْعِيدِ، وَفِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ هَذَا الْيَوْمِ مِنَ الْبَدَعِ، وَالْمُحَرَّمَاتِ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَكَيْفَ بِهِ فِي هَذَا الْيَوْمِ الَّذِي فِيهِ النَّسَاءُ يَلْبَسْنَ وَيَتَحَلَّلْنَ ابْتِدَاءً، وَيَتَجَمَّلْنَ فِيهِ بِغَايَةِ الزِّيْنَةِ مَعَ عَدَمِ الْخُرُوجِ فَكَيْفَ بِهِنَّ فِي الْخُرُوجِ فِي هَذَا الْيَوْمِ فَتَرَاهُنَّ يَوْمَ الْعِيدِ عَلَى الْقُبُورِ مُتَكَشِّفَاتٍ قَدْ خَلَعْنَ جِلْبَابَ الْحَيَاءِ عَنْهُنَّ، فَبَدَّلَ لَهُمْ مَوْضِعَ السُّنَّةِ مُحَرَّمًا وَمَكْرُوهًا.

”یہ بھی شیطانی ہتھکنڈا ہے کہ وہ ترکِ سنت کا نہیں کہتا، بلکہ کسی اور کام پر لگا کر خیال ڈالتا ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے۔ شیطان نے لوگوں کے ساتھ یہ چال چلی کہ وہ عید کے دن گھر واپس لوٹنے سے پہلے قبروں کی زیارت کریں، اس عمل کو مختلف تخیلات سے مزین کر دیا اور انہیں ذہنی دلائل مہیا کیے کہ اس دن اپنے اعزاء و اقارب کی قبروں کی زیارت، نیکی اور ان سے محبت کا اظہار ہے۔ اس عید پر ان کے نہ رہنے کا افسوس ہوتا ہے۔ لوگوں نے عام دنوں میں بھی قبروں کے سے حوالے سے بدعات و خرافات کا بازار گرم کر دیا۔ تو عید کے دن کیا حال ہوگا، جب کہ اس دن عورتیں خوش گوار ملبوسات اور زیورات زیب تن کیے ہوتی ہیں اور زینت کی حدیں پار کیے ہوتی ہیں، ابھی تو یہ عید کے لیے نہیں نکلتیں، جب یہ زیارتِ قبور کے لیے نکلیں گی، تو دیکھ لینا یہ قبروں پر اپنا پردہ حیا تار تار کر دیں گیں۔ یوں شیطان نے سنت کے بدلے حرام کام کا مرتکب بنا

دیا۔“

(المدخل: ۱/۲۸۶)

**(سوال):** نماز جنازہ سے پہلے جنازہ پڑھانے والے کا یہ کہنا کیسا ہے کہ نیت کرلو؟

**(جواب):** بدعت اور ضلالت ہے۔ نبی کریم ﷺ نمازوں سے پہلے صف بندی کا حکم دیتے تھے، مگر آپ ﷺ نے پوری زندگی کسی نماز سے پہلے نیت کرنے کا نہیں کہا۔ بعض ائمہ تو نیت کے الفاظ دہراتے ہیں، حالاں کہ زبان سے نیت کرنا شرعاً ثابت نہیں۔

**(سوال):** چہلم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**(جواب):** بدعت قبیحہ ہے۔ کسی کی وفات کے چالیس دن بعد محفل منعقد کرنا، غم کو تازہ کرنا، قرآن پاک ختم کرنا اور کھانے پینے کا خوب انتظام کرنا سب بدعات ہیں۔

عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے چہلم کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا:

الْأَصْلُ فِيهَا أَنَّهَا عَادَةٌ فِرْعَوْنِيَّةٌ كَانَتْ لَدَى الْفِرَاعَيْنَةِ قَبْلَ  
الْإِسْلَامِ ثُمَّ انْتَشَرَتْ عَنْهُمْ وَسَرَتْ فِي غَيْرِهِمْ وَهِيَ بِدْعَةٌ  
مُنْكَرَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا فِي الْإِسْلَامِ يَرُدُّهَا مَا ثَبَتَ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ،  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ  
مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ».

”بنیادی طور پر یہ فرعونوں کی عادت ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے حکومت فرعون میں ایسا ہوتا تھا، ان سے دوسروں میں بھی سرایت کر گئی۔ یہ منکر بدعت ہے۔ اسلام میں اس کا جواز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» جس نے دین میں نئی چیز داخل کی، وہ اور

اس کا عمل مردود ہے۔“

(فتاویٰ اسلامیة: ۵۶/۲)

**(سوال)** محفل نعت منعقد کر کے وجد میں آ کر رقص کرنا کیسا ہے؟

**(جواب)** صوفیا کا سا عمل ہے، نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر کرنا مشروع ہے، لیکن آپ ﷺ کے بتائے ہوئے آداب ملحوظ خاطر رکھنا انتہائی ضروری ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

وَمَا يَفْعَلُهُ الَّذِينَ يَدْعُونَ الْوَجْدَ وَالْمَحَبَّةَ لَا أَصْلَ لَهُ، وَيُمْنَعُ  
الصُّوفِيَّةُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ وَتَخْرِيقِ الثِّيَابِ، كَذَا فِي  
السَّرَاجِيَّةِ .

”صوفیوں کا وجد اور محبت بے اصل ہے۔ انہیں آوازیں بلند کرنے اور کپڑے  
پھاڑنے سے منع کیا جائے گا، جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: ۳۱۹/۵)

**(سوال)** نبی کریم ﷺ کو معراج کب ہوئی؟ اس موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے، اس کی شرعی  
حیثیت کیا ہے؟

**(جواب)** معراج حق ہے، لیکن تاریخ کے متعلق کچھ ثابت نہیں۔

علامہ ابوشامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۵ھ) لکھتے ہیں:

ذَكَرَ بَعْضُ الْقِصَاصِ أَنَّ الْأَسْرَى كَانَ فِي رَجَبٍ وَذَلِكَ عِنْدَ  
أَهْلِ التَّعْدِيلِ وَالتَّجْرِيحِ عَيْنُ الْكَذِبِ .

”کسی قصہ گو نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج ماہِ رجب میں ہوئی۔ محققین

کے ہاں یہ صریح جھوٹ ہے۔“

(الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص ۱۱۶)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ شیخ الاسلام، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

وَلَمْ يَقُمْ دَلِيلٌ مَّعْلُومٌ لَا عَلَى شَهْرِهَا وَلَا عَلَى عَشْرِهَا وَلَا عَلَى عَيْنِهَا، بَلِ النُّقُولُ فِي ذَلِكَ مُنْقَطِعَةٌ مُخْتَلِفَةٌ لَيْسَ فِيهَا مَا يُقْطَعُ بِهِ، وَلَا شُرْعٌ لِلْمُسْلِمِينَ تَخْصِيصُ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُظَنُّ أَنَّهَا لَيْلَةُ الْإِسْرَاءِ بِقِيَامٍ وَلَا غَيْرِهِ .

”ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، جس سے معراج کا مہینہ، عشرہ یا تاریخ کا علم ہو سکے، بلکہ اس کے متعلق جتنی روایات ہیں، ساری کی ساری منقطع اور ضعیف ہیں، کوئی بھی قابل استناد نہیں۔ جس رات کو لیلۃ الاسرا کا نام دیا جاتا ہے، اسے قیام یا کسی اور عبادت سے خاص کرنا مشروع نہیں۔“

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد : ۵۸/۱)

نیز فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِيهَا بِلَا عِلْمٍ، وَلَا يُعْرَفُ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ أَنَّهُ جَعَلَ لِلَّيْلَةِ الْإِسْرَاءِ فَضِيلَةً عَلَى غَيْرِهَا، لَا سِيمَا عَلَى لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَلَا كَانَ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ يَقْصِدُونَ تَخْصِيصَ لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ بِأَمْرٍ مِنَ الْأُمُورِ وَلَا يَذْكُرُونَهَا، وَلِهَذَا لَا يُعْرَفُ أَيُّ لَيْلَةٍ كَانَتْ، وَإِنْ كَانَ

الْإِسْرَاءُ مِنْ أَعْظَمِ فَضَائِلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ هَذَا فَلَمْ يُشْرَعْ تَخْصِيصُ ذَلِكَ الزَّمَانِ وَلَا ذَلِكَ الْمَكَانِ بِعِبَادَةِ شَرْعِيَّةٍ، بَلْ غَارُ حِرَاءِ الَّذِي ابْتَدَأَ فِيهِ بِنُزُولِ الْوَحْيِ وَكَانَ يَتَحَرَّاهُ قَبْلَ النُّبُوَّةِ لَمْ يَقْصِدْهُ هُوَ وَلَا أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ مُدَّةَ مُقَامِهِ بِمَكَّةَ، وَلَا خُصَّ الْيَوْمُ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْوَحْيُ بِعِبَادَةٍ وَلَا غَيْرِهَا، وَلَا خُصَّ الْمَكَانُ الَّذِي ابْتَدَأَ فِيهِ بِالْوَحْيِ وَلَا الزَّمَانُ بِشَيْءٍ، وَمَنْ خَصَّ الْأَمْكِنَةَ وَالْأَزْمِنَةَ مِنْ عِنْدِهِ بِعِبَادَاتٍ لِأَجْلِ هَذَا وَأَمْثَالِهِ كَانَ مِنْ جِنْسِ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِينَ جَعَلُوا زَمَانَ أَحْوَالِ الْمَسِيحِ مَوَاسِمَ وَعِبَادَاتٍ، كَيَوْمِ الْمِيلَادِ، وَيَوْمِ التَّعْمِيدِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ أَحْوَالِهِ .

”اس مسئلہ میں بغیر علم کے کلام کرنا کسی کے لئے روا نہیں۔ کسی مسلمان سے ثابت نہیں کہ اس نے اس رات کو دیگر راتوں، خصوصاً ”لیلۃ القدر“ پر فضیلت دی ہو۔ صحابہ اور تابعین میں سے کوئی بھی اس رات کو مخصوص کر کے عبادت نہیں کرتا تھا اور نہ کسی نے اس کا تذکرہ کیا۔ تب ہی تو اس کا تعین نہیں ہو سکا! اگرچہ معراج آپ ﷺ کے عظیم فضائل میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود اس وقت اور جگہ کو کسی شرعی عبادت سے خاص کرنے کا نہیں کہا گیا۔ غارِ حراء، جس میں وحی کی ابتدا ہوئی اور جہاں آپ ﷺ نبوت سے قبل عبادت کیا کرتے تھے، وہاں بھی آپ ﷺ نے یا کسی صحابی نے عبادت کا قصد نہیں کیا، نزول وحی

کے دن کو عبادت وغیرہ کے لیے خاص کیا، نہ کسی مکان و زمان کو کسی عمل کے ساتھ خاص کیا۔ کسی زمان و مکان کو کسی عبادت کے ساتھ خاص کرنے والے کی مثال، ان اہل کتاب کی سی ہے، جنہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے احوال کے اوقات کو مخصوص عبادات اور رسومات بنا لیا۔ مثلاً عید میلاد عیسیٰ (کرسمس ڈے) اور یوم تعمید (عیسائی مذہب قبول کرنے والے کو غسل کرایا جاتا ہے) وغیرہ وغیرہ۔“

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد : ۱/ ۵۸-۵۹)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (۷۴۹ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ رُوِيَ : أَنَّهُ فِي شَهْرِ رَجَبِ حَوَادِثَ عَظِيمَةٍ وَلَمْ يَصِحَّ شَيْءٌ مِّنْ ذَلِكَ فَرُوِيَ : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْهُ وَأَنَّهُ بُعِثَ فِي السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْهُ وَقِيلَ : فِي الْخَامِسِ وَالْعِشْرِينَ وَلَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِّنْ ذَلِكَ وَرُوِيَ بِإِسْنَادٍ لَا يَصِحُّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ : أَنَّ الْإِسْرَاءَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَابِعٍ وَعِشْرِينَ مِنْ رَجَبٍ وَأَنكَرَ ذَلِكَ إِبْرَاهِيمُ الْحَرَبِيُّ وَغَيْرُهُ .

”ماہِ رجب کے متعلق روایات ہیں کہ اس میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے، لیکن ان میں کوئی بھی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، مثلاً یہ کہ یکم رجب کی رات نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے اور ستائیسویں یا پچیسویں شب آپ کو



نبوت ملی۔ ان میں کچھ بھی ثابت نہیں۔ ایک ضعیف روایت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے بیان کی جاتی ہے کہ معراج رجب کی ستائیسویں شب ہوئی، لیکن ابراہیم حربی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔“

(لطائف المعارف، ص ۲۳۳)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذِ الْأَعْيَادُ شَرِيعَةٌ مِنَ الشَّرَائِعِ، فَيَجِبُ فِيهَا الْإِتِّبَاعُ، لَا الْإِبْتِدَاعُ، وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبٌ وَعُهُودٌ وَوَقَائِعٌ فِي أَيَّامٍ مُتَعَدَّدَةٍ: مِثْلُ يَوْمِ بَدْرٍ، وَحُنَيْنٍ، وَالْخَنْدَقِ، وَفَتْحِ مَكَّةَ، وَوَقْتِ هِجْرَتِهِ، وَدُخُولِهِ الْمَدِينَةَ، وَخُطْبٍ لَهُ مُتَعَدَّدَةٍ يَذْكُرُ فِيهَا قَوَاعِدَ الدِّينِ، ثُمَّ لَمْ يُوجِبْ ذَلِكَ أَنَّ يُتَّخَذَ أَمْثَالُ تِلْكَ الْأَيَّامِ أَعْيَادًا، وَإِنَّمَا يَفْعَلُ مِثْلَ هَذَا النَّصَارَى الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ أَمْثَالَ أَيَّامِ حَوَادِثِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْيَادًا، أَوْ الْيَهُودِ، وَإِنَّمَا الْعِيدُ شَرِيعَةٌ، فَمَا شَرَعَهُ اللَّهُ أَتَّبِعْ، وَإِلَّا لَمْ يُحْدَثْ فِي الدِّينِ مَا لَيْسَ مِنْهُ .

”چوں کہ عیدیں بھی شریعت ہیں، لہذا اس میں اتباع واجب ہے، نہ کہ اختراع۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی خطبے، معاہدے اور اہم واقعات ہیں، مثلاً یوم بدر، حنین، خندق، فتح مکہ، وقت ہجرت، مدینہ میں داخلہ وغیرہ، جن میں آپ نے اساس دین کو ڈسکس کیا ہے، لیکن ان سب کے باوجود ان جیسے دنوں اور

موقعوں کو عید قرار نہیں دیا۔ یہ تو عیسائیوں کا وطیرہ ہے، انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب اہم واقعات کو یوم عید قرار دیا۔ یہودیوں نے بھی کچھ ایسا ہی کیا، عید ایک شرعی تہوار ہے، جسے اللہ شریعت بنا دے، وہ واجب الاتباع ہے، ورنہ دین میں بدعت شامل نہ کی جائے۔“

(إقتضاء الصراط المستقیم، ص ۲۹۴)

**(سوال):** کلامی لاینسَخ کلام اللہ ..... روایت کیسی ہے؟

**(جواب):** پوری روایت یوں ہے:

كَلامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللَّهِ وَكَلامُ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي، وَكَلامُ اللَّهِ يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا.

”حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی، قرآن حدیث کو منسوخ کر سکتا ہے اور بعض آیات بعض کو منسوخ کر سکتی ہیں۔“

(سنن الدارقطني: ۴/۱۴۵، ح: ۴۲۷۷، الكامل في الضعفاء لابن عدي: ۱۸۰/۲)

**تبصرہ:**

جھوٹی روایت ہے۔

① اسے گھڑنے والا جبرون بن واقد افریقی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مَتَّهَمٌ، فَإِنَّهُ رَوَى بِقَلَّةٍ حَيَاءٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعًا: كَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي ..... الْحَدِيثُ.

”متمم بالکذب ہے، اتنا بے حیا ہے کہ سفیان عن ابی الزبیر عن جابر کے واسطے سے مرفوع بیان کرتا ہے کہ (كَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي .....)-“

(میزان الاعتدال: ۱/۳۸۸)

نیز «لیس بثقة» ”غیر معتبر“ کہا ہے۔

(المغنی فی الضعفاء: ۱/۱۲۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

وَأَحْسَبُ الْآفَةَ فِي الْحَدِيثِ مِنْ جَبْرُونَ.

”یہ روایت جبرون کی کارستانی ہے۔“

(لسان المیزان: ۵/۱۶۱)

اس حدیث کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ”منکر“ کہا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال: ۲/۱۸۰)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”الموضوعات“ (۱/۱۲۵، ج: ۱۹۰) میں ذکر کیا ہے اور امام

ابن عدی رحمہ اللہ کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”موضوع“ (من گھڑت) کہا ہے۔

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال: ۱/۳۸۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

(لسان المیزان: ۵/۱۶۱)

حافظ حازمی رحمہ اللہ نے ”منکر“ کہا ہے۔

(الإعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار، ص ۲۸)

ابن القیصر انی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فِيهِ جَبْرُونُ بْنُ وَاقِدٍ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ .

”اس حدیث میں جبرون بن واقد منکر الحدیث ہے۔“

(ذخيرة الحفاظ : ۴/۱۹۲۰)

(۲، ۳) سفیان بن عیینہ اور ابو زبیر رضی اللہ عنہما ”مدلس“ ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

(سوال): کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بھی دن کے اجالے کی طرح دیکھتے تھے؟

(جواب): سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرَى بِاللَّيْلِ فِي  
الظُّلْمَةِ كَمَا يَرَى بِالنَّهَارِ مِنَ الضَّوِّ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں ویسے ہی دیکھتے تھے، جیسے دن کے  
اجالے میں دیکھتے تھے۔“

(دلائل النبوة للبيهقي : ۶/۷۵)

تبصرہ:

سند سخت ”ضعیف“ ہے۔

① عبدالرحمن بن عمار شہید کون ہے؟ معلوم نہیں!

② صالح بن عبداللہ نیشاپوری بھی لاپتہ ہے۔

③ ابو عبداللہ محمد بن خلیل نیشاپوری کی توثیق درکار ہے!

④ مغیرہ بن مسلم قسمی کا عطا سے سماع نہیں، امام ابو زرعہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْ الْمُغِيرَةَ مِنْ عَطَاءٍ، وَهُوَ مُرْسَلٌ .

”مغیرہ کا عطا سے سماع نہیں، لہذا سند مرسل ہوئی۔“

(تحفة التحصيل، ص ۳۱۳)

اس سند کو امام بیہقی رحمہ اللہ کا ”لیس بالقوی“ قرار دینا ”تساہل“ ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ بھی مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرَى فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرَى فِي الضُّوءِ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں ایسے ہی دیکھتے، جیسے اجالے میں دیکھتے۔“

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدي : ۳۶۵/۵، دلائل النبوة للبيهقي : ۷۴/۶،

الفوائد لتمام الرازي : ۱۳۳۷، تاریخ بغداد للخطيب : ۲۷۲/۴)

سند جھوٹی ہے۔ معلى بن ہلال طحان کی گھڑنٹل ہے۔ معلى باتفاق محدثین ”وضاع“ اور

”متروک و کذاب“ ہے۔

دوسری آفت عبد اللہ بن مغیرہ ہے، جسے عبد اللہ بن محمد بن مغیرہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ

”منکر الحدیث“ ہے۔

تاریخ ابن عساکر (۱۰/۳۸۷) میں عبد اللہ بن زبیر کی ”مرسل“ روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْصُرُ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَبْصُرُ فِي الضُّوءِ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں ایسے ہی دیکھتے، جیسے اجالے میں دیکھتے۔“

سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ محمد بن مغیرہ مدنی کے حالات نہیں مل سکے، ابو جہا ہیر مخلص

بن موحد اور اس کے باپ موحد بن محمد بن عثمان کی توثیق نہیں ملی، لہذا سند سخت ”ضعیف“

ہے۔

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۰۸-۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ .

”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(العِلل المتناہية: ۱/۱۶۸، ح: ۲۶۶)

**(سوال):** روایت «مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا فِي عِلْمِي» بہ لحاظ سند کیسی ہے؟

**(جواب):** اسماعیل بن عبد الرحمن سدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَى أُمَّتِي فِي صُورِهَا فِي الطِّينِ كَمَا عُرِضَتْ عَلَى  
آدَمَ، وَأُعْلِمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ بِي وَمَنْ يَكْفُرُ بِي، فَبَلَغَ ذَلِكَ  
الْمُنَافِقِينَ، فَقَالُوا اسْتِهْزَاءً: زَعَمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ  
بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ مِمَّنْ لَمْ يَخْلُقْ بَعْدُ، وَنَحْنُ مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا،  
فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ عَلَى  
الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا  
فِي عِلْمِي لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ  
إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ .

”مجھ پر میری امت اپنے اپنے خمیر کی صورت میں پیش کی گئی، جیسا کہ سیدنا  
آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی، مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر  
کرے گا۔ منافقوں کو پتہ چلا، تو مذاق اڑاتے ہوتے کہنے لگے کہ محمد ﷺ کا

دعویٰ ہے کہ وہ ان کے بھی ایمان و کفر کے متعلق جانتا ہے، جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، جب کہ ہم تو اس کے پاس ہی ہیں، ہمیں نہیں جانتا۔ آپ ﷺ کو خبر ملی، تو فوراً منبر پر براجمان ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا؟ میرے علم پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں، اب سے قیامت تک کے کسی معاملے کے متعلق پوچھ لیں، بتاؤں گا۔“

(تفسیر البغوي: ۱/۵۴۶)

## تبصرہ

جھوٹ ہے۔

① ابوطیب محمد بن عبد اللہ بن مبارک شعیری کے حالاتِ زندگی نہیں ملے۔

② سدی تابعی ہیں، براہِ راست نبی کریم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں۔

(سوال) روایت «هَذَا أَبُو الْخُلَفَاءِ» ”یہ بچہ خلفا کا باپ ہوگا۔“ کی تحقیق درکار ہے؟

(جواب) روایت یوں ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنِي أُمُّ الْفَضْلِ قَالَتْ : مَرَرْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : إِنَّكَ حَامِلٌ بِغُلَامٍ فَإِذَا وَلَدْتَ فَأْتِينِي بِهِ ، قَالَتْ : فَلَمَّا وَلَدْتُهُ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذَنَ فِي أُذُنِهِ الْيُمْنَى وَأَقَامَ فِي أُذُنِهِ الْيُسْرَى وَالْبَاءُ مِنْ رِيقِهِ وَسَمَاهُ عَبْدُ اللَّهِ وَقَالَ : اذْهَبِي بِأَبِي الْخُلَفَاءِ ، فَأَخْبَرْتُ الْعَبَّاسَ وَكَانَ

رَجُلًا لَبَّاسًا فَلَيْسَ ثِيَابَهُ ثُمَّ أَتَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَصُرَ بِهِ قَامَ فَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا شَيْءٌ أَخْبَرْتَنِي بِهِ أَمْ الْفَضْلُ؟ قَالَ : هُوَ مَا أَخْبَرْتُكَ، هَذَا أَبُو الْخُلَفَاءِ، حَتَّى يَكُونَ مِنْهُمْ السَّفَاحُ، حَتَّى يَكُونَ مِنْهُمْ الْمَهْدِيُّ، حَتَّى يَكُونَ مِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّي بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

”سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کو اللہ بیٹے سے نوازیں گے، جب اس کی ولادت ہو جائے، تو میرے پاس لے آنا۔ فرماتی ہیں: جب میں نے اسے جنم دیا، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی۔ آپ ﷺ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اس کے منہ میں لعاب دھن ڈالا اور عبد اللہ نام رکھا، نیز فرمایا: ابو الخلفا کو لے جائیے، میں نے عباس رضی اللہ عنہ کو مکمل تفصیل بتائی، آپ خوش پوشاک تھے۔ مخصوص لباس زیب تن کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیے، آپ ﷺ نے انہیں آتا دیکھا، تو کھڑے ہو گئے اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ام فضل اس بچے کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، بات ایسے ہی ہے، اس بچے کی نسل سے خلفا پیدا ہوں گے، بعض خون ریز ہوں گے، بعض رحم دل، عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کروانے والا بھی اسی کی لڑی سے ہوگا۔“

(دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني: ۱/۵۵۰، ح: ۴۸۷)



تبصرہ:

جھوٹی روایت ہے۔ منصر بن نصر بن منصر کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔ یہ اسی کی کارستانی ہو سکتی ہے۔

**(سوال)** روایت «لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ» بہ لحاظ سند کیسی ہے؟

**(جواب)** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا : يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ، أَتَانِي مَلَكٌ، وَإِنَّ حُجْرَتَهُ لَتَسَاوِي الْكَعْبَةَ، فَقَالَ : إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ إِنَّ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا، فَأَشَارَ إِلَيَّ جِبْرِيلُ ضَعْ نَفْسَكَ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا، قَالَتْ : وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَكِنًا وَيَقُولُ : آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ .

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اگر میں چاہتا، تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چل پڑتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا، جس کی کمر کعبہ کے برابر چوڑی تھی، کہنے لگا: آپ کا رب سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ چاہیں تو بادشاہ نبی بن جائیں یا عام نبی۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے اشارہ کیا کہ آپ متواضع بنیں۔ میں نے کہہ دیا کہ میں عام نبی بننا چاہتا ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں عام آدمی کی

طرح کھاتا ہوں اور بیٹھتا ہوں۔“

(طبقات ابن سعد: ۲۸۸/۱، مسند أبي يعلى: ۴۹۲۰، أخلاق النبي لأبي الشيخ، ص

۲۱۳، شرح السنة للبغوي: ۳۶۸۳)

تبصرہ:

سند ”ضعیف“ ہے۔

① ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن مدنی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

حافظ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ کہتے ہیں  
ضَعَفَهُ أَكْثَرُ.

”جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

(فیض القدير للمناوي: ۳۰۰/۲)

حافظ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ.

”جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔“

(طرح التّريب: ۴/۳)

حافظ پیشمی رحمہ اللہ کہتے ہیں

وَقَدْ ضَعَفَهُ قَوْمٌ كَثِيرُونَ.

”جمہور ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔“

(مجمع الزوائد: ۸۹/۲)

② سعید بن ابی سعید مقبری رحمہ اللہ کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ”مرسل“

ہوتی ہے، لہذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۹۵) کا اسے ”حسن غریب“ اور حافظ یثمی رحمہ اللہ (مجمع الزوائد: ۹/۲۲) کا اس کی سند کو ”حسن“ قرار دینا درست نہیں۔

(سوال): ایک روایت کی تحقیق درکار ہے:

إِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَتْ تَسْمَعُ صَوْتَ الْوَتَدِ  
وَالْمَسْمَارِ يَضْرِبُ فِي بَعْضِ الدُّوَرِ الْمُطْنَبَةِ بِمَسْجِدِ النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتُرْسِلُ إِلَيْهِمْ أَنْ لَا تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسجد نبوی سے متصل کسی کچے مکان سے کیل اور تھوڑی کی  
آواز سنائی دی۔ آپ نے اس گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا کہ نبی کریم ﷺ  
کو ایذا مت دیں۔“

(الدرة الثمينة في أخبار المدينة لابن النجار، ص ۱۹۷، إمتاع الأسماع للمقريزي

: ۶۲۴/۱۴)

(جواب): جھوٹی روایت ہے۔

① محمد بن حسن بن زبالہ ”متروک“ اور ”کذاب“ ہے۔

② عبد العزيز بن ابی حازم تبع تابعین میں سے ہیں، لہذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ”منقطع“ ہوئی۔ رہا ان کا متابع نوفل بن عمار، تو اس کا ذکر تک نہیں ملا۔

(سوال): کافر کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(جواب): کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی

طرف بھیجا اور فرمایا:

ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ.

”انہیں توحید و رسالت کے اقرار کی دعوت دینا، بات مان لیں، تو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اسے بھی اپنا لیں، تو پھر کہنا کہ اللہ نے ان پر ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی اور انہی کے نادار لوگوں میں بانٹ دی جائے گی۔“

(صحیح البخاری: ۱۳۹۵، صحیح مسلم: ۱۹)

امام ابن المنذر فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الذِّمِّيَّ لَا يُعْطَى مِنْ زَكَاةِ الْأَمْوَالِ شَيْئًا.  
”اہل علم کا اجماع ہے کہ ذمی کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔“

(الإجماع، ص ۱۱۸)

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

لَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ خِلَافًا فِي أَنَّ زَكَاةَ الْأَمْوَالِ لَا تُعْطَى لِكَافِرٍ وَلَا لِمَمْلُوكٍ.

”اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ زکوٰۃ کا فریا اپنے غلام کو نہیں دی جاسکتی۔“

(المغنی: ۴۸۷/۲)

**سوال:** ہوا خارج ہونے پر استنجا کرنا کیسا ہے؟

**جواب:** ہوا خارج ہونے پر استنجا کرنا جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ کیوں کہ ہوا خارج ہونے پر وضو فرض ہوتا ہے۔ استنجا کو وضو نہیں کہتے۔ یہ غلو کے زمرہ میں آتا ہے۔ دین میں غلو حرام ہے۔ نیز اجماع امت کی مخالفت بھی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْإِسْتِنْجَاءُ مِنَ الرِّيحِ وَالنَّوْمِ وَلَمَسِ النِّسَاءِ وَالذَّكْرِ وَحِكْيَ عَنْ قَوْمٍ مِّنَ الشَّيْعَةِ أَنَّهُ يَجِبُ وَالشَّيْعَةُ لَا يُعْتَدُّ بِخِلَافِهِمْ.

”اہل علم کا اجماع ہے کہ ریح (ہوا خارج ہونے)، نیند، عورتوں اور (کپڑے کے اوپر سے) شرم گاہ کو چھونے سے استنجا واجب نہیں ہوتا۔ شیعہ کے ایک گروہ سے اس کا واجب ہونا منقول ہے۔ شیعہ کا اجماع کی مخالفت کرنا معتبر نہیں۔“

(المجموع شرح المہذب: ۱۱۳/۲)

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ عَلَى مَنْ نَامَ أَوْ خَرَجَتْ مِنْهُ رِيحٌ اسْتِنْجَاءٌ وَلَا نَعْلَمُ فِي هَذَا خِلَافًا.

”جو سو گیا یا جس کی ہوا خارج ہوگئی، دونوں پر استنجا نہیں ہے، ہمارے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں۔“

(المغنی: ۱۱۱/۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَالْخَامِسُ بِدْعَةٌ وَهُوَ الْإِسْتِنْجَاءُ مِنَ الرِّيحِ .  
 ”ہوا خارج ہونے پر استنجا کرنا بدعت ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: ۵۰/۱)

ہوا خارج ہونے پر استنجا قرآن و سنت، صحابہ اور ائمہ دین سے منقول نہیں۔ استنجا تو نجاست زائل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، ہوا خارج ہونے سے وہ محل نجس نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ ہوا خارج ہونے پر استنجا عبث ہے۔

**(سوال):** دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** جائز ہے۔

ابو نعیم وہب بن کیسان مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ الزُّبَيْرِ يَدْعُوَانِ، يُدِيرَانِ بِالرَّاحَتَيْنِ عَلَى  
 الْوَجْهِ .

”میں نے عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دعا کے بعد ہتھیلیاں  
 چہرے پر پھیرتے دیکھا۔“

(الأدب المفرد للبخاري: ۶۰۹، وسنده حسن)

قَالَ الْفَرَيَابِيُّ : حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ رَاهُوَيْهِ أَخْبَرَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ  
 سُلَيْمَانَ قَالَ : رَأَيْتُ أَبَا كَعْبٍ صَاحِبَ الْحَرِيرِ يَدْعُو رَافِعًا  
 يَدَيْهِ فَإِذَا فَرَغَ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقُلْتُ لَهُ : مَنْ رَأَيْتَ يَفْعَلُ  
 هَذَا قَالَ : الْحَسَنُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ .

”معتمر بن سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد ربہ بن عبید ابو کعب

صاحبِ حریر کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے دیکھا، دعا سے فارغ ہو کر انہوں نے ہاتھ چہرے پر پھیر لیے۔ میں نے عرض کیا: آپ نے ایسا کرتے کسے دیکھا؟ فرمایا: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو۔“

(فضّ الوعاء في أحاديث رفع اليدين بالدعاء للسيوطي، ص ۱۰۱، وسندہ صحیح) حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

**(سوال):** تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنا کیسا ہے؟

**(جواب):** مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾.

(النحل: ۹۸)

”تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوذ پڑھ لیں۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هَذَا أَمْرٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لِعِبَادِهِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَرَادُوا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ، أَنْ يَسْتَعِذُّوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، وَهُوَ أَمْرٌ نَذْبٌ لَيْسَ بِوَاجِبٍ، حَكَى الْإِجْمَاعُ عَلَى ذَلِكَ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ بْنُ جَرِيرٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الْأَثَمَةِ.

”یہ اللہ کا نبی کی زبانی اپنے بندوں کو حکم ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو، تو تعوذ پڑھ لیں۔ تعوذ پڑھنا مستحب ہے، نہ کہ واجب۔ امام ابو جعفر بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۶۰۲/۴، ت سلامة)

سلف کے عمل سے اس کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کسی عذر کی بنا پر تلاوت میں انقطاع آجائے تو تعوذ کا اعادہ نہیں، کیوں کہ یہ ایک ہی قرأت شمار ہوگی، مثلاً کوئی سوال پوچھ لے یا قرأت کے متعلق بات کر لے، البتہ سکوت اور کلام طویل ہو تو اعادہ کرے۔  
(سوال): ماء مستعمل کے طاہر و مطہر ہونے پر دلیل؟

(جواب): ماء مستعمل یعنی جو پانی وضو اور غسل کرنے کے بعد اعضا سے گرتا ہے، پاک ہوتا ہے اور پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

① سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ  
لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وُضُوئِهِ.

”رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو آئے، میں بیمار اور بے ہوش تھا۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو والا پانی میرے اوپر بہا دیا۔“

(صحیح البخاری: ۱۹۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۶)

② سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ،  
فَأْتَيْتِ بِوُضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ  
وُضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ.

”رسول اللہ ﷺ ظہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے، پانی لایا گیا، تو آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے وضو والا پانی لے کر اپنے



جسموں پر ملنا شروع کر دیا۔“

(صحیح البخاری: ۱۸۷، صحیح مسلم: ۵۰۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِيهِ دَلَالَةٌ بَيِّنَةٌ عَلَى طَهَارَةِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ .  
”یہ حدیث ماء مستعمل کے طاہر ہونے کی واضح دلیل ہے۔“

(فتح الباری: ۱/۲۹۵)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

وَالْوُضُوءُ بِالْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ جَائِزٌ، وَكَذَلِكَ الْغُسْلُ بِهِ  
لِلْجَنَابَةِ، وَسَوَاءٌ وَجَدَ مَاءً آخَرَ غَيْرَهُ أَوْ لَمْ يَوْجَدْ، وَهُوَ الْمَاءُ  
الَّذِي تَوَضَّأَ بِهِ بَعَيْنُهُ لِفَرِيضَةٍ أَوْ نَافِلَةٍ أَوْ اغْتَسَلَ بِهِ بَعَيْنُهُ  
لِجَنَابَةٍ أَوْ غَيْرِهَا، وَسَوَاءٌ كَانَ الْمُتَوَضِّئُ بِهِ رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً .  
بُرْهَانُ ذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى : ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى  
سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ  
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ (النساء: ۴۳)، فَعَمَّ تَعَالَى كُلَّ مَاءٍ وَلَمْ  
يَخْصَهُ، فَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرِكَ الْمَاءَ فِي وُضُوئِهِ وَغُسْلِهِ  
الْوَاجِبِ وَهُوَ يَجِدُهُ إِلَّا مَا مَنَعَهُ مِنْهُ نَصٌّ ثَابِتٌ أَوْ إِجْمَاعٌ  
مُّتَيَقِّنٌ مَّقْطُوعٌ بِصِحَّتِهِ، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ : «وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا

لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ»، فَعَمَّ أَيْضًا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَمْ يَخْصَّ، فَلَا يَحِلُّ تَخْصِيصُ مَاءٍ بِالْمَنْعِ لَمْ يَخْصُهُ نَصٌّ آخِرٌ أَوْ إِجْمَاعٌ مُتَيَقِّنٌ.

”ماء مستعمل سے وضو اور غسل جنابت جائز ہے، خواہ اس کے علاوہ اور پانی ہو یا نہ ہو۔ ماء مستعمل ایسے پانی کو کہتے ہیں، جسے فرض و نفل وضو یا غسل جنابت یا کسی اور غسل کے لیے استعمال کیا جائے۔ وضو کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ اس کے جواز کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ (النساء: ۴۳) ”تم بیمار ہو، سفر پر ہو، کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم نے حالت شہوت میں بیویوں کو چھو لیا ہو، تو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر سکتے ہو۔“ اللہ نے پانی کو عام ذکر کیا ہے، کسی قسم کی تخصیص نہیں فرمائی۔ لہذا کسی کو رو انہیں کہ پانی ہوتے ہوئے اس سے وضو یا فرض غسل نہ کرے، الا کہ کوئی نص صریح یا قطعی اجماع آجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہمارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پانی کی عدم موجودگی میں مٹی کو پاکی کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔“ نبی کریم ﷺ نے پانی کو عام ہی ذکر کیا ہے، تخصیص نہیں کی، لہذا ماء مستعمل کے عدم جواز کا کہہ کر اس کی تخصیص درست نہیں، جب تک کوئی اور نص یا اجماع اس کی تخصیص نہ کر دے۔“

(المحلی بالآثار: ۱/۱۸۲، مسئلہ نمبر: ۱۴۱)

ثابت ہوا کہ وضو و غسل کا بچا ہوا پانی طاہر ہے۔ جب پاک ہے، تو پاک کرنے کی بھی

صلاحیت رکھتا ہے۔ نفی کے لیے دلیل درکار ہے۔

جب مسلمان نجس نہیں، تو محض اس کے جسم سے ملنے والا پانی کیسے نجس ہو جاتا ہے؟  
اور ویسے بھی وضو اور غسل میں جسم اور کپڑوں کو قطرات سے بچانا ممکن نہیں۔

**(سوال):** جنازہ میں شریک ہوا، جب کہ امام دو تکبیریں ادا کر چکا تھا، اب کیا کرے گا؟

**(جواب):** امام کے ساتھ جنازہ کا جو حصہ پائے، ادا کر لے۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ تکبیریں مکمل کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا تَأْتَوْهَا تَسْعُونَ، وَأَتَوْهَا تَمْشُونَ،  
وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.  
”نماز کی اقامت کہہ دی جائے، تو آپ دوڑ کر مت آئیں، بلکہ سکون سے چل  
کر آئیں۔ جو مل جائے، ادا کر لیں اور جو رہ جائے، بعد میں مکمل کر لیں۔“

(صحیح البخاری: ۹۰۸، صحیح مسلم: ۶۰۲)

سیدنا ابوقحادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا سَبَقَكُمْ فَأَتِمُّوا.  
”جو مل جائے، پڑھ لیں اور جو رہ جائے، بعد میں مکمل کر لیں۔“

(صحیح البخاری: ۶۳۵، صحیح مسلم: ۶۰۳، واللفظ لہ)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ، فَلْيَمْشِ عَلَى هَيْئَتِهِ، فَلْيُصَلِّ مَا  
أَدْرَكَ، وَلْيَقْضِ مَا سَبَقَهُ.

”نماز کے لیے آنے والے کو سکون و اطمینان سے چلنا چاہیے، اسے چاہیے کہ

جو جماعت سے مل جائے، ادا کر لے اور جو رہ جائے، بعد میں مکمل کر لے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۱۰۶/۳، مسند أبي يعلى: ۴۳۶/۶، ح: ۳۸۱۴، وسنده صحيح)

ان احادیث کے عموم کا تقاضا ہے کہ جو نماز جنازہ میں امام کے ساتھ پالے وہ ادا

کرے اور جو رہ جائے، بعد میں پوری کر لے۔

(سوال) مذی اور ودی کے نجس ہونے پر دلیل؟

(جواب) مذی (بوسہ یا ملاعبت کے باعث بلا ارادہ پیشاب کی نالی سے نکلنے والا پتلا پانی)

اور ودی (پیشاب کے بعد نکلنے والا سفید اور رقیق پانی) دونوں نجس ہیں۔ جسم یا کپڑے پر

لگ جائیں، تو دھونا ضروری ہے۔ ان کے خارج ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

① سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمُقَدَّادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ.

”مجھے بہت زیادہ مذی آتی تھی۔ میں نے سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو اس

بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کا کہا، کیوں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ہونے

کی وجہ سے حیا آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرم گاہ کو دھوئیے اور وضو

کیجیے۔“

(صحیح البخاری: ۲۶۹، صحیح مسلم: ۳۰۳، واللفظ لہ)

② سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً، وَكُنْتُ أَكْثَرُ مِنَ الْإِغْتِسَالِ،

فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ :  
 إِنَّمَا يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءُ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ،  
 فَكَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ؟ قَالَ : يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا  
 مِنْ مَاءٍ، فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ، حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَهُ .

”مجھے بہت زیادہ ندی آتی اور بہت زیادہ غسل کرنا پڑتا۔ میں نے اس بابت  
 رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو فرمایا: اس سے وضو ہی کافی ہے۔ عرض کیا: اللہ  
 کے رسول! جو ندی کپڑوں کو لگ جائے، اس کا کیا کروں؟ فرمایا: کپڑے کے  
 جس جس مقام پر لگی ہو، اسے دھو دیں۔“

(مسند الإمام أحمد : ٤/٤٨٥، سنن أبي داود : ٢١٠، سنن الترمذي : ١١٥، سنن ابن

ماجہ : ٥٠٦، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (٢٩١) اور امام  
 ابن حبان رحمہ اللہ (١١٠٣) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

③ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

هُوَ الْمَنِيُّ وَالْمَذْيُ وَالْوَدْيُ فَأَمَّا الْمَذْيُ وَالْوَدْيُ فَإِنَّهُ يَغْسِلُ  
 ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ وَأَمَّا الْمَنِيُّ، فَفِيهِ الْغُسْلُ .

”منی، ندی اور ودی کے احکام یہ ہیں: ندی اور ودی خارج ہونے سے شرم گاہ  
 دھو کر وضو کیا جائے گا، جب کہ منی کے خروج پر غسل ضروری ہے۔“

(شرح معاني الآثار للطحاوي : ١/٤٧، وسندہ صحیح)

حافظ نووی رحمہ اللہ (١٣١-١٢٤٦ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى نَجَاسَةِ الْمَذْيِ وَالْوَدْيِ .

”مذی اور ودی کی نجاست پر امت کا اجماع ہے۔“

(المجموع شرح المہذب: ۲/۲۵۲)

**(سوال):** نماز جمعہ میں تشہد پانے والا جمعہ پڑھے یا ظہر؟

**(جواب):** نماز جمعہ میں تشہد پانے والا ظہر پڑھے گا، نہ کہ جمعہ۔

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ .

”جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔“

(صحیح البخاری: ۵۸۰، صحیح مسلم: ۶۰۷)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، قَالُوا: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْجُمُعَةِ صَلَّى إِلَيْهَا أُخْرَى، وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ .

”اہل علم صحابہ اور محدثین کا اسی پر عمل رہا ہے، وہ کہا کرتے تھے: جو نماز جمعہ کی ایک رکعت پالے، تو بعد میں دوسری رکعت پڑھ لے اور جو تشہد پائے، وہ چار رکعت ادا کرے۔ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف و مذہب تھا۔“

(سنن الترمذي: تحت الحديث: ۵۲۴)

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا وَلِيُضَفَّ إِلَيْهَا أُخْرَى.

”جمعہ کی ایک رکعت پالی، تو جمعہ پالیا، اب دوسری رکعت ادا کر لے۔“

(سنن الدارقطني: ۱۲/۲، ح: ۱۶۰۸، وسندہ حسن)

③ راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَا فَاتَهُ.

”جمعہ کی ایک رکعت پالی، جمعہ پالیا، اب دوسری رکعت ادا کر لے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲۰۴/۳، وسندہ صحيح)

④ امام شعیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ أَدْرَكَ الْخُطْبَةَ فِيهِ الْجُمُعَةُ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْنِ فِيهِ الْجُمُعَةُ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَةً أُخْرَى، وَمَنْ لَمْ يَذْرِكِ الرُّكُوعَ، فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا.

”جو خطبہ میں شامل ہوا یا دونوں رکعتیں پالیں، اس کا جمعہ ادا ہو گیا، جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی، جمعہ اس نے بھی پالیا، بس دوسری رکعت کھڑے ہو کر ادا کر لے اور جو ایک رکعت بھی نہ پاسکے، وہ چار رکعت (ظہر) ادا کر لے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: ۱۲۸/۲، وسندہ صحيح)

نافع تابعی رحمہ اللہ (مصنف ابن أبي شيبة : ١٢٩/٢، وسنده صحيح) ⑤ تا ⑧

صحيح)، امام زهري رحمہ اللہ (مصنف ابن أبي شيبة : ١٢٨/٢، وسنده صحيح)، عروہ بن زبير رحمہ اللہ (مصنف ابن أبي شيبة : ١٢٩/٢، وسنده صحيح) اور ميمون بن مهران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب آپ جمعہ کی ایک رکعت پالیں، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوسری رکعت ادا کر لیں۔“

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعاني رحمہ اللہ (مصنف عبد الرزاق : ٥٤٧١) کا یہی موقف ہے کہ تشہد میں ملنے والا ظہر ادا کرے گا۔

## الحاصل:

نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ایک رکعت پانا ضروری ہے۔ تشہد میں ملنے والا امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعت ظہر ادا کرے گا اور جمعہ کی نیت کو ظہر میں بدل دے گا۔

(سوال): خطیب کے علاوہ نماز جمعہ میں کوئی اور امام بن سکتا ہے؟

(جواب): بن سکتا ہے۔ جائز ہے، البتہ خلاف اولیٰ ہے، لہذا اجتناب بہتر ہے۔ اگر خطیب کسی شرعی عذر کی بنا پر امامت نہ کروا سکتا ہو، کوئی دوسرا امامت کر دے، تو نماز درست ہو گی۔ نبی کریم ﷺ اور سلف میں خطیب ہی امامت کرواتا تھا۔ حدیث اور سلف کی پیروی ضروری ہے۔

(سوال): غیر محرم شخص عورت کی میت کو قبر میں اتار سکتا ہے؟

(جواب): غیر محرم مرد بھی عورت کی میت کو قبر میں اتار سکتا ہے۔ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا تھا۔



(صحیح البخاری: ۱۳۴۲)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ .  
 ”بساط کے مطابق اپنے بھائی کو فائدہ پہنچائیں۔“

(صحیح مسلم: ۲۱۹۹)

یزید بن اسم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَنَزَلْنَا فِي قَبْرِهَا أَنَا وَابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا وَضَعْنَاهَا مَالَ رَأْسَهَا  
 فَأَخَذْتُ رِدَائِي فَوَضَعْتُهُ تَحْتَ رَأْسِهَا فَانْتَزَعَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ  
 فَأَلْقَاهُ وَوَضَعَ تَحْتَ رَأْسِهَا كَذَانَةً يَغْنِي حَجْرًا .

”میں اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترے، انہیں  
 قبر میں رکھا، تو ان کا سر ایک طرف مائل ہوا، میں نے اپنی چادر اس کے نیچے  
 رکھ دی، تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نکال کر پھینک دی اور سر کے نیچے  
 ایک پتھر رکھ دیا۔“

(الطبقات لابن سعد: ۱۱۰/۸، وسندہ صحیح)

**(سوال):** کیا عورت خلع کے بعد اپنے اسی خاوند سے نکاح کر سکتی ہے؟

**(جواب):** خلع کا مطلب ہے کہ عورت کا اپنے ولی کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار  
 دینا۔ خلع کے بعد وہ نکاح سے پہلے والی حالت پر آ جاتی ہے، لہذا وہ کسی بھی لمحہ اپنے اسی  
 خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ کسی اور سے نکاح کا ارادہ ہو، تو ایک حیض عدت گزارے گی۔

میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا قَبِلَ مِنْهَا زَوْجَهَا الْفِدْيَةَ ثُمَّ خَطَبَهَا بَعْدَ ذَلِكَ قَالَ :  
يَتَزَوَّجُهَا وَيُسَمِّي لَهَا مَهْرًا جَدِيدًا .

”خاوند مہر واپس لے لینے کے بعد دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، تو فرمایا: وہ  
اس سے نئے مہر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : ١٢١/٥، وسندّه حسن)

**(سوال):** کیا اکیلا شخص اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟

**(جواب):** اکیلا شخص کا اذان اور اقامت کہہ کر نماز ادا کرنا سنت سے ثابت ہے۔ سیدنا عقبہ  
بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَعْبَبُ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ رَاعِيَ غَنِمَ فِي رَأْسِ شَطِئَةٍ بِجَبَلٍ  
يُؤَدُّنُ لِلصَّلَاةِ وَيُصَلِّي، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : انْظُرُوا إِلَى  
عَبْدِي هَذَا يُؤَدُّنُ وَيُقِيمُ لِلصَّلَاةِ، يَخَافُ مِنِّي، قَدْ غَفَرْتُ  
لِعَبْدِي، وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ .

”پہاڑ کی چوٹی پر اذان کہہ کر نماز ادا کرنے والے بکریوں کے چرواہے پر تیرا  
رب تعجب کرتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں: میرے اس بندے کو دیکھو، جو اذان  
واقامت کہہ کر نماز ادا کر رہا ہے، اس کے دل میں صرف میرا خوف ہے۔ میں  
نے اسے معاف کر دیا ہے اور جنت عطا کر دی ہے۔“

(مسند أحمد : ١٥٨/٤، سنن أبي داود : ١٢٠٣، سنن النسائي : ٦٦٧، وسندّه صحيح)

اس حدیث کو امام ابن حبان رضی اللہ عنہ (١٦٦٠) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

اذان شعارِ اسلام، ذکرِ الہی اور اللہ کی تعظیم پر مبنی کلمات کا مجموعہ ہے۔ اللہ کی زمین پر

توحید کی صدا ہے۔

مؤذن اپنے آپ کو صلاح و فلاح کی دعوت دیتا ہے۔ یہ عمل اللہ کے ہاں انتہائی محبوب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی ہے۔ باعث مغفرت اور دخول جنت کا ذریعہ ہے۔ خوفِ الہی کا آئینہ دار ہے۔

**(سوال):** عشا کی جماعت کھڑی ہونے کو تھی، لیکن مغرب پڑھنی ہے، کیا کرے؟

**(جواب):** تین صورتیں بن سکتی ہیں:

① مسجد کے کونے میں مغرب ادا کر لے، اس کے بعد عشا میں شامل ہو جائے۔ جتنا حصہ پالیا، ادا کر لے۔

② پہلے امام کی اقتدا میں عشا ادا کر لے۔ عشا کے بعد مغرب ادا کر لے۔ عذر اور مجبوری کی وجہ سے اگر ترتیب خراب ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ . (البقرة: ۲۸۶)

”ہمارے رب! ہم سے بھول چوک ہو جائے یا خطا سرزد ہو جائے، تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔“

③ عشا کی ایک رکعت کے نکل جانے کا انتظار کرے، اب مغرب کی نیت سے امام کی اقتدا میں کھڑا ہو جائے اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ امام اور مقتدی کی نیت میں اختلاف مضر نہیں۔

**(سوال):** جنازہ میں سورہ فاتحہ کے بعد قرأت پر کیا دلیل ہے؟

**(جواب):** جنازہ میں سورہ فاتحہ کے بعد قرأت مستحب ہے۔ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف رضی اللہ

بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ،  
وَسُورَةَ وَجْهَرَ حَتَّى أَسْمَعَنَا، فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَسَأَلْتُهُ  
فَقَالَ: سُنَّةٌ وَحَقٌّ.

”میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اقتدا میں جنازہ ادا کیا، آپ نے  
سورت فاتحہ اور ایک سورت کی جہری قراءت کی، قراءت ہم نے سنی، جب  
آپ جنازہ سے فارغ ہوئے، تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے متعلق  
پوچھا، فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔“

(سنن النسائي: ۱۹۸۷، وسنده صحيح كالشمس)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۵۳۷) اور امام ابن حبان رحمہما اللہ (۳۰۷۱) نے ”صحیح“  
کہا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (۳۲۱-۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:  
وَقَدْ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ «سُنَّةٌ» حَدِيثٌ مُسْنَدٌ.  
”اجماع ہے کہ صحابی کا سنت کہنا مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔“

(المستدرک علی الصحیحین: ۱/۳۵۸)

**سوال:** نبی کریم ﷺ کو غسل کس نے دیا؟

**جواب:** سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق نبی کریم ﷺ کو غسل آپ کے اہل بیت نے  
دیا۔ یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے غسل اور کفن و دفن میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پرواہ نہیں کی،  
انتہائی نامناسب ہے۔ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کا زیادہ  
حق آپ کے خونی رشتہ داروں کو حاصل ہے، اس لیے وہ خود پیچھے رہے، اس کے علاوہ کوئی

اور وجہ نہ تھی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عِنْدَكُمْ صَاحِبُكُمْ يَأْمُرُهُمْ أَنْ يَغْسِلُوهُ بَنُو أَبِيهِ .

”میں ادھر ہی موجود ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کو غسل آپ کے والد کی طرف سے رشتہ دار ہی دیں۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والإختلاف: ۳۲۴/۵، ح: ۲۹۳۴، وسندہ حسن)

**(سوال)** روایت «لَا تُبْرِزُ فَخِذَكَ...» کی تحقیق درکار ہے؟

**(جواب)** روایت یہ ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُبْرِزُ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرَنَّ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ .

”اپنی ران سے کپڑا نہ ہٹائیں اور نہ ہی کسی زندہ یا مردہ کی ران دیکھیں۔“

(سنن أبي داود: ۳۱۴۰، ۴۰۱۵، السنن الكبرى للبيهقي: ۲۲۸/۲)

**تبصرہ:**

سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔

① ابن جریج رحمہ اللہ ”مدلس“ ہیں، حبیب بن ابی ثابت سے سماع نہیں ہے۔

② حبیب بن ابی ثابت ”مدلس“ ہیں، عاصم بن ضمرہ سے سماع نہیں۔ ان کے

درمیان عمرو بن خالد واسطی کا واسطہ ہے اور عمرو ”متمہم بالکذب“ اور ”متروک“ ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ (۴۰۱۵) فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ، فِيهِ نَكَارَةٌ .

”یہ منکر (ضعیف) حدیث ہے۔“

**سوال:** نبی کریم ﷺ کو قبر میں کس کس نے اتارا تھا؟

**جواب:** سیدنا علی، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

دَخَلَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبَّاسُ، وَعَلِيٌّ  
وَالْفَضْلُ، وَسَوَّى لَحْدَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ الَّذِي سَوَّى  
لُحُودَ الشَّهَدَاءِ يَوْمَ بَدْرٍ.

”نبی کریم ﷺ کی قبر میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب، سیدنا علی بن ابوطالب اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اترے، ایک انصاری نے آپ کے لیے لحد والی قبر کھودی۔ یہ وہی شخص تھا، جس نے شہدائے بدر کی لحد والی قبریں کھودی تھیں۔“

(مسند أبي يعلى: ٣٩٦/٤، ح: ٢٥١٨، شرح معاني الآثار للطحاوي: ٤٧/٤، مسند

البيزار: ٨٥٥، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۵۴۷) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۶۲۳۳) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر لحد والی کھودی گئی۔

**سوال:** کیا عورت جنازہ پڑھ سکتی ہے؟

**جواب:** مرد کی طرح عورت بھی جنازہ پڑھ سکتی ہے۔

① عباد بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَائِشَةَ، أَمَرَتْ أَنْ يَمُرَّ بِجَنَازَةِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فِي  
الْمَسْجِدِ، فَتُصَلَّى عَلَيْهِ، فَأَنْكَرَ النَّاسُ ذَلِكَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ:

مَا أَسْرَعَ مَا نَسِيَ النَّاسُ، مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سُهَيْلِ ابْنِ الْبَيْضَاءِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ .  
 ”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ سعد بن ابوقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھ لیا جائے تاکہ وہ بھی جنازہ پڑھ لیں۔ لوگوں نے سیدہ کی بات کا انکار کیا، آپ رضی اللہ عنہا فرماتے لگیں: لوگ کتنی جلد بھول گئے ہیں! رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں ہی تو پڑھایا تھا۔“

(صحیح مسلم: ۹۷۳)

② عبد اللہ بن ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَا طَلْحَةَ دَعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عُمَيْرِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ حِينَ تُوُفِّيَ، فَاتَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى عَلَيْهِ فِي مَنْزِلِهِمْ، فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ وَرَاءَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ وَرَاءَ أَبِي طَلْحَةَ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ غَيْرُهُمْ .

”سیدنا ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عمیر کی وفات پر نبی کریم ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور عمیر کی نماز جنازہ ان کے گھر میں ہی پڑھادی۔ نبی کریم ﷺ امام تھے، ابوطلمحہ آپ ﷺ کے پیچھے اور ام سلیم سیدنا ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑی تھیں، چوتھا کوئی نہ تھا۔“

(شرح معانی الآثار للطحاوي: ۵۰۸/۱، المستدرک علی الصحیحین للحاکم:

۳۶۵/۱، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام حاکم نے ”بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

عمارہ بن غزیہ مدنی جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک مطلقاً ”ثقة“ ہے۔  
امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَسُنَّةٌ غَرِيبَةٌ فِي إِبَاحَةِ صَلَاةِ النِّسَاءِ عَلَى الْجَنَائِزِ .  
”عورتوں کے لیے نماز جنازہ پڑھنے کی اباحت پر یہ پیاری سنت ہے۔“

فائدہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا نِسْوَةٌ جُلُوسٌ،  
فَقَالَ: مَا يُجْلِسُكُمْ قُلْنَ: نَنْتَظِرُ الْجَنَازَةَ، قَالَ: هَلْ تَغْسِلْنَ  
قُلْنَ: لَا، قَالَ: هَلْ تَحْمِلْنَ، قُلْنَ: لَا، قَالَ: هَلْ تُدْلِينَ فِيمَنْ  
يُدْلِي، قُلْنَ: لَا، قَالَ: فَارْجِعْنَ مَأْزُورَاتٍ غَيْرَ مَأْجُورَاتٍ .

”رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، کچھ عورتیں بیٹھی تھیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیسے بیٹھی ہیں؟ کہنے لگیں: جنازہ کا انتظار ہے۔ فرمایا: آپ نے میت کو غسل دیا ہے؟ کہنے لگیں: نہیں، پوچھا: میت کو کندھا دیا؟ کہنے لگیں: نہیں، پوچھا: قبر پر مٹی ڈالی؟ کہنے لگیں: نہیں۔ فرمایا: واپس چلی جائیں، آپ کو اجر کے بجائے گناہ ملا ہے۔“

(سنن ابن ماجہ : ۱۵۷۸)



تبصرہ:

سند اسماعیل بن سلیمان کوفی کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ اس کا ایک ”ضعیف“ شاہد بھی ہے۔

(سوال): داڑھی کا خلال کرنا کیسا ہے؟

(جواب): داڑھی کا خلال ضروری سنت ہے۔

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنْكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ، وَقَالَ: هَكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي.

”رسول اللہ ﷺ وضو کرتے، تو پانی کا ایک چلو لیتے، اسے ٹھوڑی کے نیچے داخل کر کے خلال کرتے اور فرماتے: ایسا کرنے کا حکم مجھے میرے رب نے دیا ہے۔“

(سنن أبي داود: ١٤٥، مسند أبي يعلى: ٤٢٦٩، الطهور لأبي عبيد: ٣٢٨، وسنده

حسن)

امام عقیلی رحمہ اللہ (الضعفاء الكبير: ١٥٧/٣) نے اس حدیث کی سند کو ”صالح“، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ٤٢٣/١) اور حافظ سخاوی رحمہ اللہ (فتح المغیب: ٩٩/١) نے ”حسن“ کہا ہے۔

اس کے راوی زوران کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب لابن حجر: ١٣٤/١١)، حافظ بیہقی رحمہ اللہ (معرفۃ السنن والآثار: ١٨٤/٧) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ

(الکاشف: ۲۰۷/۳) نے ”ثقة“ کہا ہے۔

② سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْضُّأً، فَخَلَّلَ لِحِيَّتَهُ.

”رسول اللہ ﷺ نے وضو میں داڑھی کا خلال بھی کیا۔“

(مسند الإمام أحمد: ۱/۱۴۹، سنن أبي داود: ۱۱۰، سنن الترمذي: ۳۱، سنن ابن ماجه

: ۴۳۰، واللفظ له، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۷۲)، امام

ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۵۱) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۰۸۱) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (۱۳۹/۱) فرماتے ہیں:

وَهَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ.

”اس کی سند صحیح ہے۔“

عامر بن شقیق کو فی جمہور ائمہ حدیث کے ہاں ”صدوق حسن الحدیث“ ہے۔

**سوال:** لمبے ناخن رکھنا کیسا ہے؟

**جواب:** حرام ہے۔ کافر قوموں کی مشابہت ہے۔ فطرتِ اسلام اور سنتِ انبیاء کے مخالف

ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْفِطْرَةُ خَمْسٌ : الْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ،

وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْبَاطِ.

”پانچ چیزیں تمام انبیاء کی سنت ہیں؛ ① ختنہ کروانا ② زیر ناف بال صاف

کرنا ③ مونچھیں مونڈھنا ④ ناخن تراشنا ⑤ بغلوں کے بال اکھاڑنا۔“

(صحیح البخاری: ۵۸۹۱، صحیح مسلم: ۲۵۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَتْنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمِ الْأُظْفَارِ، وَنَتْفِ الْإِبْطِ،  
وَحَلْقِ الْعَانَةِ، أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

”ہمارے لیے وقت مقرر کر دیا گیا کہ مونچھیں، ناخن، بغلوں کے بال اور زیر  
ناف بال چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۸)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
مِنَ السُّنَّةِ قَصُّ الشَّارِبِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَتَقْلِيمُ الْأُظْفَارِ.  
”مونچھیں مونڈھنا، بغلوں سے بال اکھاڑنا اور ناخن تراشنا انبیاء کی سنت  
ہے۔“

(السَّنَنِ الْكَبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ: ۱/۱۴۹، وسندہ صحیح)

چالیس دنوں سے زائد ناخن رکھنا حرام، ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور  
دیگر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت ہے، جو سراسر ہلاکت و بربادی کا باعث ہے۔ ناخن وہی  
بڑھاتے ہیں، جن کی فطرت منخ ہو چکی ہو۔

کتنے ناعاقبت اندیش اس گناہ کے ساتھ قبر میں چلے گئے۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی  
کوئی پریشانی ہو سکتی ہے کہ مرنے کے بعد لوگ آپ کے ناخن تراشیں، تب تو آپ مکلف  
ہی نہیں ہوں گے۔ میت کے ناخن کا ٹٹا محض تکلف ہے۔ لہذا اسوۂ رسول اپنائیں۔ دین و  
دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔

مستحب یہ ہے کہ ہر جمعہ کو ناخن تراشنے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ حد چالیس دن ہے۔  
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے:

كَانَ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ وَيَقْصُّ شَارِبَهُ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ .  
”آپ رضی اللہ عنہما ہر جمعہ اپنے ناخن اور مونچھیں تراشا کرتے تھے۔“

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۴۴/۳، وسندہ صحیح)

فائدہ:

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۸۳۱-۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَثْبُتْ فِي كَيْفِيَّتِهِ، وَلَا فِي تَعْيِينِ يَوْمٍ لَهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ .

”ناخن تراشنے کی کیفیت اور دن کا تعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔“

(المقاصد الحسنة، ص ۴۸۹، تحت الحديث: ۷۷۲)

**(سوال):** منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا کیسا ہے؟

**(جواب):** منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا نصرانیوں کی عادت ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

کفار کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اس موقع پر عموماً انگوٹھی سونے کی پہنائی جاتی ہے، جب کہ سونا مردوں پر حرام ہے۔

**(سوال):** کیا یہ روایت ثابت ہے؟ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فقر و

فاقہ کی شکایت کرنے لگا، آپ نے اسے شادی کا مشورہ دیا.....!

**(جواب):** روایت کے الفاظ یہ ہیں: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُو إِلَيْهِ  
الْفَاقَةَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ .

”ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے غربت کا شکوہ کیا، فرمایا: شادی کر لیں۔“

(تاریخ بغداد للخطیب: ۳۸۲/۱)

تبصرہ:

سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ سعید بن محمد مدنی کے بارے میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ  
فرماتے ہیں:

حَدِيثُهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ .  
”اس کی حدیث معتبر نہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۵۸/۴، الرقم: ۲۵۷)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُقَلِّبُ الْأَخْبَارَ رَوَى عَنْ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ بِنُسخَةٍ مِنْهَا أَشْيَاءُ  
مُسْتَقِيمَةٌ تُشَبِّهُ حَدِيثَ الثَّقَاتِ وَأَشْيَاءُ مَقْلُوبَةٌ لَا تُشَبِّهُ  
حَدِيثَ الْأَثْبَاتِ لَا يَجُوزُ الْإِحْتِجَاجُ بِخَبَرِهِ إِذَا انفردَ .

”احادیث الٹ پلٹ کرتا تھا۔ اس نے ابن منکدر سے ایک نسخہ روایت کیا تھا،  
جس میں چند مستقیم احادیث تھیں، جو ثقہ راویوں کی احادیث کے مشابہ تھیں اور  
چند مقلوب روایات تھیں، جو ثقات کی احادیث کے مشابہ نہیں تھیں۔ جب یہ  
منفرد ہو، تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔“

(المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین: ۱/۳۲۶)

اللہ کا فرمان اس روایت سے مستغنی کر دیتا ہے:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ  
إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾.

(سورة النور: ۳۲)

”اپنے بے نکاح مردوں، عورتوں اور پارسا غلاموں، لونڈیوں کا نکاح کر دیں۔ وہ غریب و نادار ہوں، تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ اللہ بہت وسعت والا اور علم والا ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت ملاحظہ ہو:

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: شادی کی ہے؟ عرض کیا: جی نہیں، فرمایا:

فَفَزَّوْجٌ، فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً.

”شادی کر لیں، اس امت کی سب سے بہترین ہستی (نبی کریم ﷺ) کی سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔“

(صحیح البخاری: ۵۰۶۹)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما زیادہ شادیوں سے نیک فال لے رہے ہیں اور ایک منفرد انداز سے اپنے شاگرد کو نکاح کی ترغیب دے رہے ہیں، استدلال میں نبی کریم ﷺ کے تعدد نکاح کو پیش کر رہے ہیں، کیوں کہ نکاح خیر و برکت کا باعث ہیں۔

مسلمان غفلت کا شکار ہے، اولاد بالغ ہو جاتی ہے، ان کی شادیاں نہیں کرتے۔ اگر

پوچھا جائے، تو کہتے ہیں کہ جب یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا، تب شادی کریں گے۔ نہ پاؤں پہ کھڑا ہوتا ہے، نہ شادی ہوتی ہے، حالاں کہ شادی ہوتی ہی پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ہے۔ جب عمر ڈھلنے لگتی ہے، پھر جا کر شادی کرتے ہیں، مزے کی بات یہ کہ اس وقت بھی وہ پاؤں پر کھڑے نہیں ہو پاتے۔ حالات کو شادی کے لیے آڑ نہیں بنانا چاہیے۔ نکاح خیر والا عمل ہے۔ ایک مؤمن کو اس کے عوض میں ڈھیروں خیر و برکت نصیب ہو جاتی ہے۔

**(سوال):** طواف کے چکروں کی تعداد بھول جائے، تو کیا کرے؟

**(جواب):** شک دور کرے۔ ممکن حد تک درست و صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کرے، ورنہ کم سے کم تعداد کو بنیاد بنا لے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا، فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ .

”کسی کو نماز کی تعداد رکعات میں شک گزرے، اسے معلوم نہ ہو کہ تین رکعات پڑھ چکا ہے یا چار، تو شک دور کر کے یقین پر بنا ڈالے۔“

(صحیح مسلم: ۵۷۱)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

الْأَقْرَبُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَنَّ الطَّوَافَ يُوَافِقُ الصَّلَاةَ فَمَنْ شَكَّ هَلْ طَافَ سِتَّةَ أَشْوَاطٍ أَوْ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَإِنْ أَمَكَّنَهُ ذَلِكَ عَمَلٌ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يُمْكِنَهُ فَلْيَبْنِ عَلَى الْأَقْلَ كَمَا وَرَدَ بِذَلِكَ الدَّلِيلُ الصَّحِيحُ .

”درست یہی ہے کہ طواف نماز کے موافق عمل ہے، لہذا جسے تعداد طواف میں شک گزرے کہ چھ چکر لگائے ہیں یا سات۔ شک دور کر کے درست و صحیح تعداد کو پانے کی کوشش کرے، صحیح تعداد پانے میں کامیاب ہو جائے، تو اسی کو بنیاد بنالے، ورنہ کم ترین تعداد پر بنیاد ڈالے، جیسا کہ صحیح دلیل سے ثابت ہے۔“

(الروضة النّدية : ۱/۶۱۶)

**(سوال):** نکاح کیا، خلوت اختیار نہیں کی، فوت ہو گیا، کیا بیوی وارث بنے گی؟

**(جواب):** نکاح کیا، خلوت اختیار نہیں کی، فوت ہو گیا، تو بیوی وارث بنے گی، نیز خاوند کی وفات پر عدت بھی گزارے گی۔

عالمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ أَتَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوا : إِنَّ رَجُلًا مِّنَّا تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يُفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَجْمَعْهَا إِلَيْهِ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ : مَا سَأَلْتُ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ هَذِهِ، فَأَتَوْا غَيْرِي، فَاخْتَلَفُوا إِلَيْهِ فِيهَا شَهْرًا، ثُمَّ قَالُوا لَهُ فِي آخِرِ ذَلِكَ : مَنْ نَسَأَ إِنْ لَمْ نَسَأْكَ، وَأَنْتَ مِنْ جَلَّةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْبَلَدِ وَلَا نَجِدُ غَيْرَكَ؟ قَالَ : سَأَقُولُ فِيهَا بِجَهْدِ رَأْيِي، فَإِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْهُ بُرَاءٌ، أُرَى أَنْ أَجْعَلَ لَهَا صَدَاقَ



نَسَائِهَا، لَا وَكَسَ وَلَا شَطَطَ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ  
 أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَ : وَذَلِكَ بِسَمْعِ أَنَسٍ مِّنْ أَشْجَعٍ،  
 فَقَامُوا فَقَالُوا : نَشْهَدُ أَنَّكَ قَضَيْتَ بِمَا قَضَىٰ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةٍ مِنَّا يُقَالُ لَهَا بَرَوُعُ بِنْتُ  
 وَاشِقِّ، قَالَ : فَمَا رُئِيَ عَبْدُ اللَّهِ فَرِحَ فَرَحَةً يَوْمَئِذٍ إِلَّا  
 بِإِسْلَامِهِ .

”کچھ لوگوں نے ان سے مسئلہ پوچھا: ہمارے قبیلہ کے ایک شخص نے شادی  
 کی، حق مہر مقرر نہیں کیا اور خلوت سے پہلے ہی فوت ہو گیا ہے۔ (عورت کیا  
 کرے گی؟) فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک اس سے  
 پیچیدہ مسئلہ نہیں پوچھا گیا، کسی اور سے پوچھ لیں۔ ایک مہینے تک بات چلتی  
 رہی۔ پھر آکر کہنے لگے: آپ سے نہ پوچھیں، تو کس سے پوچھیں، اس علاقے  
 میں جلیل القدر صحابی آپ ہی ہیں، ویسے بھی ہمیں آپ سے بہتر ملتا ہی نہیں!  
 فرمانے لگے: میں اجتہاد کرتا ہوں، درست ہوا تو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف  
 سے ہے، غلطی کر بیٹھا، تو میرے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے  
 رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔ میرے مطابق وہ بغیر کسی کمی و زیادتی کے مہر  
 مثل اور وراثت کی حق دار ہوگی، چار مہینے دس دن عدت گزارے گی۔ یہ فتویٰ  
 بنو اشجع قبیلے کے کچھ لوگ سن رہے تھے، فوراً کہنے لگے: واللہ! آپ نے نبوی  
 فیصلہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی بروع بنت واشق نامی ہماری عورت کی

بابت یہی فیصلہ سنایا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس دن اور قبول اسلام کے دن کے علاوہ، کبھی اس قدر خوش و خرم دکھائی نہیں دیے۔“

(سنن النسائي: ۳۳۵۸، السنن الكبرى للبيهقي: ۲۴۵/۷، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۱۰۱) نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۱۰) نے ”امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

فائدہ:

امیر صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَرْأَةَ تَسْتَحِقُّ كَمَالَ الْمَهْرِ بِالْمَوْتِ، وَإِنْ لَمْ يُسَمَّ لَهَا الزَّوْجُ، وَلَا دَخَلَ بِهَا، وَتَسْتَحِقُّ مَهْرَ مِثْلِهَا.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ خاوند کے فوت ہو جانے پر عورت مہر کی حق دار ہوگی، اگر خاوند نے مہر مقرر نہیں کیا اور دخول بھی نہیں کیا، تو مہر مثل کی حق دار ہوگی۔“

(سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۲۸۹/۳)

**(سوال):** مہر مقرر ہوا، نکاح ہوا، خلوت صحیحہ اختیار نہیں کی، طلاق دے دی، تو عورت کو کتنا

مہر دیا جائے گا؟

**(جواب):** مہر مقرر ہوا، نکاح کے بعد جماع نہیں کیا، طلاق دے دی، تو نصف مہر ادا کرے

گا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ  
عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ  
بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾ (البقرة: ٢٣٧)

”آپ نے بیوی کو دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی، حق مہر مقرر ہو چکا تھا، تو  
بیوی کے لئے نصف مہر ہے، بیوی البتہ اپنے حصہ سے دستبردار ہو جائے یا  
شوہر بقیہ نصف بھی دے دے، تو اور بات ہے۔ اگر آپ بقیہ بھی دے دیں، تو  
شان تقویٰ اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپس میں احسان کو مت بھلائیں۔ آپ  
کے اعمال اللہ دیکھ رہا ہے۔“

**(سوال):** دورانِ جماع بیوی سے گفتگو کر سکتا ہے؟

**(جواب):** دورانِ جماع عورت سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحب (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْكَلَامُ حَالَ الْجِمَاعِ، فَقَدْ اسْتَدَلَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ  
عَلَى كَرَاهَةِ الْكَلَامِ حَالَ الْجِمَاعِ بِالْقِيَاسِ عَلَى كَرَاهَتِهِ حَالَ  
قَضَاءِ الْحَاجَةِ فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ بِجَمَاعِ الْأَسْتِخْبَاتِ فَبَاطِلٌ فَإِنَّ  
حَالَ الْجِمَاعِ حَالَةً مُسْتَلَدَّةً لَا حَالَةً مُسْتَخْبَثَةً وَفِي  
الْمُكَالَمَةِ حَالَتَهُ نَوْعٌ مِّنْ إِحْسَانِ الْعُشْرَةِ بَلْ فِيهِ لَذَّةٌ ظَاهِرَةٌ  
كَمَا قَالَ بَعْضُ الشُّعْرَاءِ :

وَيُعْجِبُنِي مِنْكَ حَالَ الْجِمَاعِ ..... لَيْنُ الْكَلَامِ وَضَعْفُ النَّظَرِ

وَإِنْ كَانَ الْجَمَاعُ شَيْئًا آخَرَ فَمَا هُوَ؟ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَرَعَ الْمُلَاعَبَةَ وَالْمُدَاعَبَةَ وَوَقَّتُ الْجَمَاعَ أَوَّلَى بِذَلِكَ مِنْ غَيْرِهِ .

”بعض اہل علم نے قضائے حاجت کے دوران کلام کرنے کی ممانعت پر قیاس کرتے ہوئے جماع کے دوران بھی کلام کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ وہ برا کام کر رہا ہے، تو یہ بات غلط ہے، کیوں کہ جماع لذت کے لمحات ہیں، نہ کہ برے۔ حالت جماع میں بیوی سے گفتگو کرنا حسن معاشرت ہے، بلکہ یہ واضح لذت ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا تھا:

وَيُعْجِبُنِي مِنْكَ حَالُ الْجَمَاعِ ..... لَيْنُ الْكَلَامِ وَضَعْفُ النَّظَرِ  
’مجھے بہ وقت جماع آپ سے نرم نرم کلام اور ہلکی ہلکی نظر خوش گوار لگتی ہے۔‘ اگر جماع کرنے والا کوئی اور کام کر رہا ہے، تو وہ کیا ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ بیوی سے دل لگی اور انکھیلیاں کرنا تو نبی کریم ﷺ نے مشروع کیا ہے اور دوران جماع ایسا کرنا بالاولیٰ جائز ہے۔“

(الروضة النّدية شرح الدرر البهية : ۸۳/۲)

**سوال:** حالت روزہ میں احتلام ہو گیا، کیا روزہ صحیح ہے؟

**جواب:** حالت روزہ میں احتلام ہو جائے، تو روزہ صحیح ہے، کیوں کہ احتلام اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ویسے بھی سویا ہوا انسان مرفوع القلم ہوتا ہے۔

**سوال:** کیا جن غیب جانتے ہیں؟

**جواب:** جن غیب نہیں جانتے۔ غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جو علم غیب کا دعویٰ

کرے یا غیب کے دعویدار کی تصدیق کرے، وہ کافر ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کا مرتکب ہوا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ . (یونس: ۲۰)

”فرما دیجئے کہ غیب اللہ کا خاصہ ہے۔“

نیز فرمانِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ .

(النمل: ۶۵)

”فرما دیجئے کہ زمین و آسمانوں کا غیب صرف اللہ جانتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةٌ

الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا

يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ . (سبا: ۱۴)

”جب ہم نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو فوت کر دیا، تو موت کی خبر دیمک نے دی

کہ جب اس نے آپ علیہ السلام کی لاٹھی کو چاٹ کر دیا، آپ گر گئے، جنوں پر عیاں

ہوا، تو کہنے لگے: ہائے! ہم غیب جانتے ہوتے، تو اتنی مشقت نہ اٹھانی پڑتی۔“

**(سوال):** اگر کوئی امام یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم ﷺ نور ہیں، بشر نہیں، غیب جانتے ہیں،

آپ سے مدد طلب کی جاسکتی ہے، آپ نفع و نقصان کے مالک ہیں، تو کیا ایسے امام کی اقتدا

میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

**(جواب):** یہ اعتقاد رکھنا گمراہی ہے۔ ایسے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ امام کو صحیح

العقیدہ ہونا ضروری ہے۔

(سوال) کسی فوت شدہ انسان کو ”مرحوم“ کہنا یا لکھنا کیسا ہے؟

(جواب) کسی فوت شدہ موحد انسان کو ”مرحوم“ کہنے یا لکھنے میں حرج نہیں۔ یہ کوئی اس کے متعلق خبر نہیں دی جا رہی، کیوں کہ ایسی خبر دینا غیبی امور میں سے ہے، بلکہ اچھے گمان اور امید کی بنیاد پر ایسا کہا جاتا ہے، اسی بنیاد پر تَعَمَّدهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ یا اِنْتَقَلَ اِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ بھی کہنا درست ہے۔

(سوال) نماز پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ بے وضو تھا یا غسل واجب تھا، کیا کرے؟

(جواب) یاد آنے پر وضو یا غسل کر کے دوبارہ نماز پڑھے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ .  
 ”بغیر وضو کے نماز قبول نہیں ہوتی۔“

(صحیح مسلم : ۲۲۴)

(سوال) بعض لوگ تراویح کی چار رکعات کے بعد تین بار ایک دعا پڑھتے ہیں، اس کا ثبوت کیا ہے؟

(جواب) اس دعا کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اس موقع پر مخصوص دعا کرنا بدعت اور مکروہ فعل ہے۔ دعایہ ہے:

سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ، سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ  
 وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبْرُوتِ، سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِي  
 لَا يَمُوتُ، سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ، لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ نَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ.

(فتاویٰ شامی: ۵۲۲/۱)

دینی امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا اذن اور اجازت ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور ائمہ دین ہرگز ایسا نہیں کرتے تھے۔

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ (۷۳۷ھ) لکھتے ہیں:

وَيَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَجَنَّبَ مَا أَحْدَثُوهُ مِنَ الذِّكْرِ بَعْدَ كُلِّ تَسْلِيمَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ وَمِنْ رَفْعِ أَصْوَاتِهِمْ بِذَلِكَ وَالْمَشْيِ عَلَى صَوْتٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْبِدْعِ وَكَذَلِكَ يُنْهَى عَنْ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ بَعْدَ ذِكْرِهِمْ بَعْدَ التَّسْلِيمَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ: «الصَّلَاةَ يَرْحَمُكُمُ اللَّهُ»، فَإِنَّهُ مُحَدَّثٌ أَيْضًا وَالْحَدَّثُ فِي الدِّينِ مَمْنُوعٌ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ ثُمَّ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ وَلَمْ يُذْكَرْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ السَّلَفِ فِعْلُ ذَلِكَ فَيَسْعُنَا مَا وَسِعَهُمْ.

”بعض اہل بدعت نے تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد مخصوص ذکر اور اسے بہ آواز بلند کر ایک ہی دھن سے ادا کرنا شروع کر دیا ہے، مسلمان کو اس سے مجتنب رہنا چاہیے، کیوں کہ یہ سب بدعات و خرافات ہیں۔ اسی طرح نماز تراویح ہی کی چار رکعات کے بعد مؤذن کا «الصَّلَاةَ يَرْحَمُكُمُ اللَّهُ» کہنا

بھی بدعت ہے اور دین میں بدعت کا اجرا حرام ہے۔ ہدایت تو محمد کریم ﷺ سے مل سکتی ہے، پھر خلفائے راشدین سے، پھر جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔ اسلاف میں سے کسی سے ایسا کرنا قطعاً ثابت نہیں، لہذا جو دین انہوں نے اپنایا، ہمیں وہی کافی ہے۔“

(المدخل: ۲/۲۹۴، وفي نسخة: ۱/۴۴۳)

**(سوال):** بعض لوگ مچھلیوں کا شکار کھیلتے ہوئے چھوٹی مچھلی کو کنڈی میں لگا کر پانی میں پھینک دیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

**(جواب):** ممنوع اور حرام فعل ہے۔ شریعت کی نظر میں کسی جاندار کو تکلیف دینا جرم ہے۔

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرَّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ.

”اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔“

(صحیح البخاری: ۶۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۵۹۳)

② جانور کا مثلہ کرنے پر لعنت کی گئی ہے، کیوں کہ اس پر اسے اذیت اور

تکلیف پہنچتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَثَلَ بِالْحَيَوَانِ.

”نبی کریم ﷺ نے جاندار کا مثلہ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔“

(صحیح البخاری: ۵۵۱۵)

③ کسی ذی روح کو باندھ نشانہ بنانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ سیدنا عبد اللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:



لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا.  
 ”کسی ذی روح کو باندھ کر نشانہ نہ لگاؤ۔“

(صحیح مسلم: ۱۹۵۶)

**(سوال):** انگوٹھی میں یا قوت، قیمتی پتھر اور جواہرات کے نگینے استعمال کرنا کیسا ہے؟

**(جواب):** انگوٹھی میں یا قوت، قیمتی پتھر اور جواہرات کے نگینے بہ طور زینت استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ خَاتَمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ، وَكَانَ  
 فَضُّهُ حَبَشِيًّا.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا۔“

(صحیح مسلم: ۲۰۹۴)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶-۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ: يَعْنِي حَجَرًا حَبَشِيًّا أَوْ فَصًّا مِّنْ جَزَعٍ أَوْ  
 عَقِيقٍ فَإِنَّ مَعْدِنَهُمَا بِالْحَبَشَةِ وَالْيَمَنِ.

”اہل علم اس سے حبشی پتھر مراد لیتے ہیں، یعنی اس کا نگینہ سنگ سلیمانی یا عقیق کا تھا۔ یہ دونوں حبشہ اور یمن کی معدنیات ہیں۔“

(شرح النووي: ۲۵۸/۱۴)

نیز شریعت میں پتھروں کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ اصل میں اباحت ہے۔ البتہ بعض لوگوں کے پتھروں سے متعلق عجیب و غریب نظریات ہوتے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ ان پتھروں کو پہننے کے جو فوائد بیان کیے جاتے ہیں اور ان کے متعلق جو روایات آتی ہیں، وہ

سب ”ضعیف“ اور ”باطل“ ہیں۔ ان پر مبنی نظریہ بھی ضعیف اور باطل ہوگا۔

پتھروں کی تاثیر کے حوالے سے باطل اعتقادات پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ہمارے ہاں کسی کو قیمتی پتھر پہنے ہوئے دیکھ لیا جائے، تو پوچھا جاتا ہے: کہاں سے حاصل کیا؟ جواباً اس کے فائدے گنوائے جاتے ہیں۔

(سوال): کیا قرآن کا کچھ حصہ بکری کھا گئی تھی؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ أُنزِلَتْ آيَةُ الرَّجْمِ وَرَضَعَاتُ الْكَبِيرِ عَشْرًا، فَكَانَتْ فِي وَرَقَةٍ تَحْتَ سَرِيرٍ فِي بَيْتِي، فَلَمَّا اشْتَكَيْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشَاغَلْنَا بِأَمْرِهِ، وَدَخَلَتْ دُوبَيْةٌ لَنَا فَأَكَلَتْهَا.

”آیت رجم اور آیت رضعات کبیر دس بار پینے سے ثابت ہوتی ہے، نازل ہوئی تھیں۔ یہ آیات میری چار پائی کے نیچے رکھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بخار نے آلیا، ہم آپ کی طرف مشغول ہو گئے، تب ایک بکری آئی اور ان دو آیات کو کھا گئی۔ (مسند أحمد: ۶/۲۶۹، وسندہ حسن)

بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن کو بکری کھا گئی، لہذا قرآن محفوظ کیسے؟

تو جواباً عرض ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن دو آیات کا ذکر کیا ہے، ان کی تو تلاوت ہی منسوخ ہو چکی تھی، جیسا کہ صحیح مسلم (۱۴۵۲) دس بار رضاعت اور صحیح بخاری (۶۸۳۰) میں آیت رجم کی منسوخیت کا ذکر ہے۔ یہ دو آیات ہی بکری نے کھائی ہیں۔

لہذا جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، بکری نہ بھی کھاتی، تو بھی قرآن میں ان

کا ذکر نہیں ہونا تھا۔ تو اس کی بنیاد پر قرآن کو ناقص قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

② یہ آیات منسوخ نہ ہوتیں تب بھی بکری کے ایک آیت کھانے سے ایسا کچھ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ قرآن میں کمی آگئی، کیوں کہ وہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے سینوں میں تو موجود تھا۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾ (العنکبوت: ۴۹)

اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذریعہ اہل علم کے سینوں کو قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن محفوظ ہے، بعض حضرات کا اسے غیر محفوظ باور کروانا سطھی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)  
 ”ہم نے اس ذکر کو نازل کیا، ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

نوٹ:

ہماری بحث ان آیات سے ہے، جنہیں بکری نے کھایا، وہ دس تھیں، پانچ رضعات والی آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہے اور حکم باقی ہے، لیکن یہاں اس پر بحث نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق نہ تو مذکورہ شبہ سے ہے، نہ ہی بکری کے کھانے سے۔ فافہم!

